
جلد ۱ اپریل سنہ ۱۹۱۲ء نمبر (۱)

تمدن

معاشرتی - تمدنی - ادبی - فلسفی - اخلاقی - تاریخی اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر = شیخ محمد اکرام - محمد عبد الراشد الخیری

فہرست مضامین :-

باہتمام محمد عبد الراشد الخیری

قیمت سالانہ قسم اول ۴ر قسم دوم ۳ر تمدن پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا ۱۳۳۰ھ قیمت فی پرچہ ۶ر

کتبہ احقر ابو ظفر حامد میرزا دہلوی

عصمت

(دہلی)

جہاں یہ مسئلہ طے ہو چکا کہ تعلیم نسواں ترقی کا پہلا راز ہے وہاں اکثر بزرگان قوم نے یہ بھی مان لیا ہے کہ خواتین کے مطالعہ کے واسطے عصمت ایک نعمت ہے جس میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کی فلاح و بہبودی ملحوظ ہے۔ کنواری لڑکیوں کے واسطے عصمت سے بہتر سہیلی عصمت سے بہتر شفیق بزرگ عصمت سے بہتر ناصح صلاح کار ملنا ناممکن ہے عصمت ان کو بتائیگا کہ کنوارپنے کی زندگی ان کو کس طرح گزارنی۔ ماں۔ باپ کا ادب بہن بھائیوں کی خدمت۔ بڑوں کی تعظیم چھوٹوں سے محبت ان کا فرض منصبی ہے جس نئی دنیا میں ان کو شامل ہونا ہے اس کے لیے انہیں کیا تیاری کرنی ہے جو دقتیں ان کو پیش آئیں گی ان کو کس طرح رفع کرنا ہے ساس نندوں کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں غرض ان کی آئندہ زندگی کو تمام خطرات سے بچا کر پر لطف و باطمینان بسر کرانے کے واسطے عصمت سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں +

بیاہی ہوئی لڑکیوں کو خانہ داری۔ گھر کے حساب کتاب۔ بال بچوں کی پرورش میں سب سے زیادہ جس چیز سے مدد مل سکتی ہے وہ عصمت ہے۔ عصمت ان کو بتائیگا کہ جس آمدنی کو وہ بے تامل خرچ کر رہی ہیں وہ کس محنت و مشقت سے پیدا کی گئی ہے۔ جو بچے قدرت نے ان کے سپرد کیے ہیں ان کی ذمہ داریاں ان پر کیا کیا ہیں کیا طریقے ہیں جن سے یہ بچے پل بڑھ کر جب گھر بار والے ہوں گے تو عزت سے زندگی بسر کریں گے اور عمر بھر اپنی ماؤں کو دعائیں دیں گے۔ عصمت بتائیگا کہ انہیں گھر کس طرح کرنا ہے۔ روپیہ کس طرح صرف کرنا ہے۔ خاندان کے ساتھ کیونکر بسر کرنی ہے۔ غرض عصمت لڑکیوں کو سچ مچ کی بیگم بنائے گا۔

انٹیل پیچ کی آب و تاب سنہری بیل درجہ اعلیٰ کا کاغذ۔ ہاف ٹون تصاویر تنہائی میں دل بہلانیوالا۔ فرصت میں کہانیاں سنانیوالا۔ مذہب کی دولت بتانیوالا عصمت سے بہتر ذریعہ اور کیا ہوگا۔ عصمت کا ایک ایک حرف گوہر آبدار ہے۔ ہر مہینے (۷۲) صفحے کا رسالہ کوڑیوں کے مول موتی ہیں۔ سالانہ قیمت ۲ روپے

مینیجر عصمت و تمدن

(دہلی)

GOD SAVE



The Empress Mary.

The Crescent P. Works

اُس کا دوسرا نام ریختہ رکھا جو ریختن سے مشتق ہے اور جس کے حقیقی معنی بکھری یا جھڑی ہوئی چیز کے ہیں مگر اہل فارس کی اصطلاح میں اُس زبان کو ریختہ کہتے ہیں جس میں مختلف زبانوں کے الفاظ مخلوط ہوں۔

اِن دونوں ناموں میں سے پہلے ہی کو شہرت نصیب ہوئی اور وہی مستحق تھا کیونکہ اس زبان کے مقام رواج کو ہمیشہ یاد دلاتا رہیگا۔

دوسرا نام یعنے ریختہ عرف عام نہ ہوا بلکہ خاص لوگوں کی اصطلاح رہا البتہ زمرہ شعرا میں لفظ اُردو کی بہ نسبت ریختہ کو زیادہ اعزاز حاصل ہوا۔ ریختہ کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

وہ جو کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک پارسی
گفتہ غالب ایک بار پڑھکے اُسے سنا کہ یوں

فصل دوم۔ اُردو کی پیدایش

اگرچہ عام شہرت نے اُردو کے جنم پترہ پر عہد شاہجہانی کی مہر لگادی ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دفعتاً ایسا انقلاب زبان میں ہوا بلکہ جس زمانہ سے شاہان غور کی سلطنت کا جھنڈا ہندوستان میں بلند ہوا اور مسلمانوں کی حکومت وہمسایگی نے ہندوؤں پر اثر ڈالا اُسی وقت سے ہندی بھاشا میں فارسی کا پیوند لگنا شروع ہو گیا تھا۔

چنانچہ راجہ پتھورا کے زمانہ کا کبیر چند کوی۔ عہد بلبن کا ملک الشعرا امیر خسرو۔ لودیوں کے وقت دیدانتی کبیر داس۔ اور دور اکبری کے سخنور با تلسی داس۔ سور داس ان سب کے ہندی اشعار میں۔ عربی۔ فارسی۔ الفاظ کی پٹھ دی گئی ہے +

عام باشندوں کی زبان میں تو نہایت آہستگی کے ساتھ ایک تغیر ہو رہا تھا لیکن اس کے برخلاف بادشاہی لشکروں میں جو نہایت متانت کا بیڑا تھا۔ جلد جلد زبان کروٹ بدلتی جاتی تھی۔ ترکی و فارسی بولنے والے سپاہی اور ہندوستانی سودا سلف بیچنے والے دونوں ایک دوسرے کے الفاظ استعمال کرنے لگے اور ایک ایسی بولی پیدا ہوگئی جس میں ہندی افعال کے ساتھ سب زبانوں کے اسمار کا بولنا جائز تھا۔

تاریخ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان زبان ہندی جانتے تھے خواہ بضرورت کاروبار سلطنت۔ خواہ اس وجہ سے کہ انھوں نے ہندوؤں کی آبادیوں میں بود وباش اختیار کی تھی۔ خواہ اس وجہ سے کہ بعض کے اہل وعیال بھی ہندی تھے سلطان علاءالدین اور کولادیبی کا رشتہ۔ شہزادہ خضر خاں اور دیول دیبی کا پیوند اس امر کی دلیل ہے کہ شاہی خاندان بھی ہندی زبان سے خالی نہ تھا۔

۱۳۳۳ء کے اندر ابن بطوطہ افریقی جس نے تمام ایشیا کی سیاحی کا افتخار حاصل کیا ہے۔ محمد تغلق کے دربار میں آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ جب سلطان نے اس کو عہدۂ قضا پر معتبر کرنا چاہا تو اس نے ہندی نہ جاننے کا عذر پیش کیا تھا۔ گو مسلمان ہندی جانتے تھے مگر اس میں شک نہیں کہ بارھویں سے پندرھویں صدی عیسوی تک کوئی بڑا تغیر زبان میں نہیں ہوا جو اس کا رنگ ڈھنگ بدلتا اور ایک نئے لقب کا مستحق بناتا۔

اس کا سبب یہ ہے کہ جب تک ہندوؤں نے فارسی زبان کی تحصیل پر رغبت نہیں کی اور فارسی کی نوشت وخواند کا سلسلہ چالو نہ ہوا اس وقت تک ہندی زبان میں فارسی الفاظ کی ریل پیل نہیں ہوئی۔

فارسی زبان پر ہندوؤں کی توجہ کا زمانہ لودیوں کا عہد سلطنت کہا گیا ہے پھر شہنشاہ اکبر کے دور دورہ میں تو ایسی ترقی ہوئی کہ ہندو بھی فارسی دانی کو اپنے عروج کا ذریعہ سمجھنے لگے +

اکبر نے ایسے مدارس کی ترقی میں بڑی کوشش کی تھی جن میں ہندو مسلمانوں کے علم پڑھائے جاتے تھے۔ اور ہر شخص کی تعلیم اس کی حالت اور منشا کے موافق ہوتی تھی فیضی کی نگرانی میں ایک دفتر سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کرنے کے لیے قایم کیا گیا تھا۔ شاہی محلات کو ہندوانیوں سے زیب و زینت حاصل تھی۔ اکثر مہمات میں راجپوت سورماؤں کے دستے افواج شاہی کے ہمدم و ہمقدم رہتے تھے۔ چنانچہ عہد شاہجہانی میں بہادر راجپوت کوہ ہندوکش کی گھاٹیوں اور ممالک بلخ و بدخشاں پر حملہ آور ہوئے ہیں +

یہ مغلیہ سلطنت اس نظر سے بھی ایک نیا زمانہ تھا کہ اس کو مغربی سرحد کے مسلمان قوموں سے چنداں تعلق نہ تھا اور اس لیے نئے گروہوں کی آمد جو ہندی سے ناآشنائے محض ہوتے تھے اب بہت کم ہو گئی تھی۔

ادھر تو مسلمان خاندانوں میں فارسی دھیمی پڑی ادھر ہندوؤں میں اسکی دھوم دھام بڑھی۔ اس طرح پر دونوں زبانوں کا امتزاج بہت تیزی سے ہونے لگا اور جو بات کئی صدی میں نہ ہوئی تھی وہ اس ایک صدی میں نمایاں ہوئی کہ عہد شاہجہانی کا ڈھانچہ اتنا بدل گیا کہ اس کو اردو کی معلی کا خطاب مل گیا۔ اور اسی طور سے جہاں جہاں سلطنت کے صدر مقام تھے وہاں بھی اس تغیر کا اثر پہنچا۔

فصل سوم - اُردو کے عناصر

اس بان میں اطراف ہند مغربی ایشیا اور وسط ایشیا کی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں - اور اسی رنگا رنگی نے اس کو ایک نئی زبان بنا دیا ہے -

اگر تم اُردو کو ایک درخت فرض کرو تو ہندی کو اس کی جڑ پاؤ گے اور عربی فارسی ترکی کو اس کے شاخ و برگ اور پھل پھول سمجھو گے جن سے یہ نونہال ہرا بھرا نظر آتا ہے -

پس اس کے بڑے عناصر چار ہیں ہندی - فارسی - عربی - ترکی اور آخر کار انگریزی بھی اس کا پانچواں عنصر بنا چاہتی ہے -

ان کے علاوہ زبانوں کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں مثلاً پنجابی - بنگالی - مرہٹی - فرانسیسی - پرتگالی - وغیرہ اور بعض مجہول النسل الفاظ بھی آملے ہیں جن کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کس سمت سے آپہونچے ہیں - مگر عناصر خمسہ کے سوا باقی کی تعداد اتنی قلیل ہے کہ وہ کسی شمار قطار میں نہیں ہیں البتہ ان کو ادوی ہیر سمجھنا کچھ بے جا نہ ہوگا +

اب طالب علموں کے لیے زیادہ مفید یہ بات ہے کہ وہ ہر ایک عنصر کا حسب نسب معلوم کریں اور یہ بات جانیں کہ وہ زبان کے کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور زمانہ کی گردش نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچایا ہے اور ان میں باہم کیا کیا رشتہ اور قرابت ہے +

(۱) برج بھاشا یہ کوئی خالص زبان نہ تھی بلکہ پراکرت ہندی - اور سنسکرت سے مل کر بنی تھی - بہت سے سالم اور بگڑے ہوئے الفاظ سنسکرت کے اس میں شامل ہیں +

سنسکرت	برج بھاشا	سنسکرت	برج بھاشا
گرہ	گھر	مستک	ماتھا
گرام	گانوں	ہست	ہاتھ
ہستی	ہاتھی		

قدیم زمانہ میں تحریری زبان سنسکرت تھی پنڈتوں کی تمام تصنیفات اسی زبان میں تھیں مگر جب سے کرشن جی کے پوجنے والوں نے ان کی مدح و ثنا کے لیے اپنی عام بھاشا کو منتخب کیا۔ اُس وقت سے اس زبان کو کتابوں میں لکھے جانے کی عزت حاصل ہوئی اور نیز گرو رامانند کے چیلوں کبیر وغیرہ نے عوام الناس کی تعلیم و تلقین کے لیے جو عارفانہ مضامین کے موتی پرو دئے۔ وہ بھی اس زبان کے فروغ میں بڑے مددگار ہوئے اور اس کو تحریری زبان بنانے میں کرشن جی کے مدح خوانوں سے کم کام نہیں کیا

سنسکرت۔ یہ ہندوستان کے آریوں کی زبان تھی جو شمال و مغرب سے آن کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ زبان عالمانہ تصنیفات کے لیے مخصوص تھی یا کبھی ہند میں عام طور پر بولی بھی گئی۔ بہرکیف اب تو وہ مدت سے کتب خانوں میں ہے اور ایک مردہ زبان سمجھی جاتی ہے۔ مگر اس کی اولاد۔ بنگالی۔ ہندی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ وغیرہ موجود ہے۔

فارسی۔ یہ آریہ نسل کی اس شاخ سے علاقہ رکھتی ہے جو ایران میں آباد ہوئی تھی اور ژند۔ پارسی۔ ارمنی۔ وغیرہ سب اسی کی بہنیں ہیں جو ایرانی خاندان کی زبانیں تھیں۔ فارسی اور سنسکرت میں بہت ہی قریب کا رشتہ ہے کیونکہ ایرانی۔ آریا۔ ہندی آریا۔ اصل میں ایک ہی سرزمین کے باشندے اور ایک ہی زبان کے بولنے والے تھے چنانچہ اب بھی فارسی اور سنسکرت میں

سدہا ایسے لفظ پائے جاتے ہیں جن کی اصل ایک ہے گو ان کے ہجوں اور تلفظ میں کچھ فرق ہو گیا ہے +

فارسی	سنسکرت	فارسی	سنسکرت	فارسی	سنسکرت	فارسی	سنسکرت
بوم	بھوم	استان	استھان	استن یا ستون	استھم	چرم	چرم
چتر	چھتر	شیر	کھیر	استر	اشٹ	داماد	یاماتر

عربی - اس کو آرین زبانوں سے کچھ تعلق نہیں بلکہ وہ سیمٹک خاندان یعنی اولاد سام سے علاقہ رکھتی ہے - اور اس کا رشتہ ناتہ سریانی و عبرانی زبانوں سے ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ عربی اور عبرانی میں ایسا ہی کم فرق ہے جیسا کہ ان دو لفظوں میں -

عربی بلاواسطہ ہندوستان میں نہیں آئی بلکہ وہ فارسی میں اس وقت سے شامل ہو چکی تھی جب کہ اہل عرب نے ایران کو فتح کیا تھا - گو عرب کی فتحمندی نے دونوں زبانوں کو شیر و شکر کر دیا تھا مگر ان میں خاندانی تعلق ایسا نہ تھا جیسا کہ فارسی اور سنسکرت میں تھا عربی کو فارسی خواہ اردو میں فضیلت و فوقیت صرف اسی وجہ سے حاصل نہیں ہوئی کہ وہ مسلمانوں کے مذہبی علوم کا سرچشمہ تھی - بلکہ وہ آخر زمانہ میں تمام دنیا کے علوم کی جائے پناہ تھی اور دنیا کی مذہب زبانوں میں ایک معزز زبان ہو گئی تھی اور نیز برخلاف آرین زبانوں کے اس کے اشتقاق و تصریف میں غایت درجہ کا اختصار بھی ہے جس کا بیان آیندہ باب میں کیا جائے گا - عربی کے ساتھ ساتھ بعض یونانی الفاظ بھی آ گئے ہیں کیونکہ یونانی علوم کا ترجمہ عربی میں بہت کچھ کیا گیا تھا +

ترکی - اس کو نہ تو آرین زبانوں سے تعلق نہ سیمٹک سے ربط -

یہ ایک تیسرے خاندان تورانی سے متعلق ہے جس کی شاخیں ہنگری تامل۔ تلیگو۔ جاپانی۔ چینی۔ تبتی۔ اور جنوبی افریقہ کی زبانیں ہیں۔

جب تاتاریوں نے عرب کی ایرانی سلطنت کو دبالیا تو فارسی میں ترکی الفاظ بھی شامل ہوگئے خصوصاً ہندوستان میں تو ترکی ہی خاندان کے بادشاہوں نے سلطنت جمائی۔ اور انہیں کے خاندان پر ختم ہوگئی لیکن ترکی الفاظ کی افراط اس وجہہ سے نہ ہوئی کہ ترکوں کے عہد میں درباری زبان ہمیشہ فارسی ہی رہی۔

انگریزی۔ یہ بھی مثل فارسی یا اُردو کے مرکب زبان ہے جس میں بعض یونانی۔ لاطینی۔ الفاظ شامل ہیں جس طرح فارسی میں عربی یا ہندی میں سنسکرت مگر ہمارے طالب علموں کو صرف اِس قدر جان لینا کافی ہے کہ اس کا تعلق آرین خاندان سے ہے۔ اور جو رشتہ فارسی کو سنسکرت کے ساتھ تھا وہی انگریزی کو ہے علمائے زبان نے ایک بڑی تعداد اُن الفاظ کی دریافت کی ہے جو تمام آرین زبانوں میں مشترک پائے جاتے ہیں۔ اور نہ صرف الفاظ ہی میں اتحاد و اشتراک پا گیا بلکہ آرین زبانوں کے جملوں کی ساخت اور اجزا جملہ کی ترکیب و ترتیب میں بھی مطابقت ثابت ہوئی ہے۔

ذیل میں چند ایسے الفاظ نقل کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ سنسکرت۔ فارسی۔ اور انگریزی یہ تینوں ایک ہی کھیت کے گھوڑے اور ایک ہی باٹ کے روڑے ہیں جن کو وطن کے اختلاف اور زمانہ کے انقلاب نے اجنبی بنا دیا ہے۔

سنسکرت	فارسی	انگریزی	سنسکرت	فارسی	انگریزی
پتر	پدر	فادر	بدھوا	بیوہ	وڈو
دوہتر	دختر	ڈاٹر	استھا	استاد	اسٹینڈ
دِو	دو	وِٹ = دانشمند	یوگ	یوغ	یوگ = جا
بھراتر	برادر	برادر	سشراکا	شکر	سشگر
نوین	نوا	نیو	.	نام	نیم

انگریزی کا میل ان دو زبانوں میں بالکل فارسی و ہندی کی تفسیر پر شروع ہوا ہے لیکن انگریزی کے رواج کو انگریزی قوم کی تجارت سے۔ گورنمنٹ کے محکمۂ تعلیم سے اور نیوز پیپر چھاپہ اور اخبارات سے ایسی زبردست مدد ملی جو فارسی کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔

متفرقات۔ اب ہم باقی الفاظ کو جو اردو میں شامل متفرقات میں شمار کرتے ہیں۔ اس سبب سے کہ ان کی تعداد قلیل ہے۔ ان میں سے بعض تو ہندوستان ہی کی دوسری زبانوں کے ہیں۔ مثلاً **پنجابی بنگالی** وغیرہ اور بعض یورپ کی زبانوں کے ہیں اور یہ ان قوموں کی یادگار ہیں جنھوں نے مثل انگریزوں کے ہندوستان کی تجارت شروع کی تھی۔ اور حکومت حاصل کرنے میں بھی زور لگایا تھا +

لفظ	نام زبان	لفظ	نام زبان	لفظ	نام زبان
نیلام		پادری		گرجا	
تولیہ		بمبو		پاگل	

فصل (۴) اُردو کی ترقی

(۱) اُردو تحریری زبان بن گئی

اگرچہ عہد شاہجہانی یا کچھ پیشتر سے شہروں میں اُردو زبان کا روزمرہ ہوگیا تھا مگر نہ تو سرکاری دفتروں میں نہ عام خط و کتابت میں اس کو جگہ ملی البتہ شاعری نے جو اس زمانہ کا ایک عالمگیر مرض تھا پہلے پہلے اس زبان پر توجہ کی نظر ڈالی اور جو کچھ شاعروں نے نظم کیا اس کو محفوظ رکھنے کی غرض سے بیاض و سفینہ میں لکھ لیا۔ تذکرہ نویسوں نے ولی گجراتی کو جو عہد عالمگیری میں تھا سب سے پہلا شاعر اُردو قرار دیا ہے غالباً اس شہرت کی یہ وجہ ہے کہ اوّل اسی شاعر نے اُردو غزلیات کا دیوان مرتب کیا تھا۔ رفتہ رفتہ قصّے افسانے اور مذہبی۔ اخلاقی۔ ادبی۔ اور فقہ کے رسائل بھی اس میں تصنیف و تالیف ہونے لگے یہاں تک کہ قرآن مجید اور حدیث و تفسیر کی کتابیں بھی ترجمہ ہوئیں۔

(۲) اُردو درباری زبان بن گئی

سنہ ۱۸۳۲ء سے سرکار انگریزی نے تمام عدالتوں میں بجائے فارسی کے اُردو کو قایم کیا۔ اور ادنے درجہ کی تعلیم کے مدارس جو گورنمنٹ کی طرف سے جاری کیے گئے۔ ان میں بھی تعلیمی زبان اسی کو قرار دیا۔ اور اس ذریعہ سے ان علوم و فنون کی کتابیں تالیف و ترجمہ ہوئیں جو داخل درس تھے۔

فصل ۵۔ اُردو کا طرز انشا بدل گیا

سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد ایک نیا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں شروع ہوتا ہے

جس نے بہت جلد کایا پلٹ دی ہے۔

گورنمنٹ کا صیغہ تعلیم ترقی پا رہا ہے۔ یوروپین خیالات کی گھٹا اُمڈی چلی آتی ہے پرانی تعلیم اور پرانے خیالات روز بروز دلوں سے دھلتے جاتے ہیں +

دلی اور لکھنؤ کے وہ دونوں گھر برباد ہو چکے ہیں جو نازک خیال اور شیریں مقال مدحت شعار و خوشامد نگار شاعروں کے لیے کعبۂ امن وامان تھے اب نہ وہ سر ہے نہ وہ سودا۔ نہ وہ راگ ہے نہ وہ ٹھانٹ۔ عاشقانہ غزلخوانی اور جھوٹی جادو بیانی قبر میں پانو لٹکائے بیٹھی ہے۔ لیکن جس قدر اس نحوس شاعری کا زور گھٹ رہا ہے۔ اسی قدر نثر میں جان پڑ گئی ہے۔ اُردو اخبارونکی تہذیب و ترقی کے ساتھ ساتھ اُردو نثر بھی بامعنی اور پُر زور ہوتی جاتی ہے۔

انگریزی آمیخلوں اور کتابوں کے ترجموں نے انگریزی طرز انشاء کا سایہ اُردو پر ڈالا ہے۔ اب اخباروں اور قصے کہانیوں میں وہ بیہودہ قافیہ بندی جو لکھنؤ والوں کا خمیر تھا اور جس کے شکنجہ میں محاورے اور مضمون کی مشکیں خونی مجرم کی طرح کسی جاتی تھیں۔ خود اسی کا قافیہ تنگ ہے۔ بیدل اور ظہوری کی تقلید کرنے والے کوچ کر گئے ہیں۔ میرزا سرور کے فسانہ عجائب پر مکھیاں بھنکنے لگی ہیں سرکاری مراسلت اور باہمی خط و کتابت کے بیہودہ غلامانہ القاب و آداب کی بیڑیاں کٹ گئیں۔ توسن خامہ اور شب دیز قلم کو اگاڑی پچھاڑی لگا دی گئی ہے۔ اب وہ پہلے زمانہ کی سی کودپھاند نہیں کرتے +

اب سادہ سلیس اور معنی خیز عبارت کا رواج ترقی کر رہا ہے۔ وہ خیالی تشبیہیں اور مبالغے جن کا سبھاؤ پنجاب کے عمامہ اور لکھنؤ کے پاجامہ کی

طرح سخت دشوار تھا اس زمانہ کی انشا سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ اگرچہ بہت کچھ ہوا اور ہو رہا ہے مگر ہمارے علم ادب کو ابھی بہت سی منزلیں تہذیب و ترقی کی طے کرنی باقی ہیں +

سنسکرت	فارسی	یونانی	لاطینی	جرمن	انگریزی	اُردو
پِتر	پدر	پُتر	پتَر	وتر	فادر	باپ
استھا	اِستاد	استمی	اِستو	استھی	اسٹینڈ	کھڑا
یوگ	یوغ	زگمیں	جوگم	جوچ	یوک	جُوا
وِد	وَد	نیڈو	وڈو	وسی	وٹ	دانشمند
	تندر				تھنڈر	
	نرسک				فزیشن	
براتر	برادر				برادر	
بدہوا	بیوہ				ورڈو	
	مادر				مدر	
دُہتر	دختر				ڈاٹر	
شراکرا	شکر				سگر	
اشٹ	ہشت				ایٹ	
اشٹ	اشتر					
بھوم	بوم					
نویں	نوَ				نیو	
	نام				نیم	

چونکہ مختلف ضرورتوں سے مختلف گروہوں نے نثر کو ترقی دی ہے

سعیل حسل

اس لیے ہر فرقہ کی تحریر میں اس کی جداگانہ کیفیت ہے اس لیے ہم اسکی تقسیم قرار دے کر ہر قسم کا حال جدا جدا بیان کرنا چاہتے ہیں۔

۱- مولویوں کی نثر۔
۲- سرکاری دفتروں کی نثر
۳- قصے کہانیوں کی شاعرانہ نثر
۴- سررشتہ تعلیم کی نثر۔
۵- اخباروں کی نثر

ہمارے مولویوں کی اُردو بیشتر بے محاورہ ہوتی ہے وہ شاید اس زبان کے اصول کیطرف توجہ کرنا کسرِ شان سمجھتے ہیں اکثر ان کے جملوں کی بناوٹ عربی سے مشابہ ہوتی ہے صرف مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی کا مشہور ترجمہ قرآن مجید البتہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ خیر ترجمہ کرنے والے تو کسی قدر معذور خیال کیے جا سکتے ہیں مگر بعض بزرگوار تو اپنی تالیف و تصنیف میں بھی یہی غضب ڈھاتے ہیں۔
سرکاری دفتروں کی اُردو بھی کسی قدر بے ڈھنگی ہوتی ہے۔

محمد اسمٰعیل۔ میرٹھی

لڑکیوں کی انشا۔ حامیان تعلیم نسواں کی عرصے سے خواہش تھی کہ کوئی انشا لڑکیوں کے واسطے مولوی محمد عبدالرشد صاحب ایڈیٹر کی قلم سے نکلے بلطف زبان کے واسطے کچھ لکھنا بیسود ہے۔ ہر خط ایسا موثر ہے کہ ایک ایک حرف کلیجہ پر گڑتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔ ناظرین عصمت و تمدن سے آٹھ آنہ۔ (۸ر)
مینیجر عصمت و تمدن دہلی کو طلب کیجیے

شبنم

برگ صافِ گُل پہ عکسِ خوشۂ پرویں ہو تو — سچ بتا یا چاکِ گُل کا تکمۂ سیمیں ہے تو

ہے حبابِ شیشہ یا ہیرے کا کوئی ریزہ ہو — یا کسی معشوق کے تو کان کا آویزہ ہے

بیچ میں جھمکے ہیں برگِ غنچہ کی حریم — یا شوالہ میں ہے اک رکھا ہوا ناقوسِ سیم

دامنِ نرگس میں تیرے گوہرِ شہوار ہیں — یا میانِ صحنِ میخانہ ڈلے میخوار ہیں

شاہدِ گُل کی انگوٹھی کا نگینہ ہے کوئی — یا کفِ ساقیِ گُل پر آبگینہ ہے کوئی

تو کوئی نقطہ ہے تحریرِ کتابِ حسن کا — یا شرارہ ہے کوئی تو برقِ تابِ حسن کا

فصلِ گُل میں بزمِ گُل کا تو کوئی پیمانہ ہے — سچ بتا یا خرمنِ مہ کا تو کوئی دانہ ہے

شاہدِ گُل کی جبیں کا ذرۂ افشاں ہے تو — کشتیِ غنچہ کا یا اک لنگرِ رخشاں ہے تو

ہے جوانانِ چمن کا خندۂ دنداں نما — بزمِ گُل میں یا ہے آویزاں بلوری قمقمہ

کودکِ غنچہ کے سر پر رکھتی ہے بانکی کلاہ — نصب ہے شبگیرِ مہ کے واسطے یا میلِ راہ

سچ بتا آویزۂ غنچہ میں ہیرے ہیں جڑے — یا کسی معشوق کے آنچل میں موتی ہیں بندھے

جوش زن سیلِ بہاری ہے اور اس کا کف ہے تو — سچ بتا یا مطربِ بلبل کا کوئی دف ہے تو

آتشِ گُل پر ہوا سیماب کا کیونکر قیام — تو بہ گُل میں ہے شاید یہ گدازِ سیمِ خام

کرمکِ شب تاب یا سنبل نے کھینچے جال میں — یا کسی معشوق نے موتی پروئے بال میں

گر پڑا ہے موتیوں کا کوئی مالا ٹوٹ کر — دستِ ساقی سے گرا یا کوئی ساغر چھوٹ کر

تجھ میں پنہاں رازِ سازِ عشرتِ دیرینہ ہے — برگِ گُل آئینہ اور تو جوہرِ آئینہ ہے

کون ہے تو، اور ہے تیرا حیّزِ اصلی کہاں ؟

کھینچ لایا آبُ دانہ کس طرح تجھ کو یہاں ؟

بیکس و مظلوم، فریادی، مستردہ ہوں ٭ میں ہمہ تن آبلہ ہوں، منجمد اک آہ ہوں

پھول میں شب کی صحبت برہم کا جام واژگوں گریۂ مجبور ہوں، پامالِ بخت سرنگوں

ڈالدے مجھکو جہاں افتادگی تقدیر کی بس وہیں بیٹھ جائے پیروں میں کڑی زنجیر کی

کیا خبر میں ہوں مقیم خانۂ یار اجل نہیں اس قدر بن جاتا ہوں، عقدۂ مشکل نہیں

ہے مری ہستی فنائے عیش و عشرت کی دلیل کیا وان گل کہ مجھکو جانتے کوئی جمیل

تم سمجھتے ہو کہ جیل گل سے میں سیراب ہوں دیکھو آنکھیں ہو لگی ہیں دیدۂ پر آب ہوں

چاند نے ہنسنا کا مجھے، سورج نے نور لیلیا یہ سمجھ لو گو کہ بازی ہوں میں ہر ذرہ کا

گل کی ذرہ سی ہوس نے کچھ چمن کی فکر کی دست و پا کا ہوش ہے مجھکو نہ تن کی فکر ہے

سلسلہ ہچکیوں کا میری ہستی کی دلیل
زاری پیہم تمہ ہوتیں، اک بیقراری ہو طویل

نیاز۔ فتحپوری

یاسمین - پروفیسر میرزا محمد سعید صاحب ایم - اے مصنف خواب ہستی کا یہ لاجواب و نتیجہ خیز ناول اور تمدن ایجنسی کی پہلی کتاب جس کا عرصہ سے ملک کو انتظار تھا تیار ہوگئی ہے یہ کتاب جو درحقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے۔ قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلبا کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ یاسمین جو اس تمام قصہ کی جان ہے ایک نوجوان لڑکی ایک مشہور نازنین ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفۂ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے۔ قابل مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونے کی کافی ضمانت ہے۔ قیمت (عمر) منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجئے

تمدن اسلام

سلسلہ کے پہلے جز ن ملاحظہ ہو۔

(۴)

جن قوموں کے حالات آپ نے اب تک ملاحظہ فرمائے، اُن کے سوا دنیا کی اور بھی اکثر قوموں نے اسلامی راج کو بنا دیا، جنہیں گرج، کرد، آرمنی اہل سسلی، اہل روم، وغیرہ کا شمار کیا جا سکتا ہے، جن کی مفتوحیت کو تو کسی کسی نے بھانا، اور بہتوں نے نہ جانا، مگر تمدن اسلام کے انوار سے جب وہ جگمگا اُٹھے تو دنیا سننے والے بھی انہیں جان اور خوب طرح پہچان گئے سلطنت اسلام نے انہیں دنیا کے کھیل اور ترقی کے رنگ دکھائے۔ تمدن کے ڈھنگ بتائے آخر ان ہواؤں نے اُن کے دل و دماغ کے ساتھ ایسا کام کیا جیسے ایک پنکھے دی سے دو ایک شوخ طبع حسین بھی آملیں رات ہو چاندنی اور وہ بھی ٹھنڈی ٹھنڈی تو کھلا ہوا میدان اور مرغزار دیکھ کر اُن کا دل خواہ مخواہ مچل ہی اُٹھے گا کہ کچھ چلت پھرت ہو۔ یہی مواقع اُن مفتوحہ اقوام کو بھی حاصل تھے۔ لہذا خواہش پر داز ہر دل میں لہریں لینے لگی۔ اور ہر شخص اپنے بازوؤں کی طاقت بھر اُٹھان پر جانے لگا۔ بالآخر اس کوشش اور سعی کے عام مذاق نے (جو پہلے تو مقابلہ کے جوش اور دیکھا دیکھی سے پیدا ہوا تھا مگر پھر وہی رنگ طبیعت طبیعت بن گیا) اُن کی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔

اُن کی نیچرل استعداد پر اس باب کی مساعدت نے وہ رنگ و روغن دیا

کہ اُن کی اگلی اور پچھلی حالتیں خود کفر و اسلام کے فرق کا معیار بنتی ہیں،

اُن کے ساعی مشکور، اور اُن کے خراب معمولہ ہونے کی چند تاریخی نظائر پیش کرنے کی ہم ناظرین سے معافی چاہتے ہیں، اور بنظر سہولت انہیں ذیل کے نقشہ میں دکھاتے ہیں،

سلسلہ	نام	ابتدائی حالت	درجہ ترقی	کیفیت
۱	ملک الافضل	معمولی درجہ کا ایک آرمی شخص تھا،	تدریجاً کمانڈر انچیف افواج کے درجہ تک پہونچا	
۲	بدر	خلیفہ معتضد باللہ کا غلام تھا	فیلڈ مارشل کے درجہ پر فائز ہوا۔	مزید براں یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ فوجی نشانوں کے پھریروں، اور سرکاری فوجی اسلحہ پر اسی کے نام کا معرکہ ہوتا تھا،
۳	صلاح الدین	اس نے قوم کرد میں جنم لیا۔ فوج میں آکر نوکر ہوا	پھر ایک فوجی سپاہی سے بڑھتے بڑھتے۔ سلطان صلاح الدین بن گیا۔	یورپ کی تمام متحدہ طاقتوں سے بیت المقدس کے لیے ایک عرصہ تک ہنگامہ آرا رہا۔ مسلمان تو مسلمان ہیں یورپ میں عیسائیوں کا بچہ بچہ سلطان صلاح الدین کے نام سے واقف ہے

سلسلہ	نام	ابتدائی حالت	درجہ ترقی	کیفیت
۴	بجکم	کسی خلیفہ بغداد کا غلام تھا	امیر الامراء کے درجہ پر فائز ہوا تھا۔	یہ درجہ دولت عباسیہ کے اعلیٰ ترین درباری عہدوں سے تھا
۵	جوہر	ایک سددی غلام تھا	فاطمیین مصر کا نامور سپہ سالار فوج	اس نے مصر میں فاطمیین کی سلطنت قایم کی، اور چوتھی صدی ہجری کے وسط میں قاہرہ کی بنیاد ڈالی، خلیفہ معز کی اولاد نے اس کا یہاں تک اعزاز و احترام کیا کہ فتح مصر کے ارادہ سے جب دوبارہ مصر آیا تو انہوں نے پاپیادہ دو تک جا کر اس کا استقبال کیا،
۶	کافور الاخشیدی	حبشی غلام تھا	مصر میں بڑے زور شور سے حکومت اس نے کی	۳۵۵ھ ہجری اسکی حکومت کا سنہ آغاز ہے،
۷	مونس	کسی مسلمان بادشاہ کے خدام میں سے تھا۔	خود مختار والی ملک بنایا گیا	کاروبار سلطنت میں ابتدا سے اس کا دماغ خوب کام دیتا تھا، انتظامی قوت اور سیاسی قابلیت نے کام بڑھا دیا، اور خود مختاری حکومت مل گئی۔
۸	برجوان	ایک معمولی شخص تھا	خلیفہ عزیز باللہ و حاکم بامر اللہ فاطمی کے عہد میں	فاطمیین مصر کے دربار کا سب سے پہلا خطاب یافتہ الاہی ہے۔

سلسلہ	نام	ابتدائی حالت	درجہ ترقی	کیفیت
			منصب وزارت سے گرانقدر کیا گیا اور زین الدولہ کا خطاب ملا۔	
۹	قراقرش الطواشی	ایک معمولی شخص تھا	وزیر صلاح الدین ایوبی	×
۱۰	عمید الملک	"	ترکوں کا ایک بڑا نامور جنرل	×
۱۱	سُقیر	کسی کا خادم تھا	بنی طولون کے عہد میں مصر و شام کے ڈاکخانہ جات کا افسر اعلیٰ ہوا۔	×
۱۲	موتمن الخلافۃ	"	دولت فاطمیہ کا مشہور وزیر تھا۔	×

یہ صرف سلطنت مصر کی بے شمار مثالیں ادنیٰ حالت سے ترقی کر کے اعلیٰ درجہ پر پہونچنے کی خلافت اندلس - عہد سلاجقہ اور دیگر دول اسلام کی پیش کی جاسکتی ہیں تاریخ جن سے بھری پڑی ہے +

اسلام کا مشن ان تمدنی حالات سے اگر تھوڑی دیر کے لیے قطع نظر کرلی جائے، اور اجتماعی (سوشل) حالات پر تاریخی وثائق کی امداد سے نظر ڈالی جائے تو اسلام کی زبردست روحانی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جسکی وجہ سے معلنات باطلہ کو شکست اور تحقیق کو رواج ہوا۔

سب سے پہلے اسلام نے مسئلہ "ذات باری تعالیٰ" اور "واجب الوجود" کی تحقیق کی، کیونکہ دنیا اس منزل کی تلاش میں بہت ٹھوکریں کھا چکی تھی اور پھر بھی ایسے غلط راستہ پر جا رہی تھی کہ ماسوی اللہ عالم کا ہر ہر ذرہ اُس کا معبود اور مرجع انقیاد وعبادت بنا ہوا تھا، اُس نے ان گم گشتوں کو اِس آواز غیب سے خبردار کیا،

وہ ہی ذات واحد عبادت کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق اُسی کی ہے سرکار عبادت کے لائق

جھکاؤ تو سر اوس کے آگے جھکاؤ
لگاؤ تو بس لو اُسی سے لگاؤ

یہ اور اسی طرح مسائل رسالت اور پھر آخرت وغیرہ کی کنہ سمجھائی، اور دین کے ساتھ ساتھ دنیا کا انتظام بھی بتایا،

غرض دنیاوی امور میں اُس کے عقلی فیصلے، اور مذہبی مسائل میں اُس کے سہل اور آسان شرائع ایک عالم کی نظر میں ایسے سہانے کہ

ہوا کعبہ آباد سب گھر اُجڑ کر
جمے ایک جا سارے ڈنگل بچھڑ کر

طریق اشاعت دنیا میں کسی مذہب یا کسی فرقہ کے خیالات کی اشاعت کے عموماً دو طریقہ رائج تھے بزور شمشیر اشاعت ہوتی تھی یا مشنریوں کی

فریب کاریوں سے۔ مگر در اصل ان دونوں طریقوں سے شائع کیے ہوئے خیالات اور مذاہب اپنے متبعین کی راسخ الاعتقادی کے ذمہ دار ہرگز نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ خود مذہب یا اُس خیال میں کوئی الہامی طاقت یا ارتقائی رُوح نہو۔ کیونکہ جس فریب اور عارضی اثر کی سطح پر اُس کا پایہ قایم ہوگا اُس کے زائل ہوتے ہی عمارت بھی اُکھڑ جائے گی۔

چنانچہ اسلام نے اپنے دوسرے زرین اصولوں کی طرح طریق اشاعت میں بھی ان جبری اصولوں سے کہیں کام نہیں لیا، اگرچہ اس مقام پر وہ صورت معترضین کی نگاہ میں کھٹکے گی جو مفتوحہ ممالک میں "لطریق مالغہ الخلوا" قبول اسلام کی پیش کیجاتی ہے مگر یہ یاد رہے کہ اُس "مارشل لا" کے ذمہ دار سیاسی مصالح ہیں نہ مذہب،

اسلام کی اشاعت ہر فرد اسلام کے خود طرزِ عمل نے کی، مسلمان اپنے دنیاوی کاروبار، علمی تحقیق و تلاش، اور فتوحات کے لیے جدہر نکل گئے اپنے کام کے ساتھ اپنے پاک مذہب کی اشاعت بھی کر آئے، اس کے لیے اُن کے پاس چلتے ہوئے منتر محض اُن کے مذہب کا تعلیم کیا ہوا اخلاق، اُن کا بے نظیر تمدن، اور اُن کی معاشرت تھی، اس کے سوا نہ کوئی مشنری تھی، نہ ابلہ فریب داعی اور دو کلا تھے،

مگر صد حسرت اُن پاک اور مقدس جادہ صداقت کی راہ پیما، اور روشن ضمیر مسلمانوں کی نیک اخلاق اور نیک اعمال پر کہ اُن کی مساعی کا وہ حصہ

سلہ اسلام اپنے مفتوحہ اقوام کے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہے۔ اسلام لاؤ۔ جزیہ دو ورنہ جنگ کرو؟ مگر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس "الٹیمیٹم" میں بھی کس قدر آزاد شرائط پر حصر کیا جاتا ہے، جو اسلامی احکام کی ایک عام خصوصیت ہے ۱۲۔

جس کا تعلق قلب اور ضمیر سے تھا اب تک بھی لہلہا رہا ہے، اور اقطاع عالم مثلاً مصر، شام، عراق، جزیرہ عرب، فارس۔ ہند۔ جزائر بحر محیط ملاکا، بورنیو، وسط افریقہ، افریقہ شرقی، زنجبار، ترکستان، افغانستان، چین، امریکہ، آسٹریلیا، اسپین، وغیرہ میں مسلمان باوجود مدافعانہ کوششوں اور سازشوں کے آج بھی اپنا ایک مستقل، اور اقوام عالم پر گراں گزرنیوالا وجود رکھتے ہیں، جو اسکی روحانیت کا آفتاب سے زیادہ روشن کرشمہ ہے

مگر کیا اس شمار اور اس روحانیت پر جو آج محض مسلمانوں کی اعتقادی کفالت کر رہی ہے، قناعت کر لینے سے مسلمان اپنے برگزیدہ او نامور اسلاف کے خلف، اور اپنے تہذیب و ترقی کے بانی مذہب کے تبع ٹھہر گئے؟ جبکہ اس شمار اور ایمان کی صحیح مثال یہ ہے کہ

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق
تحسیں کنند و او خجل از زشت پائے خویش

ہرگز نہیں! مسلمان مسلمان جب ہیں، کہ وہ علم و حکمت، تعذیب و ترقی، تمدن و اخلاق کے جامع ہوں، کیونکہ اسلام انہیں اجزا کے مجموعہ کا نام ہے۔ نشاۃ جدیدہ کے کارناموں سے واقف و ماہر ہوں، کیونکہ اسلام تحقیق و تلاش استدراک و استنباط کا حامی اور معلم ہے ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ"

خان عالی

سلہ اسلامی دنیا کی مردم شماری عیسائی کانفرنس منعقدہ قاہرہ نے تیس کروڑ سے کچھ زیادہ شمار کی ہے ۱۲

خلاصہ نظم اقبال

(جو انجمن حمایت الاسلام لاہور کے جلسہ میں پڑھی گئی)

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا	دانہ تو کھیتی بھی تو باراں بھی تو حاصل بھی تو
آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے؟	راہ تو رہرو بھی تو رہبر بھی تو منزل بھی تو
کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا؟	ناخدا تو بحر تو کشتی بھی تو ساحل بھی تو
دیکھ آکر کوچۂ چاکِ گریباں میں کبھی	قیس تو لیلا بھی تو صحرا بھی تو محمل بھی تو
وائے ناداں کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا!	مے بھی تو مینا بھی تو ساقی بھی تو محفل بھی تو
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو	خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

بے خبر! تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے

تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو	قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو	دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیامِ ناز کا	جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ	تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
اب تلک شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت	اے تغافل پیشہ تجھ کو یاد وہ پیماں بھی ہے
تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا	ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے
دل کی کیفیت ہے پیدا پردۂ تقدیر میں	کیسوت مینا میں ہے مستور بھی عریاں بھی ہے
پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے	اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے
راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ	جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی۔

اس قدر ہوگی ترنّم آفریں بادِ بہار
نکہتِ خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی

آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
یعنی گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی

شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی

دیکھ لوگے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل
موجِ مضطر ہی اسے زنجیرِ پا ہو جائے گی

پھر دلوں کو یاد آجائیگا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور
خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

اقبال

"ہندوستان کا قدیم ترین شہر"

اُجّین

ہندوستان کے تمام شہروں میں بہ لحاظ قدامت جو امتیازی خصوصیت اُجّین سے وابستہ ہے وہ اُسے موجودہ گئی گذری حالت کے باوجود شائقین یادگار قدیمہ کی نظر میں خاص طور پر موقر اور قابل وقعت بنائے ہوئے ہے۔ زمانہ کے تغیرات کے ساتھ ہندوستان کی آبادی بھی انقلاب کے لازمی اور جبری قانون کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکی لیکن مالوہ کا قدیم دارالسلطنت۔ راجہ بکرماجیت ایسے علم دوست اور اولوالعزم فرماں روا کا مستقر حکومت اور کالیداس ایسے زندہ جاوید شاعر کا مولد و مسکن حادثات دنیاوی اور نیرنگی زمانہ کا شکار ہونے کے باوصف اپنی ٹوٹی پھوٹی دیواروں اور خراب خستہ عمارات سے اب بھی گوناگوں دلچسپیوں کا مجموعہ بنا ہوا ہے اس میں شک نہیں کہ زمانے کے دستبرد سے اُس کی شان و شوکت اور عظمت و جلال کی پہلی سی دلآویز کیفیت باقی نہیں رہی لیکن آثار قدیمہ کے جوہریوں کو اب بھی اس کے کھنڈرات میں وہ بیش بہا جواہر مل سکتے ہیں جن کی آب و تاب اور چمک دمک سے کسی زمانے میں "عروس مالوہ" کا سہاگ قایم تھا۔ انقلاب کے زبردست ہاتھ نے گو اُس کی حالت و حیثیت میں زمین آسمان کا فرق پیدا کردیا ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ یہی اُجین جو آجکل رنڈاپے کی صعب انگیز زندگی بسر کررہا ہے کسی وقت میں تمام ہندوستان کی آبادی میں اس درجہ ممتاز تھا جیسے

سہاگن کے زیوروں میں ناک کی نتھ -

اور خصوصیات سے قطع نظر کرکے دیکھیے تو تاریخ اور قومی روایات کے بموجب اس کی آبادی ہندوستان کی قدیم ترین آبادی ثابت ہوتی ہے اور شاید صرف یہی ایک خصوصیت اُسے تاریخ عالم میں نمایاں درجہ دلانے کے لیے کافی وجہ سمجھی جاسکتی ہے۔ یہ کہنا دشوار امر ہے کہ اُجین کب آباد ہُوا۔ تاریخ اس سوال کا جواب دینے سے ساکت ہے۔ البتہ ہنود کے عام یقین کی بنیاد پر اگر اندازہ لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب سے دُنیا قایم ہے اُس وقت سے اُجین آباد ہے۔ یا یوں کہیے کہ دنیا کا سب سے پہلا شہر یہی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس خیال سے جس میں واقعیت سے زیادہ حُسن عقیدت کا رنگ پایا جاتا ہے اتفاق کیا جائے لیکن اس سے کم از کم اس کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ ہندوستان کی آبادی کے کثیر حصّہ کا اس قدیم و مقدس شہر کی مدت قیام کے متعلق کیا رجحان ہے جس سے لازمی طور سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر اُجین کی عمر اس قدر نہیں جتنی کہ بتائی جاتی ہے تاہم ہندوستان میں اُس کی آبادی بہت پُرانی ہے۔

اُجین جس زمانہ میں واقعی اُجین تھا اُس وقت اس کی شہرت اور عظمت جو رہی ہوگی اُس کا معمولی سا اندازہ اُن تحریروں سے ہو سکتا ہے جو اسلامی و یورپین مبصّرین کی سیاحت ہند کی دلفریب داستان کی صورت میں آج بھی علمی دنیا میں کافی طور پر قدر و قیمت کی چیز سمجھی جاتی ہیں۔ اسلامی سیّاحوں میں البیرونی اور ابن بطوطہ نے مجمل طور سے اس شہر کی عظمت و اقتدار کا ذکر کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ زمانہ بھی اُجین کے عروج کا اصلی زمانہ نہ تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں

کو اس وقت بھی یہ شہر آبادی۔ تجارت اور اکثر تمدنی و معاشرتی فضائل کے لحاظ سے قابل ذکر چیز تھا۔

اُجین کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شروع سے آخر تک انقلابات کا گہوارہ بنا رہا ہے۔ حضرت عیسے (علیہ السلام) سے تین صدی قبل تک اس کے متعلق کوئی قابل اعتبار روایت نہیں ملتی۔ البتہ اس کے بعد جبکہ ہندوستان میں موریوں کا دور دورہ تہا اور اُجین بھی ان کی وسیع و زرخیز سلطنت کے ایک حصہ کے طور پر ان کی حکومت میں شامل تھا اس وقت سے بعض مستند باتیں ہم پہونچتی ہیں۔ موریوں کے زمانہ میں اُن کا یہاں ایک نائب السلطنت رہا کرتا تھا جس کے تحت میں تمام صوبۂ مالوہ سمجھا جاتا تھا۔ اشوک اعظم جس کے مذہبی کارنامے اور جس کی انسانی ہمدردی کی دلچسپ داستانیں اس وقت بھی باخبر اصحاب کے لیے موجب دلچسپی ہوسکتی ہیں اپنے نامور باپ چندرگپت کے عہد میں یہاں کا وائسرائے تھا اور اس خدمت پر وہ اُس وقت تک مامور رہا جب تک کہ چندرگپت کے انتقال کی خبر سنکر تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے لیے اُسے ہندوستان جانا نہ پڑا +

بکرماجیت کے عہد میں اُجین کی شہرت دعروج کو گویا چار چاند لگ گئے بادشاہ وقت کی علم دوستی اور معارف پروری نے تمام ہندوستان کے کاملین فن کو اُجین میں جمع کر دیا تہا۔ یہی زمانہ تہا جب کالیداس جیسے ایوان ڈراما کا اولین معمار کہنا واقعیت کا اظہار کرنا ہے۔ اپنے دلپذیر نغموں سے ایک عالم کو محو حیرت بنائے ہوئے تھا۔ پولیٹکل حیثیت سے اُجین کا جو قصہ ارہا ہو اُس سے قطع نظر علمی حیثیت سے

وہ اس زمانے میں ہندوں کا قسطنطنیہ یا بغداد تھا۔ علم پروری کا ایک دریا تھا جو بہہ رہا تھا اور تشنہ کاموں کو سیراب کر رہا تھا۔ ان امور کی تفصیل طوالت سے خالی نہیں لیکن مستفسر تاریخ وسیر کی مستند کتابوں کی ورق گردانی سے اپنا اطمینان کر سکتا ہے۔

صوبہ مالوہ کا صدر مقام اور علم وفن کا مسلم الثبوت مرکز ہونے کے علاوہ یہاں کی سرزمین اہل ہنود کے خیال کے مطابق مذہبی تقدس کے اعتبار سے بھی قابل تعظیم ہے۔ سپرا ندی بھی جس کے کنارے یہ شہر آباد ہے مقدس سمجھی جاتی ہے۔ الہ آباد اور ہردوار وغیرہ کی طرح یہاں بھی دو چار مذہبی میلے نہایت بڑے پیمانے پر منعقد ہوتے ہیں۔ شیوراتری کے موقع پر ہندو زائرین کا کثیر مجمع ہوتا ہے۔ ماگھ بیسا کھ اور کاتک کے مہینوں میں ہر سال بڑے میلے ہوتے ہیں۔ جن میں ہندوستان کے اطراف وجوانب سے راسخ الاعتقاد ہندو مذہبی فریضہ ادا کرنے کے لیے جوق در جوق جمع ہوتے ہیں۔ ہر بارہ سال پر سنہاسٹ کا میلہ ہوتا ہے جسکی نوعیت الہ آباد کے کنبہ کے میلے سے ملتی جلتی ہے جس میں لاکھوں آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے۔ اس وقت اجین کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے اور اشنان کے موقع پر ندی کے کنارے نہایت پرلطف سماں رہتا ہے +

ہندو معبد گاہوں میں مہاکال کا مندر سب سے زیادہ مشہور جو کوٹ محلہ میں واقع ہے۔ اس کی عمارت زمین کے نیچے بنائی گئی ہے۔ پہلے یہاں ایک داخلہ کا پھاٹک تھا وہ اب نہیں رہا۔ زمین کے نیچے اور عمارت کے اندر اترنے کے لیے چند زینے طے کرنے پڑتے ہیں اس کے بعد

سطح فرش کا کچھ حصہ طے کر کے پھر زینے ملتے ہیں اور اسی طریقے سے دو تین بار سیڑھیوں پر اترنا پڑتا ہے۔ پھر ایک دروازہ نظر آتا ہے۔ جس میں داخل ہو کر چند نشیبی زینے اور طے کرنے پڑتے ہیں اور اس کے بعد مہادیو کی مورت سامنے نظر آتی ہے۔ مندر کی موجودہ عمارت رامچندر نامی دیوان پیشوا نے ۱۷۴۵ء میں بنوائی تھی۔ قدیم عمارت کی بربادی کا الزام دستور کے مطابق مسلمان بادشاہوں کے سر تھوپا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ۱۲۳۵ء میں التمش جب بھیلسہ فتح کر کے اجین پر قابض ہوا اس وقت اس نے اس مندر کو مسمار کرا دیا اور سنگم دہلی لے کر چلا گیا۔ اس قدر زمانہ گذرنے کے بعد غالباً اس قسم کے الزامات پر رد و قدح کرنا کوئی مفید نتیجہ مترتب نہ کر سکے گا خصوصاً اس صورت میں کہ ملک کے ایک خاص طبقے میں اسلامی حکمرانوں کا یہی شعار سمجھ لیا گیا ہو۔

جس جگہ یہ مندر واقع ہے یہاں کسی زمانہ میں نہایت ہیبت ناک جنگل تھا اور اسے اب تک مہاکال بن کہتے ہیں۔ اس جنگل کی مذہبی حدود بہت دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور سب کی طرح ان حدود کے اندر تمام حصے مذہبی حیثیت سے یکساں بزرگی رکھتے ہیں مہاکال بن کا اب زیادہ حصہ کاشت میں آگیا ہے اور معمولی طور سے جنگل بھی باقی ہے۔

اجین سے شمال رویہ تقریباً ایک میل کی مسافت پر بھیروں گڑھ کا قلعہ ہے۔ یہاں ندی کے خوشنما گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ بھیروں کے مندر میں جاتریوں کا مجمع رہا کرتا ہے۔ یہاں بھی بدیا کھ اساڑھ اور کاتک میں مذہبی میلے ہوا کرتے ہیں۔ اس جگہ ندی کا سرسبز و شاداب کنارہ گھن دار درخت سایہ دار کنج اور دیگر قدرتی مناظر خاص دلچسپی کا سامان رکھتے ہیں۔

بھیروں گڈھ کے بالمقابل ندی کے اِس کنارے اُجین قدیم کے کھنڈرات ہیں۔ یہاں کا لکا کا مندر قابل ذکر ہے۔ کالیداس شاعر کے بارہ میں مشہور ہے کہ جب اُن کی بیوی نے اُنہیں کاہلانہ زندگی بسر کرنے پر بعد لعنت وملامت کی تو وہ اسی مندر میں آکر مصروف ریاضت ہوئے اور بالآخر اُن کی عبادت کا صلہ دیوی کی طرف سے گویا یہ ملا کہ وہ فصیح البیان شاعر کی حیثیت سے دُنیاوی اعزاز ومرتبت کے مالک بن بیٹھے۔

یہ کھنڈرات اُجین کی پُرانی آبادی کے نشانات ہیں۔ اس کی تباہی بربادی کے باب میں قیاس یہ کہتا ہے کہ شاید زلزلے سے یہ سب مسمار ہوگئے۔ یا اغلب ہے کہ سپرا ندی میں کبھی ایسی طغیانی آئی ہو جس کے سیلاب میں یہ تمام آبادی دریا بُرد ہوگئی ہو۔ بہرکیف اب یہ حصّہ بالکل ویران ہے۔ موجودہ شہر اُجیّن یہاں سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر بجانب جنوب ہے کہتے ہیں کہ اس ویرانے میں اب بھی اکثر بیش بہا جواہرات اور قدیم سکّے یا سونے چاندی کی اشیا معمولی تلاش سے مل جاتی ہیں خصوصاً جب پانی برس کر نکل جاتا ہے اور سطح زمین گرد وغبار سے پاک ہوجاتی ہے تو اس قسم کی چیزیں بکثرت ہاتھ آجاتی ہیں جو آثار قدیمہ ہونے کے اعتبار سے مستقل قدر وقیمت کی مستحق سمجھی جاسکتی ہیں میرے ایک ہندو عنایت فرما مجھ سے کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص خدا پر بھروسہ کرکے یہاں بیٹھ جائے تو وہ کبھی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ باقاعدہ تلاش کی جائے تو اس جگہ سے بکثرت نایاب ونادر چیزیں مل سکتی ہیں +

مالوہ کا خطّہ سیکڑوں سال تک اسلامی حکمرانوں کے زیرنگیں رہ چکا ہے

اور یہاں کی مختلف حصص میں اسلامی تمدن کے آثار ابتک بکثرت موجود ہیں
اُجین بھی ان سے خالی نہیں۔ لیکن اُن کی تعداد چنداں زیادہ نہیں اور
اسکی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہندو راجاؤں کی طرح اُجین مسلمان
فرمانرواؤں کا پایۂ تخت نہیں تہا۔ جب تک مالوہ میں مسلمانوں کی جداگانہ
خود مختار سلطنت نہ قایم تھی اُس وقت اُجین محض صوبہ کا مستقر تھا۔ اور
جب سلاطین مالوہ کا زمانہ آیا تو اُنہوں نے دار الخلافہ ہونے کی عزت
دہار اور پہر شادی آباد مانڈو کو بخشی جہاں کے شاہی مکانات۔ اور
مقابر وغیرہ آج بھی اسلامی تمدن و تہذیب کی زندہ شہادتیں دینے کو موجود ہیں
مُسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلے قطب الدین کے قدم اُجین میں
آئے۔ اُس کے بعد سلطان شمس الدین التمش نے اسے اپنے
قبضے میں کیا۔ ۱۴۰۱ء سے ۱۵۳۱ء تک یہ سلاطین مالوہ کے تحت نگین تہا۔
بہادر شاہ گجرات نے جب مالوہ پر دست تصرف بہیلایا تو اُجین بھی اس کے
قبضے میں آیا۔ اس درمیان میں بہادر شاہ اور ہمایوں کی معرکہ آرائیاں
شروع ہو گئی تہیں۔ اس بد امنی سے فائدہ اُٹھا کر مّلو خاں نے جو گجرات
کے اُمرا میں سے تہا اُجین کے لیے ریشہ دوانیاں شروع کیں اور
بالآخر اپنے ارادے میں وہ کامیاب ہُوا۔ اُس نے صرف شہر پر قبضہ
پا جانے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ کچہ عرصہ تک مالوہ کا خود مختار حکمراں بن کر
قادر شاہ کے نام سے کوس لمن الملک بجاتا رہا۔
۱۵۴۲ء میں شیر شاہ سوری اس شہر کا مالک بنا اور ۱۵۶۲ء میں اکبر
نے باز بہادر کو جو سُوری حکومت کے مقرر کردہ گورنر شجاعت خاں کا
لڑکا تھا شکست دیکر اُجین کی تسخیر کی۔ اکبر کے عہد میں اُجین صوبہ مالوہ

اور سرکار اُجین کا صدر مقام تھا۔ اور یہاں ایک صوبہ دار رہا کرتا تھا۔

اُجین سے تقریباً دو کوس کے فاصلہ پر ایک مختصر گانوں ہے جس کا نام کالیا دیہہ ہے اُس کو چند مکانات کا مجموعہ سمجھنا چاہیئے۔ یہاں سیپرا ندی پر سلاطین مالوہ ایک پُرفضا محل بنا ہوا ہے۔ اس کو آبی محل کہتے ہیں۔ اکثر اسے غوری شاہ کا محل بھی کہتے ہیں۔ اس کی بنا سلطان ناصر الدین بن غیاث الدین خلجی (۹۰۶ھ) کی جدت پسند طبیعت کی شرمندۂ احسان ہے۔ کہتے ہیں کہ سلطان موصوف کے مزاج میں پارہ کا کشتہ استعمال کرنے سے نہایت درجہ حرارت پیدا ہو گئی تھی اس لیے اُس نے یہ محل تعمیر کرایا تھا۔ کہ اس سرد و خنک عمارت کے قیام سے اُس کی طبیعت اعتدال پر رہے گی۔ یہ عمارت ایک چھوٹے سے ٹاپو کی صورت میں سیپرا ندی پر واقع ہے۔ عمارت کے اندر کئی حوض ہیں جن میں نہایت سرد پانی ہر وقت موجود رہتا ہے۔ ان حوضوں میں پانی ندی سے آتا ہے۔ لیکن یہ بات کسقدر حیرت ناک ہے کہ خواہ ندی کا پانی گرم ہو یا سرد لیکن ان حوضوں میں پانی کبھی گرم نہیں رہتا۔ حالانکہ ندی اور حوض ایک ہی سلسلہ میں مربوط ہیں"۔

سلطان ناصر الدین کے انتقال کے متعلق ایک روایت عام ہے کہ وہ ایک دفعہ اسی محل کے ایک حوض میں گر گیا ایک خادم نے فوراً کود کر بچا لیا اور باہر لایا۔ سلطان نے ہوش آنے کے بعد دریافت کیا کہ مجھے کس نے حوض سے نکالا تھا۔ نام معلوم ہونے پر اُس شخص کے ہاتھ قطع کرا دیے۔ اور اُس کی وجہ یہ بیان کی کہ گویا اُن ہاتھوں سے شاہی جسم کو مس کرنا داخل بے ادبی تھا۔ کچھ دنوں بعد ایسا ہی اتفاق

کہ وہ حوض میں گر پڑا لیکن پچھلی بات خدام کو بھی یاد تھی کسی کو نکالنے کی جرأت نہوئی اور وہ پانی میں ڈوب کر رہ گیا +

اسی موضع میں ایک مسلمان بزرگ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ ہپکا اسم گرامی مولانا فخر الدین چشتی ؒ ہے۔ آپکے روضہ کو عام طور پر لوگ خواجہ صاحب کا مقبرہ کہتے ہیں یہاں ایک میلہ بھی ہوا کرتا ہے۔ آپ کے علاوہ اُجین خاص میں مولانا مغیث الدین صاحب قدس سرہ العزیز کا دربار روحانی تسکین حاصل کرنے والوں کے لیے بہترین بارگاہ ہے۔ اُجین اور اطراف میں آپ کے عقیدتمند کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

اُجین اسلامی نکتہ خیال سے یوں اور بھی دلچسپی کی جگہ ہے کہ یہاں ۱۶۵۸ء میں وہ جنگ واقع ہوئی تھی جس کی کامیابی گویا اورنگ زیب عالمگیر کے نام ہند کی حکومت کا قرعہ ڈال گئی۔ اصل میدان جنگ کا یہاں سے ۶ کوس کا بُعد ہے لیکن تاریخوں میں یہ لڑائی جنگ اُجین کے نام سے موسوم ہے۔ فتح آباد ضلع اُجین میں ایک جاگیری موضع ہے۔ اورنگ زیب اور مراد کی متفقہ افواج نے اسیجگہ جسونت سنگھ والی جودھپور کو جو دارا کی طرف سے میدان جنگ میں آیا تھا شکست فاش دیکر دارا کے استحقاق حکمرانی پر ہمیشہ کے لیے مُہر لگا دی تھی۔

راجہ رتن سنگھ والی رتلام جو دارا شکوہ کے معاونین میں تھا اسی لڑائی میں کام آیا اُس کی یادگار میں یہاں ایک چبوترہ بنا ہوا ہے اور اب تک رتلام کے شاہی خاندان میں دستور ہے کہ شادی کے وقت کنگن کی رسم یہاں آکر ادا کرتے ہیں اور شاید اسی واقعہ سے راٹھوروں کو اس گاؤں کی حدود میں پانی پینے کی قسم ہے۔

فتح آباد کا قدیمی نام دہرمات پور تھا لیکن اس فتح کے بعد اورنگ زیب نے اسکا نام بدل دیا یہاں شاہنشاہ موصوف کی تعمیر کردہ ایک مسجد ابتک موجود ہے۔ فتح آباد میں ریلوے جنکشن ہے اور رتلام۔ اجین اور اندور کو گاڑیاں یہاں سے ملتی ہیں۔

اجین کی طرف ایک چیز اور قابل ذکر ہے بالخصوص اس سبب سے کہ اس کا تعلق بالواسطہ مسلمانوں تک پہونچتا ہے۔ محمد شاہ کے عہد میں مہاراجہ سوائی جے سنگھ والی جے پور مالوہ کی گورنری پر فائز تھے۔ چنانچہ ان کے نام سے اس شہر کا ایک محلہ جے سنگھ پورہ ابتک موجود ہے۔ اسے آبادی کا حصہ غربی سمجھنا چاہیئے۔ یہاں ایک قدیم رصدگاہ تھی جس کی تعمیر اور جس کی شہرت آج مہاراجہ جے سنگھ کا نام دنیا میں چمکاتے ہوئے ہیں بعض لوگ اس رصدگاہ کا بانی مہاراجہ بکرماجیت کو قرار دیتے ہیں لیکن شاید اول الذکر بیان زیادہ قابل اعتبار ہے جے سنگھ ایک علم دوست آدمی تھا اور علمی شغف کیوجہ سے وہ ہر ایسی تجویز کو قوت سے فعل میں لانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا جس سے کوئی ذہنی یا دماغی مفاد مترتب ہونے کا یقین کیا جا سکے۔ اس رصدگاہ کا صرف نام باقی ہے۔ البتہ "گوالیار سٹیٹ گزیٹیر" کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آلات رصد ابتک محفوظ موجود ہیں[1] سید محمد فاروق۔ (شاہپوری)

---

[1] سوائی جے سنگھ جس نے اپنی تمام عمر علوم کے تحصیل میں صرف کی جس نے جنتری کی اصلاح کی اور چند نقشے مرتب کرکے اُس زمانے کے حکمراں شہنشاہ کے نام سے اس کو موسوم کرکے "زیچ محمد شاہی" نام رکھا اُس کے زمانہ سے قبل اجین میں ایک دوربین مینار موجود تھا۔ اس نے اس خیال کو مروجہ نقشوں کے لحاظ سے ستاروں کے مقامات کا اندازہ مشاہدہ کے خلاف واقع ہوتا ہے۔ دہلی۔ متھرا۔ اجین بنارس اور جیپور میں پانچ دوربین مینار تعمیر کرائے۔ ان میں کچھ خود اسی کے ایجاد کردہ آلات تھے اُنکے ذریعہ سے خط نصف النہار کا فاصلہ یا اجرام فلکی کا عروج و زوال معلوم کیا جاتا تھا۔

(سویلیزیشن ان انشینٹ انڈیا)

قصیدہ

در نعت سرور کائنات علیہ و علی آلہ و صحبہ الف الف صلوٰۃ و سلام و تحیات

ہوا ہے جوش عین شرم میں کس کی الفت کا
نکل کر آنکھ سے گوہر بنا آنسو ندامت کا

عرق شرم گنہ سے رخ پہ ہے یا پھول پر شبنم
قمر برج شرف میں ہے کہ دل میں داغ حسرت کا

دل پر داغ یا گلدستہ گلہائے جنت ہے
مرا چاک گریباں ہے کہ دروازہ ہے جنت کا

جلا سینے میں دل جس دم گل جنت کی بو آئی
دھواں اٹھا جو دل سے سر پہ چھایا ابر رحمت کا

سیہ کاری ہی میری مغفرت کا رنگ ظاہر ہے
بنا ہے نامۂ اعمال گیسو حور جنت کا

زیادہ بیم سے امید رکھنی مجھکو لازم ہے
عیاں اعداد سے ہے حال قلت اور کثرت کا

مطلع

خیال آیا ہے شاید احمد مرسل کی قامت کا
قلم کے قاف میں انداز ہے قامت قیامت کا

بجا ہے فخر کرنا مجھکو محوی اس کی الفت پر
بھرے دم خالق کون و مکاں بھی جسکی الفت کا

یہ جوش عشق تھا دنیا میں جب بھیجا محمد کو
خدا نے بہر تسکین رکھ لیا خود سایہ قامت کا

جدا کیا حق سے ہو آپ سے ہو کیا جدا امت
الف ہے ایک ہی اللہ کا احمد کا امت کا

قد موزوں کمالات دو عالم کا تھا مجموعہ
دکھایا قاف قلت میں تماشا کاف کثرت کا

بجا ہے حشر کے دن ہوئے ہنگامہ جو سب کے
قیامت میں ہوں آغاز اور انجام اونکی قامت کا

دو حرف ہر دو عالم کی طرح ہے کیونکر نہ آسایش
کہ پیدا ہے وجود پاک سے خط ان پہ خلعت کا

گل رخ پر ہے بلبل نخلبند گلشن قدرت
کہ کن اک دانہ خرمن ہے جسکی کشت قدرت کا

مطلع

نشانِ ربِّ عالم ہے وجودِ پاک حضرت کا — نگینہ جیسے ہوتا ہے سبب خاتم کی زینت کا
رقم موصوف کیا اُس آستاں کی عز و رفعت کا — کہ پائیں باغ جس کے سامنے ہے باغ جنت کا
بنایا ذوجہت اے فخرِ کونین اسطرح تجھکو — مشدّد ہوتا ہیں جسطرح ہو میم ہمّت کا
کہیں کیونکر نہ تیرے قدِ بالا کو قیامت ہم — کہ انجام اسپہ دنیا کا ہے اور ابتدا رسالت کا
دکھایا زورِ صنّاعی ترے خلقت سے صانع نے — بھرا ہے ایک گل میں رنگ سارے باغِ صنعت کا
کچھ ایسا بن پڑا نقشہ ترا نقاشِ قدرت سے — کہ عالم خامۂ قدرت میں ہے انگشتِ حیرت کا
صدف آسا ہے عالم اسمیں گوہر ذات تیری ہے — تجھے اللہ نے حاصل بنایا بحرِ قدرت کا
جگر خامے کا شق ہے آج تک صاف اس سے ثابت ہے — بڑی محنت سے نقشہ راست آیا تیری قامت کا
نہ سے طالع دیا وہ حضرتِ یوسف کو خالق نے — ازل میں جو بچا تھا رنگ تیرے حسنِ طلعت کا
نہ دیں تشبیہ نقشِ پانے والا سے تو بے شبہ — ترے ماہ ہالہ ہو بہنور دریائے آفت کا
عیاں شانِ نزولِ وحیِ حق ہے نطق والا سے — کہ حق ہے بادشاہ اور تجھکو منصب ہے وزارت کا
شجر ہے ذات تیری ایک گل جسکا بلاغت ہے — فصاحت صیغۂ مشتق ہے مصدر ہے فصاحت کا
دلِ مسلم کو کیا اندیشۂ قعرِ جہنم ہو — کہ اعلیٰ جزو نام پاک کا ہے قلب امّت کا
نہ نکلا موسیٰ سرچار و طرف سے و رکی ظلمت — نکالا مانگ کے مانند کیا رستہ ہدایت کا
ندامت قامتِ بالا سے یہ ہوگی کہ غالب ہے — تمثلِ آئینہ حیرت سے ہوگا دن قیامت کا
نشاں سیسے تضاعف کا الف پر مدّ ہوتا ہے — نظر تیری عنایت کی سبب ہے عز و رفعت کا
اگر تولیں خدا کی رحمت اور تیری شفاعت کو — نہ اٹھے ایک پلہ بھی ترازوئے قیامت کا
جدا جس لفظ سے ہو حرفِ اصلی ہو وہ بے معنی — تری الفت ہے گویا رکن خالق کی عبادت کا
بشر وہ کیا ہے جو خالی ہو تیرے سوزِ الفت سے — دیا خالق نے جوہر جسمِ ضیغم کو حرارت کا
خدا کے قہر سے کیونکر نہ بچے جو تجھ سے پھر جائے — رہے کب ڈھ ہو سے محفوظ وہ گھر جو ہو جہت کا
نشانِ نعلِ توسن ہے مہِ نو با غور سے دیکھو — تری معراج کا سنکر جو طالب ہو شہادت کا

تری در کی گدائی نے کیا ہے بسکہ مستغنی
لقب دیتی ہے مجھکو خود پسندی بد مآلت کا

وہ پہونچا منزل مقصد پہ آخر میں ہمایوں کی
بڑھا سنگ فلاخن سے بھی چکر میری قسمت کا

نہیں دولت کا ہم خواہاں کہ انجام اسکا ذلت ہے
رقم ہوتا ہی بعد دال دولت ذال ذلت کا

مری قربت تلاش لذت دنیا کی مانع ہے
کہ ہی انداز تحریر ایک حاجب اور حاجت کا

رہوں محفوظ لہو و عیب و نخوت سے تکبر سے
گمان ہوتا ہی لام و عین نون و تا سے لعنت کا

کری دنیا میں ترا سوز نعت نامور مجھکو
پڑے جو آبلہ سینے میں نقارہ ہو شہرت کا

امید و بیم سے ہو تنگ مثل حرف مدغم ہیں
کشاکش دونوں جانب کی ثمر ہے نخل کثرت کا

خدا کاش ایسے جینے سی تو مجھکو بے نشان کردے
کہ سودا مجھ میں ہو جائے دہان پاک حسرت کا

عطا کر خاک صحرائے مدینہ کی ہوا اس کو
مرا جسم برہنہ کب سے ہے مشتاق خلعت کا

یہ صحرائے مدینہ کا بگولا دیکھ کر سمجھوں
کہ برج شوق میں آج کوکب میری قسمت کا

پڑھونگا حشر کے دن جب میں وصف قامت آقا
قیامت میں بپا کر دونگا ہنگامہ قیامت کا

سلے نعت محمد کا صلہ یہ حکم خالق سے
کرے دربان اگر محوی کو رضوان باغ جنت کا

خاکسار دارین محمد حسین محوی لکھنوی

ہم نہایت خوشی سے اعلان کرتے ہیں کہ ہماری محترم بہن مسز محمد الدین صاحبہ خلیقی دہلوی تمدن قسم دوم کے دو پرچہ اپنی آنریری دلی یا آگرہ والی بہنوں کے نام جاری کرتی ہیں جن کی مالی حالت رسالہ کی خریداری برداشت نہیں کرسکتی۔ ہم اس عطیہ پر اپنی عزیز بہن کے اور بھی زیادہ اسلئے مشکور ہیں کہ تمدن کی خدمات کو ہماری بہنوں نے بھی وقعت سے دیکھا۔ اور اسکی ضرورت کو اس لیے کہ اس کا مقصد اعلیٰ حقوق نسواں کی حمایت ہے محسوس کیا

خطابات شاہی

لکھنؤ کی جان سلطان عالم محمد واجد علیشاہ کچھ عجیب زندہ دل تھے باوجود اس سلطنت و جاہ حشمت و شباب کے اس بادشاہ میں غرور اور نخوت جس سے ہزاروں میں بھی کوئی امیر خالی نہیں ہوتا نام کو نہ تھا ع

گر بدولت برسی مست نگردی مردی

جیسی یہ بڑی صفتیں تھیں ویسی ہی غفلت اور عیش پسندی کا عیب بھی تھا گر وہ اپنی تو ہمت کے واسطے تھا یہ عیب ذات تو خدا کی ہے۔ انجام عیش و عشرت کا یہ ہوا کہ سوائے محلات شاہانہ کے کئی بیگمیں و بیبیاں زمرہ متعہ و نکاح میں در آئیں ان کے سوا اور عورتیں بھی جو بوجہ ایجاد پسندی و اختراعات شاہی کے بلقب رئیس اور پریوں کے نام زد ہوئیں۔ ایک عالیشان عمارت بنائی موسوم بہ قیصر باغ کہ جس میں بیگمات بڑے بڑے سامان اور ٹھاٹھ سے عیش و عشرت رہتی تھیں ہر ایک بیگم کا انوکھا اور نرالا خطاب لقب ہوش ربا۔ نام دلربا تھا۔

اس سرکار میں جو ڈومنیاں عورتیں تھیں اونکو سرور محفل اور جو ان کے مرد تھے ان کو بہار محفل کہتے تھے۔ ایک میلا ہوتا تھا جس کے سامان تکلفات آرایش اور چوچلے کسی طرح بیان میں نہیں آسکتے جس طرح کا بازار تھا دوکاندار اوسی رنگ کے تھے مختصر یہ کہ غریب رنگریز امیر بن گئے۔ بنا اس میلے کی یہ تھی کہ واجد علی شاہ کی چھٹی کی آرزو پر ان کی ماں نے لڑکپن میں جو گیا لباس پہنایا تھا اس کی سالگرہ اس لباس سے ہوتی تھی بادشاہ نے عہد سلطنت میں میلہ قرار دیدیا۔ اتفاقات زمانے سے جب کلکتہ موچی کھولہ متعلب بہ ٹیا برج میں قیام پذیر ہوئے تو اپنی

دلبستگی کے لیے یہاں بھی کچھ عجب سامان دلکش مہیا کیے گو اکثر ناشناس ان سب باتوں
کو باعث خلل دماغ جانتے ہیں مگر واقعی امر یہ ہے کہ ایسا دل و دماغ کا بادشاہ
کم گذرا اگر مبالغہ نہ ہو تو یہ کہنا قابل اعتبار ہے کہ گزرا ہے نہ گذرے گا۔ اور ایسا نہ
فضلنا بعضہم علی بعض۔ مٹیا برج گو قید خانہ تھا مگر یہاں بھی وہی دن عید شب
شب برات جنگل میں منگل جشن جمشید کا شوق کیا کرکے اعلیٰ درجہ پر دکھلا دیا۔

کیوں نہ ہو جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

طرفہ رنگینی یہ کہ ہر شے کی خطاب کی رعایت ملحوظ خاطر رہی۔ بلحاظ طوالت صرف
چند چیزوں پر اکتفا کیا جاتا ہے جو تمالی ار بیچ بھی نہ ہوگی +

سنہ ۱۲۹۲ھ تک جانوران قفسی کو جو خطابات عنایت ہوئے قابل غور ہیں مثلاً

بلبل زیور گل۔ آشنائے چمن۔ عاشق گل۔ گلاب رنگ۔ شب گو۔ شب نوا
شب بیدار۔ شب دولت۔ خوشگو۔ شب صدا۔ خوش صدا۔ خوش نوا۔ شب صوت
زاہد نما۔ پارسا۔ تسبیح گو۔ شب گلو۔ شاہد چمن۔ آرام دل۔ پرصدا۔ راحت دل۔
راحت گوش۔ خوش داستان۔ تیز آب۔ چرخ آشیان۔ شب زندہ دار۔ مخزن الاصوات
فلک آشیان۔ ضو فشاں۔ سوز جگر۔ آرام قلب۔

شاما۔ خدیو پسند۔ فغفور پسند۔ داؤد پسند۔ شیریں پسند۔ انجمن پسند۔ خاقان پسند

اگن۔ دلبر۔ تحفۂ دہر۔ خدنگ۔ ثنا خواں۔ شیریں۔ ستارا +

طوطی۔ زر ریز۔ شربت۔ لوز بادام۔ سرخ لب۔ لب شکریں۔ گلستاں۔ دُر ریز

مینا۔ کاملہ۔ مطربہ۔ مصاحبہ۔ محب نما۔

پپیہا۔ مبتلا۔ عالی۔ آزاد۔ ترانہ خوان۔ عاشق۔

کوئل۔ بادل۔ گیسو۔

ہرلو۔ فریفتہ۔ حلۂ جان۔ دلریش۔ شیوہ۔ سبز پوش۔ غنچہ۔ لالہ رخ۔

دہان پان سبز تھا۔

کبوتر۔ حور لقا۔ زلف لیلے۔ قاصد صبا۔ تاج وفا۔ مہ لقا۔ مہر لقا۔

مینڈھا۔ دشمن شکن۔ مخالف شکن۔ عہد شکن۔

باغات۔ باغ دلکشا۔ ملکہ باغ۔ فلک باغ۔ سلطان۔ ہمایوں باغ۔

درخت۔ خیار اللذیذ۔ گل پوشاک۔ ابصارت افسرا۔ راحت افزا۔ مرنائۃ شیریں۔ محبوب الاشجار۔ مجموعہ حسن چمن۔ قد آدم شجر الیمن۔ گیسو دراز۔ ہمیشہ بہار فرحت البصر شگفتہ۔ ذائقہ نخبن۔

تالابہا۔ چشمہ سخا۔ چشمہ عطا۔ چشمہ شیریں چشمہ خضر۔ چشمہ کوثر۔

مچھلی مع قوم زین خطاب۔ خوش قطع۔ جیبھ مخاطب خوش وضع سنارن مخاطب پسند۔ روہو مخاطب شہ پسند۔ بہاگن مخاطب شاہ پسند۔ بہاگن سفید چشم مخاطب شاہ پسند۔ بہاشیر مخاطب بادشاہ پسند۔

مرثیہ والیان۔ نواب غم گسار بیگم صاحبہ۔ نواب غمخوار بیگم صاحبہ۔ نواب ماتمی بیگم صاحبہ۔ نواب ماتم دار بیگم صاحبہ۔ نواب مرثیہ خوان بیگم صاحبہ۔ نواب نوحہ خواں بیگم صاحبہ۔ نواب ذاکرہ بیگم صاحبہ۔

نقل والیان۔ نواب الاینچی بیگم صاحبہ۔ نواب دوگانہ بیگم صاحبہ۔ نواب چارکوڑی بیگم صاحبہ۔ نواب سہ گانہ بیگم صاحبہ۔ نواب پوبارہ بیگم صاحبہ۔ نواب تین تیرہ بیگم صاحبہ۔

میر امجد حسین ماہ - (عظیم آبادی)

ناظرین تمدن براہ کرم خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں +

تفریح

انسان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک محنتی اور دوسرے کاہل۔ ایک اپنی زندگی کا خضر جفاکشی اور استقلال کو سمجھتا ہے اور دوسرا سستی اور تلون پر مٹا ہوا ہے اول الذکر تندرست۔ قوی۔ اور دنیوی نعمتوں سے مالامال ہے۔ دوسرا بیمار نحیف اور تنگ دست و پریشان حال۔ ایک کا اصول "ہم خرما و ہم ثواب" ہے اور دوسرا "پراگندہ روزی پراگندہ دل" کا مصداق۔

اس عظیم فرق کو دیکھتے ہوئے جوان گروہوں میں ہے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ تفریح محنتی اور جفاکش کا حق ہے نہ کہ سست اور کاہل کا۔ تفریح کی لازمی شرط تکان ہے خواہ وہ جسم کی ہو خواہ دماغ کی۔ پس وہ شخص جو اپنی تمام قوت کو اپنی بہبودی یا نوع انسان کی ترقی میں خرچ کرتا ہے مستحق ہے کہ کچھ گھنٹے تفریح طبع میں صرف کرے۔ تفریح اس کو شگفتگی دل کو حیات بخشے گی اور روح کو تازہ اور بشاش بنا دے گی جو دوسری حالت میں مردہ ہو جاتی ہے۔

دنیا تسلیم کرتی ہے کہ ہم ہندوستانی غایت درجے کے محنتی اور جفاکش ہیں اگر ضرورت مجبور کرے جیسا کہ ٹرانسوال کے معاملہ نے ثابت کر دیا ہے لیکن ہماری محنت اور جفاکشی تہوڑے عرصہ میں ہمارے جسمانی اعضا کو ناتوان اور قوائے ذہنی کو کمزور کر دیتی ہے۔ برعکس اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اہل یورپ کی جسمانی اور دماغی قوتیں تا حیات عمدگی اور چستی سے کام کرتی رہتی ہیں۔ کبر سنی ہمارے دماغ کو عقل سے خالی اور جسم کو درد اور

اعضاء شکنی کا شکار بنا دیتی ہے برخلاف اس کے اہل یورپ میں زیادتی عمر انکی کوششوں میں خاصہ اضافہ کرتی ہے اور دوسروں کی رہبری کا باعث ہوتی ہے ہندوستان کی کہاوت کہ ساٹھا پاٹھا ہوتا ہے اور یورپ کا مقولہ کہ بھورے بال قابل تعظیم ہیں ایک دوسرے کی حالت کا عمدہ فوٹو ہیں۔ اس نقص اور تنزل کا سبب صرف یہی ہے کہ ہماری تفریح طبع کے مشاغل صحیح اصول پر مبنی نہیں ہیں اور وہ ہماری قوتوں کے سچے معاون ثابت ہونے کے بجائے دشمن جانی نکلتے ہیں۔ ان مشاغل پر خامہ فرسائی کرنا تضیع اوقات سمجھکر چند مفید اور مجرب اصول پیش کرتا ہوں کہ پبلک اُن پر عمل پیرا ہو اور گم شدہ وقار کو دوبارہ حاصل کرے

اوّل۔ اچھی طرح اطمینان کرلو کہ جو مشاغل تفریح تم اختیار کرنا چاہتے ہو تمہاری قوت ضمیر کے خلاف تو نہیں ہیں کیونکہ اس قسم کا گناہ شگفتگی طبع اور اطمینان قلب کو برباد کر دیتا ہے اور تفریح کا اصلی مطلب فوت ہو جاتا ہے بعض شخص حرب نیل اور جنگ مرغ کو پسند کرتے ہیں اور بعض گناہ خیال کرتے ہیں پس اس قسم کے مشاغل میں قوت ضمیر کے ارشاد پر عمل کرو۔

دوم۔ صبح کا وقت تفریح میں ضائع نہ کرو۔ رات بھر کا آرام کافی تفریح ہے او وہ شخص جو تھکا نہ ہو تفریح کا مستحق نہیں ہے اس لیے صبح کا وقت تفریح میں خرچ کرنا وقت کو بیکار اور ضائع کرنا ہے۔ یاد رکھو کہ گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا ایسا نہو کہ تم کو اس کا عمر بھر افسوس کرنا پڑے۔

سوم۔ مشاغل تفریح کو تکلفات سے آزاد رکھو۔ اور عمر کی مناسبت کو فراموش نہ کرو۔ تکلفات کی زیادہ پابندی تکلیف کا باعث ہوتی ہے اس لیے اُن گھنٹوں کو جو جسم و دماغ کے ترو تازہ کرنے میں صرف

کرنا چاہتے ہو سو ہاں روح نہ بناؤ۔ اگر تم بچوں کا کھیل کھیلنا چاہتے ہو تو بچوں کا ڈھنگ اختیار کرو اور اگر جوانوں کا تو اوائل عمری کے حرکات سے پرہیز کرو ایسا نہ ہو کہ ایشیائے شکسپیر یعنے سعدی کا شعر۔

"چہل سال عمر عزیزت گذشت مزاج تو از حال طفلی نگشت"

تپر صادق آجائے +

چہارم۔ اس حصہ کو جو زیادہ تھکا ہوا ہے ضرور تر و تازہ بناؤ۔ اگر تمھاری زندگی عزلت گزینی کی سی ہے تو جسم کی ورزش کرو اور اگر حرکت دینے والی اور چستی کی ہے تو دماغ کو شگفتہ بناؤ لیکن خیال رکھو کہ آخر الذکر حالت میں دماغ کو بجائے آرام دینے کے المستعمل کام اس کے سپرد نہ کرو۔ اور شطرنج یا دوسرے دماغی کھیلوں کو بطور تفریح کے نہ کھیلو زیادتی ہر ایک شے کی مضر ہوتی ہے اس سبب سے زیادہ ورزش یا زیادہ جوشیلے کھیلوں سے بچنا بہتر ہے۔

پنجم۔ تفریح کی بھلائی یا برائی کا تعلق طبیعت سے ہے اپنی حسب دلخواہ مشاغل پسند کرو۔ کانٹے کے ذریعہ سے مچھلی پکڑنا جس میں گھنٹوں خاموش کھڑا رہنا پڑتا ہے بعض مصیبت خیال کرتے ہیں اور بعض بجز مسرت کا ذریعہ جانتے ہیں۔ دوڑنا کودنا۔ میدانوں کے نشیب و فراز میں سیر کرنا۔ پہاڑوں پر چڑھنا عام طور پر پسند کئے جاتے ہیں لیکن وہ کھیل جو علاوہ فرحت بخشنے کے کوئی اور عمدہ کام کے موجب ہوں زیادہ اچھے ہیں۔ مثلاً گیند کا پھینکنا ہاتھ اور آنکھ دونوں کو علم ریاضی کی تعلیم دیتا ہے۔ پیرنا صدہا جانوں کا۔ جو پیراکی کی عدم موجودگی میں غرق ہو جاتیں حیات کا باعث ہوا ہے۔ پٹہ اور نبوٹ

علاوہ تفریح کے فن جنگ کے اصول تبلاتا ہے۔

ششم لیکن تفریح کے لیے افضل تر شغل شکار کھیلنا ہے۔ کسی امیر نے ایک غریب سے کہا کہ میں شکم کی تلاش میں جاتا ہوں جو میرے لحم سے سیر ہو۔ غریب نے جواب دیا کہ میں لحم کی فکر میں ہوں کہ میرے شکم کو سیر کرے۔ یہ خوبی شکار میں پائی جاتی ہے جو دونوں کی خواہش کو بوجوہ احسن پورا کردیتا ہے۔ اگر آدمی بھوکا ہو تو گوشت مہیا کرتا ہے اور اگر زیادہ سیر ہو تو ہاضمہ کو درست بنا دیتا ہے۔

بذاتہ یہ اصول نہایت سادے اور ممکن العمل ہیں نہ تو ان میں کوئی سائنس کی پیچیدگی ہے اور نہ فلسفہ کی باریکی جو فہم میں نہ آسکے۔ عامل ہو اور دیکھو کہ کس طرح یہ اصول تمھارے قلب ماہیت کا باعث ہوتے ہیں۔ یہی اصول ہیں جنھوں نے آج یورپ و امریکہ کی کایا پلٹ دی اور ان کو عاقل۔ پُر دماغ اور ہوشیار بنادیا۔ مہذب ممالک انکی قدر کرتے ہیں اور ان کے خلاف ورزی کو اخلاقی جرم سمجھتے ہیں۔ واقعی صحیح ہے۔

"قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری"

مشہدی (علیگ) از کہام گاؤں

رحمت زمانی } مولوی سید احمد صاحب کی بیش بہا تصنیف جو علاوہ دلچسپ ہونے کے ایک نہایت سودمند کتاب ہے۔ مصنف سے از سر نو ترمیم کے بعد نہایت محنت سے تیار کی گئی ہے۔ بیگماتی زبان قسلہ معلّی کے محاورے۔ قصہ کی دلچسپی مختصر یہ کہ کتاب بغیر ختم کیے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ قیمت۔ ایک روپیہ (عہ) منیجر عصمت۔ و تمدن۔ دہلی سے طلب کیجیے۔

مرغ اسیر

اکدن وہ تھا کہ میں آزاد تھا مثل صبا — تھے ہائے نخل و شبنم میرا آب و دانہ تھا

باغ سیر گلستاں تھی نہ مجھکو کوئی شے — بیخطر تھا حسب خواہش ہر شجر پہ بیٹھتا

ٹھکانے تازہ تھے میرے ہمیشہ دنیا پر — میری صورت دلربا تھی میرے بازو خوشنما

حسن ہو دولت ہو عزت ہو بہ فرض [illegible] — [illegible]

اپنے ہو جاتے ہیں بیگانے غم اغیار کیا — دن برے دشمن کو بھی ہرگز نہ دکھلائے خدا

لاکھ ہر شکل کہیں تدبیر سے چلتا ہی کام — لاکھ کچھ کیجئے کہیں مٹتا ہے قسمت کا لکھا

شکل بازو و صدا جس پر کبھی تھا مجھکو ناز — خوبئ تقدیر سب ثابت ہوئے بیفائدہ

میں ہوا عہد جوانی میں ہی پابند قفس — تھا جہاں پانی میسر اور نہ دانے کا پتا

واں بحال زار میرا طائر روح عزیز — ایکدم میں ہو گیا کنج اسیری سے رہا

کیا خبر تھی یوں ہونگا قیدی کنج قفس — کیا خبر تھی انقلاب آسمان ہوجائیگا

آپ کی فیض رشد بدو تنگ کا ممنون ہوں — اے مرے چھوٹے شکاری مرحبا صد مرحبا

آپ کی ہر بدسلوکی کا ادا کرتا ہوں شکر — آپکے ہر جور پر سو بار ہوں دلسے فدا

کیونکہ حضرت آپ اگر اتنا روا رکھتے نہ ظلم
مثل سابق میں ابھی تک قیدی ہوتا آپکا

[illegible]

(ابوالنصر اٹاوی)

مہر افروز بیگم } یہ وہ کتاب ہے جو ڈھونڈھے نہیں ملتی تھی اور اب عصمت ایجنسی نے نہایت محنت و صرف سے تیار کی ہے۔ قصہ کی دلآویزی زبان کی سلاست دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ قابل مصنف مولوی سید احمد صاحب کا نام ہی اسکی خوبیوں کی کافی ضمانت ہے۔ قیمت آٹھ آنہ (۸) ۔ منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجئے

دُعائے نیم شبی

آنریبل-ایم-سی- (ممبر آف دی کاؤنسل) کچھ عرصہ سے-اُس وقت سے جبکہ وہ کونسل کے ممبر منتخب ہوکر، آنریری مجسٹریٹ کے علاوہ آنریبل اور ایم-سی-بھی ہو گئے- بلاناغہ آدھی رات کے سناٹے میں اپنے دردِ دل کا اظہار کچھ ایسے موثر الفاظ میں کیا کرتے ہیں جو سننے اور غور کرنے کے قابل ہیں:-

"اے پارلیمنٹ اور کونسل کے خدائے صغیر! اے وہ خدا جسکو سوائے دنیاوی ترقی کے پروردگارِ عالم سے کچھ مطلب نہیں! میں اپنے سچے دل کے ساتھ تجھ سے اور محض تجھ سے ملتجی ہوں کہ تو اپنی نگاہ لطف آمیز مجھ ناچیز پر-اپنے بندہ خاص پر-ڈال!! "رحم و مہربانی آمیز نظر کے ساتھ اُس عظیم الشان اور حیرت انگیز اتفاق کو ملاحظہ کر جس نے مجھے کونسل کے آنریبل ممبر بنجانے کا موقع دیا، اور اپنی شانِ عیب پوشی و ابلہ نوازی کے صدقہ میں، اپنے دامانِ عنایت میں-اپنے حفاظت اور طرفداری کے وسیع دامن میں چھپالے تاکہ میری جہالت، میری ازسرتاپا ناقابلیت، کسی عیب جو اور نکتہ چین نظر کو بھی نہ معلوم ہو سکے! قسم ہے تجھ کو اپنی قوّت تکلم کی-اپنی طاقت لسانی کی مجھ بے زبان میں کم از کم اتنی تو لیاقت پیدا کر دے کہ میں اُس جرنلسٹ اور پریس رپورٹر کے پھندے سے نکل جاؤں جو میری اسپیچ اور تقریر کے لکھنے اور اصلاح کرنیکا معاوضہ-وقت آنے سے پہلے مجھے یاد کرانے اور رٹوانیکا مطالبہ-میری استطاعت سے بھی زیادہ مانگتا ہے!!

"اے مذہبی سسر فوں، سوشل گروہوں، اور پولیٹیکل جماعتوں پر حکمرانی کرنے والے خدائے خاص! اپنے زرنگار رچکا چوند پیدا کرنے والے جوڑ اور عرش کے صدقہ میں، میرے دل و دماغ کو بذریعۂ اسپریچوئل ٹیلیگرافی یا روحانی تار برقی عام و تفیدت سے صرف استمدر بھر دے کہ میں وقتاً فوقتاً اپنے حلقہ رائے دہندگان کے روبرو ہر پیش آنے والے معاملہ میں دخل در معقولات کرسکوں اور ان بیوقوفوں کو جو گورنمنٹ کی اطاعت کے محض ایسے ہی سادی ہیں جیسے ہولی کے موقعہ پر بڑا لڑی یا رہ کے ہر مسئلہ پر اپنی جھبڑی ٹیمی ٹانگ اڑا کے اپنا گرویدہ بنالوں! مجھے معلومات باطل اور حقوق فرضی کی ایسی عمیق تعلیم دے کہ میں اسکی بدولت اپنے گرد و پیش رہنے والے ناتراشیدہ دہقانوں کو اپنی وسیع معلومات اور عصمت کا یقین دلاسکوں؛ اور مجھے تلقین کر کہ میں انکی سادہ لوحی کو اپنی "گندم نما جو فروشی" کی اعانت میں اپنے آرام کے لیے خاطر خواہ کام میں لاسکوں!!

"اے جاہل ہندوستان کے سوشیل مرتبہ کے خدا۔ ہر دلعزیز اور بامروت خدا! مجھے ایسے مزوری اور موزوں معلوم ہو تیو اسلے غرور تکبر سے ملتب کرے کہ میرا گستاخی آمیز پر غرور برتاؤ، اہل قسم و اہل دماغ کے ساتھہ ناقابل برداشت ہونے کی حد تک پہونچ جائے؛ مگر ساتھہ ہی مجھہ میں وہ چمکیلا، اطاعت سے بھرا ہوا، اخلاق بھی قایم رکھہ جسکی بدولت میں حکام بالادست کی نگاہ میں چاپلوسی کرنے والے بیرای اور خوشامدی ٹٹو سے زیادہ نہ جچوں! اور قسم سے مجھہ کو اپنے مہذب اور خاموش پالیسی کی، موجودہ دورنگی ڈپلومیسی کی مجھے ایسی قابلیت عنایت کر کہ میں التفات آمیز سرپرستی اور ہمدردی بھری ہوئی امداد کے رنگ میں اپنے رائے دہندگان کے سر پر شفقت اور مہربانی کا

ہاتھ پیر آتار رہا ہوں!!

اے جاہلوں کے مربّی: چھوٹی سی شان والے نکتہ نواز! اپنی شان رحیمی کے طفیل میں ایسے روز بد سے۔ ایسی منحوس گھڑی سے۔ بچا، جبکہ دو، چار دشمنوں مجھے کونسل کے سامنے بولنے کی ضرورت پڑ سے اللہ.. سب کچھ جاننے والے تو جانتا ہے کہ میں کوئی لیکچرار یا اسپیکر نہیں ہوں۔ اور بفرض محال اگر ہوتا، تو بھی۔ میرے ناکارہ دماغ میں کوئی ایسا قابل غور خیال نہیں جس کے لیے مجھے صرف ایک واہیات سے واہیات فقرہ ہی بولنا پڑے!! اے دوربین کی امداد سے اصلیت کی تہ تک کو دیکھ لینے والے، دانا و بینا! تو دیکھتا ہے کہ تمام سوشیل فائدوں کے لحاظ سے، تمام قومی حقوق کے، خیال سے، میری ذاتی رائے اگر ہے تو یہی۔ اور صرف یہ ہی۔ کہ مرد دوزخ میں جائے یا بہشت میں، مجھے اپنے نام کے ساتھ۔ ایم۔ سی لکھنی کا حق ہمیشہ ہمیشہ تک حاصل رہے!

"اے پارلیمنٹ اور کونسل کا حساب جانچنے والے، اور ایک ایک رائے کو شمار کرنے والے، احکم الحاکمین! تو ضرور جانتا ہوگا کہ میں نے تیرے بہترین بندہ نے محض۔ ایم۔ سی لکھنے کا حق حاصل کرنے میں مبلغ دو ہزار روپے سکۂ رائج الوقت، مناسب اوقات پر خرچ کیے ہیں؛ یعنی ان دو حروف تہجی کو۔ ایم اور سی۔ کو بشرح ایک ہزار روپیہ فی حرف مول لیا ہے: اور اب میں اُن کو محض انکو۔ تمام سوسائٹی، تمام قوم، اور تمام ملک، سے زیادہ عزیز۔ بلکہ اپنی جان سے زیادہ عزیز۔ رکھتا ہوں!! اے مبلغ علیہ السلام کو ستّار عیوب کا سچا مرتبہ عطا فرمانے والے کروڑپتی خدا! ان دو حروف کو اس قدر گراں مول لینے کے بعد اگر میں یہ التجا کروں کہ مجھے

کبھی کسی ضروری سے ضروری معاملہ میں بھی کیسے ہی ایسے معاملہ میں بھی جس سے
میری قوم کا فائدہ ہی وابستہ کیوں نہ ہو مجھے ایک لفظ بولنے کی بھی ضرورت
نہ پڑے، ہونٹ ہلانے تک کی حاجت نہ ہو، تو کیا بیجا ہوگی؟ نہیں نہیں
تو ضرور میری التجا پر غور کرے گا۔ غور کرے گا اور منظور فرمائے گا!

اے کونسل کے معاملات پر قدرت رکھنے والے۔ چھوٹے سے اہشتی
قادر مطلق! تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس کمبخت جرنلسٹ اور پریس پورٹر
کو اپنی تحریر و تقریر کی اصلاح وغیرہ کے معاوضہ میں بہت کچھ دیتا ہوں
اور ساتھ ہی اس کی علمی قابلیت اور وسیع معلومات پر مجھے پورا بھروسہ
بھی ہے، لیکن میں پھر بھی اس کی رٹوائی ہوئی اسپیچ پڑھنے سے ڈرتا ہوں
ڈرتا ہوں اور محض اس خیال سے ڈرتا ہوں کہ کہیں بسکی سوڈا
کی معمول سے زیادہ مقدار چڑھ جانے سے وہ کچھ کا کچھ نہ لکھ گیا ہو!
کیونکہ اس کے الفاظ کچھ ایسے مشکل، اور اس کی عبارت کچھ ایسی پیچیدہ
ہوتی ہے کہ مطلب سمجھنا تو درکنار میں اس کو بغیر پوری محنت کے صحیح صحیح
طوطے کی طرح - دوہرا بھی نہیں سکتا! اے حرف حرف پر پکڑنے اور نکتہ
نکتہ پر چھوڑ دینے والے، ذی اختیار نکتہ نواز! کیا اچھا ہو کہ میں تیرے
سایہ عاطفت میں رہکر اس خوفناک شخص سے چھوٹ جاؤں اور کم از کم
مجھ میں اسقدر دماغ اور جسرات پیدا ہو جائے کہ میں مرحوم "الیق"
نبرد آزمودہ حضرات کی یاد سے اتر جانے والی تقریروں اور تحریروں کے
وہ چٹکلے جو میرے لیے مناسب اور موزوں ہوں ازبر یاد کروں اور بغیر جھجکے
وقت ضرورت سنادیا کروں! اس میں سب سے زیادہ اطمینان کی یہ بات
ہے کہ مگر وہ حضرات اس خیانت کا [illegible] اور کمینہ پن کی چوری کا

منحوس گھڑی سے بچا جب کہ میں ۔ ایم ۔ سی ۔ لکھنے کا حق کھو بیٹھنے کی وجہ سے اپنی سرو قد بیوی کے کبھی نہ فرو ہونے والے غصہ اور نفرت کا شکار بنجاؤں!

اس سب کے علاوہ، تو یہ بھی جانتا ہے ۔ اور خوب جانتا ہے ۔ کہ میں نہ تیرا تابع فرمان بندہ، کبھی کسی معاملہ میں اپنے ملک کی، اپنی قوم کی، اپنے مذہب کی بہتری کا طالب نہیں ہوں! ان تمام باتوں کی مجھے اتنی ہی پروا نہیں جتنی ڈاڑھی پر سفید ی ۔ اور اسی وجہ سے ترک و اٹلی کے جھگڑے میں یا روس و ایران کے معاملہ میں کسی قسم کی ہمدردی کا اظہار میں ایک فعل عبث سمجھتا ہوں! مارا چہ ازیں قصہ کہ گاو آمد و خر رفت! میری طرف سے تمام دنیا جنت میں جائے یا جہنم میں مجھے اپنی چمکیلی شان و شوکت سے، اپنی سرو قد حکمراں بیوی کی خوشنودی سے، اور اپنے نام کے ساتھ ۔ ایم ۔ سی ۔ لکھنے ۔ سینے سے، کام ہے اور بس! اے لکھشمی جی کے تیر نظر کے گھائل، اے مبلغ علیہ السلام کی جھنکار پر جان دینے والے کفایت شعار رزاق! ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجھے کونسل کا ممبر رہنے کا فخر عنایت کر اور ابد الآباد تک مجھے اپنی شان ابلہ نوازی کا مرجع قرار دے آمین! ثم آمین!!!

سلطان حیدر ۔ جوش (علیگ)

ہز میجسٹی ملکہ میری کی تصویر جز ہے سبق اول ہے امید ہے کہ دلچسپی سے دیکھی جائیگی ۔ افسوس ہے کہ ہم اس تصویر کو مدبا کے موقع پر علیحدہ شایع نہ کر سکے ۔ م

نالۂ جگر سوز

ہلال احمر کے شفا خانہ سے یہ نالۂ جگر سوز بلند ہو کر جب میرے کان تک پہونچا ہے تب سے میرے دل کی حالت ناگفتہ بہ ہے لیکن نہیں معلوم کہ اس کے سننے سے مسلمانان ہند کے قلب کی کیا کیفیت ہو گی جس مظلومہ کے حال نے مجھے اس نظم کے لکھنے پر مجبور کیا اسکی نہایت ہی مختصر سی روئیداد "ایک دردناک نظارہ" کے عنوان سے روزانہ "زمیندار" مورخہ ۱۵ مارچ ۱۹۱۲ء میں بسند اخبار المؤید ۱۸ فروری چھپ چکی ہے۔

میں اپنی اس ستم رسیدہ بہن کیطرف سے جملہ اہل اسلام کی خدمت میں متذکرہ بالا نظم کو پیش کرتے ہوئے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس غریب کے لیے جو ہلال احمر کے شفا خانہ میں زیر علاج تھی اور نیز طرابلس کے دیگر زخمی بھائی بہنوں کی امداد کے لیے جس قدر چندہ ممکن ہو سکے فراہم کر کے مقررہ انجمنوں کے ذریعہ جلد بھیجنے کی کوشش فرمادیں اور اس موقع پر اپنی اسلامی ہمدردی کا فراخدلی کے ساتھ پورا ثبوت دیں۔

آرشل

(بند اول)

کہوں کیا ایک شب جو اضطراب دل کا ساماں تھا — بصد نشتر بیاز زخم جگر دست و گریباں تھا
ہجوم حسرت و غم الطرف میں اک طرف تنہا — پریشانی پہ اپنی صورت آئینہ حیراں تھا
شریک رنج تھا کوئی نہ کوئی ہمنشیں میرا — انیس کنج تنہائی جنون خانہ ویراں تھا
عجب حسرت برستی تھی مرے کاشانۂ دل میں — بیاباں تھا وہ گھر جو ایک دن رشک گلستاں تھا

بجائے اشک آنکھوں سے ٹپکتا تھا لہو ہر دم　　سحاب غم سے قطرہ ہر گوشہ دامن میں پنہاں تھا
چراغِ آسماں گل ہو چکا تھا نصف شب تک میں　　دل افسردہ سوز غم سے شمع بزم حرماں تھا
سکوت خامشی کا اس گھڑی اک طرفہ عالم تھا　　زمانہ پیکر تصویر کی مانند بے جاں تھا
یکایک کان میں پہونچی کسی مظلوم کی زاری　　جو ہر دم دردناک آواز سے اس طرح نالاں تھا

فغاں میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالہ میں
"سناؤں درد دل طاقت اگر ہو سننے والے میں"

(بند دوم)

"مسلمانو! انھیں کچھ پاس بھی ہے دین و ملت کا　　خیال آتا بھی ہے تمکو کبھی اپنی حمیت کا"
"کیا ہے آج کل کیوں ترک آئین وفاداری　　سبق دیتا نہیں اسلام کیا تمکو اخوت کا"
"زمانہ جاگتا ہے اور تم ہو خواب غفلت میں　　نہیں ہے کچھ تمہیں احساس ہی اپنی مصیبت کا"
"چلے جاتے ہو آخر کس لئے یوں الٹی رستے پر　　پتہ ملتا نہیں کیا تمکو شاہ راہ شریعت کا"
"بُرائے نام اب تو ہے زمانے میں مسلمانی　　نہ تھا یہ حال پہلے احمد مرسل کی امت کا"
"زمانہ پھر گیا آنکھیں پھرائیں ہم سے قسمت بھی　　بھلانا دل سے اپنے تمکو نہیں شیوہ مروت کا"
"نہیں سنتا کوئی فریاد مظلوموں کی دنیا میں　　الٰہی کوئی بھی واقف نہیں میری مصیبت کا"

"نہیں بنتا ہے کوئی آشنا حسرت کے ماروں کا
کوئی کیا جانتا ہے درد ہم سے دلفگاروں کا

(بند سوم)

"خوشی کیا خاک ہوگی دلکو فصل گل کے آنے سے　　جدا ہے خانماں برباد بلبل آشیانے سے"
پریشاں ہو گیا دم بھر میں گلدستہ جمعیت کا　　چھڑایا مجھکو صیاد ستمگر نے گلستانے سے"
مرے بھائی بہن سب زیر خنجر خون میں تڑپے　　نہ کیوں تازہ لہو کی آئے بو میرے فسانے سے"
میرے ٹوٹے ہوئے بازو کو زخمی کر گیا ظالم　　ابھی تک خون کا فوارہ ہے جاری میرے شانے سے

کیا اطفال کی جلا دنے مجھ پر ستم ایسا　　کہ جس کی یاد سے اب تک نہیں ہے دل ٹھکانے سے"

نہ کچھ تقصیر تھی میری - نہ مجھ میں نے خطا کی تھی　　شہادت بیگناہی کی طلب کر لو زمانے سے"

ہوئی جاتی ہے اب تو دن بدن حالت زبوں تر ہی　　طبیعت کو ہوئی ہے ربط نفرت آب و دانے سے"

ہمیں کیا حق نہیں حاصل ہے ستم کی کمائی میں　　دوا کے ہی لئے کچھ بھیج دو لے خزانے سے"

نہ کی جب وقت پر امداد یہ کس کام آ دوگے　　کفن ہو گا دو گے جب ہم گذر جائیں زمانے سے"

تمہارے دل میں گر اسلام کی کچھ بھی محبت ہو"

مسلماں ہو اسلام تو اتنی تکلیف و زحمت ہو"

(بند چہارم)

یونہیں دنیا میں کب تک تم رہو گے بیخبر - آخر　　کبھی تو ہو گا مظلوموں کی آہوں کا اثر آخر"

نہیں کچھ سود اس سے - جب وہ حق میں نہ کام آیا　　تو پھر کس کام آئیگا تمہارا مال و زر - آخر"

جہاں تک ہو سکے ہمدردی ہمجنس لازم ہے　　بشر ہوں اور پھر ہوں امت خیر البشر آخر"

حسین تشنہ لب نے کربلا میں تین فاقوں سے　　بچالی آبروئے دین احمد دیکے سر - آخر"

یہ وہ تھی صاحب عصمت کہ ذلت نہ آئی تھی　　مگر دنیا کی گردش نے پھرایا دربدر - آخر"

نہ تھا باقی جو یارا اشتداد اس غصۂ غم کا　　کہوں کیا لوٹ کر ہی رنگیا ہیں خاک پر - آخر"

کسی مرد کی صورت میں پڑا تھا خاک پر اد آسد　　نسیم روح پرور لائی پیغام سحر - آخر"

نوائے شیون مرغ سحر سے شور محشر تھا

مؤذن کی زباں پر نعرۂ اللہ اکبر تھا

——— آغا غلام حسین - ارشد

اثبات واجب الوجود - باری تعالی کے ثبوت میں وہ لاجواب کتاب جس کے ترجمہ پر پنجاب گورنمنٹ نے قابل مترجم کو انعام عطا فرمایا

دولت

دولت موضوع ہے علم اقتصاد کا۔ علم اقتصاد علم ہے اُن قوانین کا جو اُن چیزوں کی تحصیل اور تقسیم اور استعمال کو منضبط کرے جو قیمت رکھتے ہیں اور ضروری یا مرغوب ہوتے ہیں۔ دولت کی تعریف میں اگر قیمت کی قید نہ لگائی جائے۔ فقط یہ کہا جائے کہ دولت وہ اشیا ہیں جو ضروری یا مرغوب ہیں تو غلطی ہوگی اسی سبب سے کہ ہوا اور آفتاب کی گرمی میں سب صفتیں موجود ہیں۔ ان چیزوں کا فیض عام ہونا اور کسی کے اقتدار میں نہ آنا ان کو قیمت سے بری کرتا ہے۔ لہذا وہ اس علم کے مبحث نہیں ہو سکتے۔

علم اقتصاد کی غرض یہ ہے کہ آدمی کی محنت سے ضروریات اور آرام کے اشیا زیادہ پیدا ہوں اور وہ ان مناسبتوں کا اندازہ کرے جس سے یہ دولت مختلف درجے کے لوگوں میں منقسم ہے اور ان طرائق کو معلوم کرے جس سے اشیا زیادہ تر منفعت سے خرچ کیے جاویں۔ دولت اسقدر ضروری چیز ہے اور اس کی خواہش ہم کو ایسی بڑی سی بڑی محنت اور مشقت پر آمادہ کرتی ہے کہ اس کا علم سیکھنا ایک لازمی امر ہو گیا ہے اور اسپر غور و فکر کرنا واجب ہے۔ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کے لیے یہ کہا جا سکتا ہو کہ یہ علم لاحاصل ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض کے لیے وہ زیادہ سودمند ہے اور بعض کے لیے کم مگر سب کو اس سے تعلق ہے۔ ہر قسم و ہر صنف کے اشیا کی قیمت۔ کاریگر اور تاجر کے منافع زمیندار کا حاصل۔ مزدور کی اجرت۔ محصول کی آمدنی اور انکی اثر

یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ فقط علم اقتصادی اسکو معلوم اور حل کرسکتا ہے۔

دولت کا حاصل کرنا فقط اس غرض سے نہیں ہے کہ قوت کی تدبیریں معاون ہو بلکہ بغیر اس کے ہم اپنے روحانی ذوق وشعور کو نہ تربیت دے سکتے ہیں نہ ترقی جہاں دولت جمع نہیں ہوتی ہے ان لوگوں کے دل و دماغ فقط جسمانی ضروریات کے پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں ان کی تربیت کا وقت نہیں ملتا۔ ان کے خیالات اور احساسات اور سمجھ کوتاہ خود غرض ہو جاتے ہیں اور خود پست ہمت۔ دولت آدمی کو اپنی عقل اور سمجھ کے ترقی دینے میں مدد دیتی ہے اور ایک بہت ہی اہم چیز قوم کی تہذیب اور آراستگی کے بڑھانے کی ہے۔ جب تک انسان کو پیٹ کے دھندے سے فرصت نہو وہ ان مشاغل ترقی میں مصروف ہو ہی نہیں سکتا مگر تاہم اس علم کی طرف قدیم زمانہ میں بے پروائی رہی۔

ہر شخص کو اس کا اندازہ ضرور ہے کہ دولت کیا چیز ہے۔ مگر اس لفظ نے قدیم زمانہ میں مختلف معنی پیدا کئے بہت سے اصول پیش کئے گئے اور ان کے مدعی بہت سے لوگ اوٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک خیال اوسی زمانہ میں رائج تھا اور بہت دنوں تک ممالک کی تجارت پر اس کا اثر رہا۔ اسکو مرکنٹائل تھیوری کہتے ہیں۔ یہ خیال لوگوں کے دماغ میں بس گیا تھا کہ دولت فقط زر نقد ہے۔ سونا چاندی جو سکہ کی حالت میں نہوں تو سکہ کے دہلی جا سکتے ہیں اس اصول کے موافق جو چیز کہ ایک ملک میں روپیہ جمع کرنے میں بکار آمد ہو وہ ملک کو دولتمند کرتی ہے اور جو سونے چاندی کو ملک کے باہر کرے وہ غریب کرتی ہے۔ ان اصول پر مال کا باہر بھجوانا اور قیمت کا ملک میں آنا بہت ہی اچھا سمجھا گیا اور اسکی ترقی کی کوشش کی گئی۔ اور کسی چیز کا ملک میں داخل ہونا سوائے نقد کے نقصان سمجھا جاتا تھا۔ دنیا کی تجارت اُس زمانہ میں

دوستانہ تجارت نہ تھی بلکہ حریفانہ تھی کہ دیکھیں کون سونا چاندی زیادہ کھینچتا ہے۔

عام محاورہ میں دولت زرِ نقد کو کہتے ہیں۔ ہر شخص کے مال و دولت کا اندازہ نقد ہی میں ہوتا ہے۔ اور زرِ نقد کو دولت کہنا سچ بھی ہے۔ ایک آدمی کے پاس ایک معتدبہ رقم جمع ہو جائے تو بے شک وہ مالدار ہے اور اپنی ضروریات کو بہت آسانی سے پورا کر سکتا ہے لیکن اگر سارا ملک یہ خیال کرے تو فقط روپیہ ہی روپیہ نظر آئے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی چیز نہیں ملے گی۔ آخرش یہی ہوگا کہ وہ رقم کیسے باہر ہو اور سامان ضروری منگوایا جائے۔ ان وجوہ سے یہ ظاہر ہوا کہ نقد ہی فقط دولت نہیں۔ بلکہ وہ اشیا بھی دولت ہیں جو بنی نوع انسان کے کام آسکتے ہیں۔ اور جو قدرت نے بے انتہا مہیا نہیں کیے ہیں۔ جیسا کہ آگے مذکور ہوا کہ ہوا اور آفتاب کی گرمی دولت میں نہیں گنی جا سکتی۔ پانی کو بھی قدرتی دولت کہنا چاہیے۔ اگرچہ شہروں میں یہ قیمتی ہو جاتا ہے مگر اس قدر وافر ہے کہ دولت کے مفہوم میں نہیں آسکتا۔ ہاں بعض حالتیں ہیں کہ جس میں اسکی قیمت ہو جاتی ہے۔ مثلاً لوگوں کا آب و ہوا بدلنے کی غرض سے ملکوں کو جانا۔ اس سفر کے اخراجات کو آب و ہوا کی قیمت کہا جا سکتا ہے۔

پھر ایک شخص کی دولت میں اور ایک ملک کی دولت میں بھی فرق ہے ایک شخص کے لیے وہ سب اشیا دولت ہیں جو ذاتی قیمت نہ رکھتی ہوں مگر دوسروں سے وصول کی قدرت رکھتے ہوں مگر ایک ملک کے لیے وہ چیز دولت نہیں جس میں بذاتِ خود کوئی قیمت نہ ہو۔ فرض کرو کہ ایک کاغذ رہن ہے کہ وہ اس شخص کے لیے ایک ذریعہ آمدنی ہے مگر ملک کے لیے وہ دولت نہیں غرض اسی طرح کے اور عہد نامہ افراد کے لیے دولت ہیں مگر ملک کے لیے نہیں۔

ایک یہ سوال ہے کہ کیا آدمی کے ہنر کو بھی دولت کہہ سکتے ہیں۔ تجارتی

معلومات اور ہنر دست کاری کو ہمیشہ مادی اشیا کی پیدائش سے تعلق رہا ہے۔ ایک کاریگر کا ہنر فقط اسی وقت دولت کہا جا سکتا ہے جب وہ دوسری مادی دولت پیدا کرنے میں معین ہوتا ہے۔ اور کوئی اور صفات جو اس ناب میں ظاہرا سود مند نہ ہوں وہ کبھی اس طرح موسوم نہیں کیئے جاتے۔ غرض کہ یہ امر مسلم ہو چکا ہے کہ اس علم میں دولت سے مراد فقط وہی ہے جو مادی ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ ایک روٹی دولت ہے تو علمی لحاظ سے وہ بالکل صحیح اور جائز ہے گو محاورہ میں تمسخر معلوم ہو۔ ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک شے ان صفات سے متصف ہو جو انسانی ضروریات کو پورا کرتی ہیں مگر انسان ان سے ناواقف ہے یا ناقابل ہونے کی وجہ سے غور نہیں کر سکتا مثلاً آلو کو مدتوں بیکار سمجھا گیا۔ آبشار کی قوت کا پتہ نہ لگاتا۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ہر چیز شاید کارآمد ہو اور دولت کے بڑھانے کے قابل ہو۔ مگر ہم اوس سے ناواقف ہوں۔ برعکس اس کے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو دراصل ہماری ضروریات کو پورا نہیں کر سکتیں۔ مگر ہماری سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ وہ کام کی ہیں۔ سیکڑوں برس تک لوگ چھوٹے تبرکات کو مفید اور بیش بہا سمجھا کیئے کتنی ہی معدنی اور استعماری اشیا ہیں جن کی قیمتیں بہت گراں ہیں مگر اثر مشکوک۔ اسی طرح کہنہ کپڑے اور تصاویر اور پرانے سکے ہیں کہ اب بھی کیسا میلان ان کے جمع کرنے کی طرف ہو جائے تو وہ قیمتی ہو جائیں۔ شراب کو دنیا برا کہتی ہے اور حکیم و طبیب تو بے حد مگر ہونٹ انہیں کوئی نہ کوئی فائدہ دیکھتے ہیں اور دولت سمجھتے ہیں۔

میر عالم علی رسینیر بی۔ اے کلاس۔

غزل

حفاظت زخمِ دل کی یوں ترے ناشاد کرتے ہیں
جگر پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں جب فریاد کرتے ہیں

ادا رسمِ عزائے کشتۂ بیداد کرتے ہیں
لہو روتے ہیں یوں ماتم مرا جلاد کرتے ہیں

ہجومِ غم سے خالی ہم دلِ ناشاد کرتے ہیں
ذرا تسکین ہو جاتی ہے جب فریاد کرتے ہیں

امید دلکو ملایا خاک میں یوں ناامیدی نے
کہ اک گورِ غریباں دل میں ہم آباد کرتے ہیں

بیانِ گرمیِ ہنگامۂ بیداد مشکل ہے
کہ ہر تارِ نفس جلتا ہے جب فریاد کرتے ہیں

شہادت پر نہ پوچھو تم سبب زخموں کے ہنسنے کا
یہ آپس میں ادا رسمِ مبارکباد کرتے ہیں

پرِ پرواز ملتے ہیں ہماری خاک کو گویا
خدا رکھے سلامت ان کو جو برباد کرتے ہیں

ہجومِ یاس سے گھبرا کے لب پر جان آئی ہے
نکل جائے کہ ٹھہرے آپ کیا ارشاد کرتے ہیں

حسینوں سے نوازش ہائے الفت کی توقع کیا
کرم کرتے ہیں ظالم اگر بیداد کرتے ہیں

نفس کی آمد و شد سے یہ مطلب ہے کہ حسرت کو
کبھی ہم قید کرتے ہیں کبھی آزاد کرتے ہیں

تمدن قابلِ اصلاح ہے دنیائے الفت کا
وفاؤں کے طریقے روز ہم ایجاد کرتے ہیں

لگا رہتا ہے کھٹکا ظلمِ تازہ کا اسیرِ دل کو
قفس سے دیکھتے رہتے ہیں کیا صیاد کرتے ہیں

نظر آتی ہیں اب تک بیسیوں پر خون کی چھینٹیں
یہ جوہر ہیں جو ذکرِ تیشۂ فرہاد کرتے ہیں

ہزاروں رنگ سے کھینچیں دلِ زخمی کی تصویریں
سرشکِ خوں ہی کارِ مانی و بہزاد کرتے ہیں

خدا جانے نتیجہ کیا ہوا اس طومارِ حسرت کا
وہ خط لکھا ہے جس کے حرف تک فریاد کرتے ہیں

عجب اعجاز رکھتی ہے یہ دنیائے تصور بھی
وہ لوگ آنکھوں میں پھر جاتے ہیں جنکو یاد کرتے ہیں

دلِ پر آرزو کو تم کرو ویراں تو تم جانو
ہمارا کام ہے اتنا کہ ہم آباد کرتے ہیں

نظرؔ حد سے سوا ہے اب اذیت قیدِ ہستی کی
کہ اٹھتے بیٹھتے اعضائے تن فریاد کرتے ہیں

دو آسمانی مسافر

۵؍ دسمبر ۱۹۱۱ء کا چندر گرہن جس نے تمام یورپ میں صبح صادق کے وقت ایک تہلکہ برپا کر دیا تہا اپنی نوعیت کے اعتبار سے یقیناً بے مثل تھا جو پردۂ دنیا پر ایک بلائے ناگہانی کی صورت میں ظاہر ہوا قریب آگیا تہا وہ وقت کہ شجاع مشرق اپنے نازک خنجر سے دامان شب آناً فاناً چاک کر دے، نسیم اٹھلا اٹھلا کر مژدۂ صبح لا رہی تہی، شمع کافوری جھلملا جھلملا کر صحبت شب کو الوداع کر چکی تہی، اور وہ گل نو شگفتہ جو رات کے ابتدائی حصہ میں حسن عروس کی زیب و زینت کو دوبالا کر رہے تہے شب وصل کے فراق کا پیغام پہونچا چکے تہے، کہ پورنماشی کا چاند گہنانا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین و آسمان تیرہ و تار ہو گئے، نہ معلوم برج عقرب کب کا منہ کہولے بیٹھا تھا کہ لپکتے ہی شربت کے گہونٹ کی طرح نگل گیا اور کوہ الپیا کے دامن میں جس پر چادر مہتاب آب و تاب سے پھیلی ہوئی تہی اندھیر چھا گیا کچھ ایسا سناٹا ہوا کہ بلبل بیمار جو لہک لہک کر صبح کا استقبال کر رہی تہی آشیانہ میں جا دبکی زمین وجہ گرہن ضرور تہی مگر چاند کی بے بسی پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تہی، آسمان بیگناہ تہا یا نہ تہا مگر عقرب کے مظالم کی تاب نہ لا سکا۔

"تارے ٹھنڈے سانس بہرتے ہوئے بساط فلک پر تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے تہے کہ قمر مظلوم نے پلٹا کہایا عقرب کے اس سینہ کو جو فولاد سے زیادہ سخت تہا ہلالی ناخنوں سے چیرتا ہوا باہر نکلا قریب تہا کہ نظام عالم فتح و نصرت کا سہرا قمر چہارم کے سر باندھ دے کہ آفتاب سیہ رو برج عقرب

کی حمایت میں فضائے مشرق کے ہوائی جہاز میں بیٹھکر بلند ہوا۔ اور ان کا
پردہ ڈال کروڑوں دل شیر مردہ کر دیے۔

آفتاب و رفقائے آفتاب کے علاوہ جن کے جاہ و جلال کا سکہ ہر چہار
طرف بیٹھا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بے شمار ستارے چاند کے ساتھ جانیں
لڑائے ہوئے تھے اور منتظر تھے اسوقت کے کہ ماہتاب کو اسی چمک دمک
سے اپنے تخت پر جلوہ گر دیکھیں۔

(۲)

دن کے دو بجے ہوں گے کہ وائرلیس ٹیلیگرافی کے انچارج سپرنٹنڈنٹ
نے صیغہ خارجیہ کے وزیر کا یہ اعلان مشتہر کیا۔ حدود قمری پر برج عقرب
کا حملہ گو تعجب انگیز و مضحکہ خیز سب کچھ تھا لیکن امن و انصاف کے مدعی آفتاب
نے جس ہٹ دھرمی سے دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکی ہے اس نے یقین
دلا دیا کہ حرارت آفتاب کے بل پر پھولنے والی تمام طاقتیں متفقہ کوشش
کر رہی ہیں کہ قدرت کے انتظام کو پلٹ دیں اور رات کا سایہ عاطفت جو بقائے
حیات انسانی کے واسطے لازم ہے صفحہ ہستی سے ناپید کریں وہ فلسفۂ قدرت کے
اس مسئلہ سے بالکل بیخبر ہیں کہ جب تک انکا وجود دنیا میں ہے ہمارے شہنشاہ
معظم کی آب و تاب دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتی رہے گی ہمیں اس بات کا
اعتراف کرنے میں تامل نہیں کہ آفتاب اپنی لگاتار کوششوں تحقیقوں اور تجربوں
سے انسانی دنیا کے دل مسخر کر چکا ہے وہ ہر قسم کے آلات حرب سے مسلح ہے دنیا
کے بڑے حصہ کی ہمدردی اس کے ساتھ ہے لیکن اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہی
کھیتیاں جو اس کی تمازت سے پک کر تیار ہوئیں اگر انصاف سے کام لیں گی تو طاقت
اس کے ان افعال پر لعنت بھیجیں گی۔ گو ہمارے عقائد ہمکو یہ کہنے کی اجازت

نہیں دیتے کہ روزِ روشن میں ہماری طاقت نہ صرف کمزور بلکہ بالکل صفر ہے
لیکن ہم اسباب کے متمنی ضرور ہیں کہ کاش شب ماہ میں ہماری مثل بجیبز
اقلیم آفتاب کے شہ زور تاجدار و مسخر ہو جائے۔

چونکہ ہمارے سلطان قمر اول خلد اللہ ملکہ عقرب کے کینہ حملے سے
ہر طرح محفوظ رہے اس خوشی میں آج رات کو لائٹ پارک میں ایک جلسہ
اس غرض سے منعقد ہوگا کہ تمام خیرخواہان مملکت قمری اس عاملہ پر غور و
خوض کریں ممالک آفتابی کے تمام سفرا خصوصیت سے اس جلسہ میں
مدعو کیے گئے ہیں۔

(۳)

برج سرطان کو چھوڑ کر جس نے تاج برطانیہ کی طرح کارزار طرابلس میں
انصاف کو ہاتھ سے نہ دیا تمام آفتابی طاقتیں یورپ کی طرح عقرب کے
ساتھ تھیں انکو یقین تھا کہ عقرب کے صرف حملہ کی دیر ہے ممالک قمری کا
یہ حصہ جو سوے مازار تولیس کے نام سے مشہور ہے یقیناً شعاعی
طاقتوں کے زیر نگین ہوگا یہی وجہ تھی کہ گرھن کے وقت جب عقرب نے تولیس
پر حملہ کیا قمر اول نے ہر چند کوششیں کیں چاروں طرف نگاہ دوڑائی، مگر
اعانت تو درکنار کسی نے بات تک نہ پوچھی کینہ دوز عقرب کی ہنکاروں نے
تولیس کے پہاڑ پرزہ پرزہ کیئے زمین تاخت و تاراج کی مگر آفتاب
سیہ کار کے کان پر جوں نہ چلی اس بے ایمانی کا یقینی نتیجہ یہ تھا کہ خود ممالک
آفتابی کی رعیت اپنے تاجدار و نیر لعنت برسانے لگی اور رواقیات نے باواز بلند
پکار دیا کہ بے ایمانوں کا وجود تحت الثریٰ ہی میں نہیں بہت جگہ
موجود ہے +

(۴)

کرائسٹ بلڈنگ جو لائٹ پارک کا قابل نماز حصہ تھا نہایت تزک و احتشام سے آراستہ کیا گیا۔ مگر موسم زیادہ گرم ہونے کی وجہ سے یہ اوپن ایر جلسہ ایسی جگہ منعقد ہوئی جہاں سے اطراف و جوانب کی بہار اچھی طرح نظر آسکے۔ آفتاب کے غروب ہوتے ہی پلیٹ فارم ستاروں سے بھرا ہوا تھا جو اپنی زرق برق ڈریس میں جگمگا رہے تھے دس بجے کے قریب لارڈ ستار منسٹر اوف دا کا داخلہ ہوا جب نقلی ستاروں کے گارڈ اونر نے سلامی دی۔ ٹھیک آدھی رات کے وقت سوتا ستارہ جاگتا ہر دو گا رآدھی رات ادھر اور آدھی رات آدھر ہز مجسٹی ملکہ مشتری کی تشریف آوری کا غلغلہ بلند ہوا۔

مریخ کی تحریک اور زہرہ کی تائید سے جسمیں تمام اوڈینس کی التجا شامل تھی ہر مجسٹی نے کرسی صدارت کو رونق بخشی اور چاروں طرف سے گوڈسیو دی کوئن کے نعرے بلند ہوئے۔

لارڈ ستار کی منسٹریل سپیچ اور اس کے بعد جو مختلف تقریریں ہوئیں ان کا اعادہ فضول سمجھکر ہم صرف ہر مجسٹی کی سپیچ نقل کرتے ہیں۔

شائننگ سٹارز اینڈ سفیرز:-

جس محبت و خلوص سے آپ صاحبان نے میرا خیر مقدم کیا میں اسکو دیکھکر بیحد خوش ہوئی میں ضرور آپ کا یہ محبت آمیز پیغام شہنشاہ معظم کی خدمت میں پوہنچا دوں گی۔

گرھن پر آپ صاحبان کا اس قدر اضطراب اس خیال سے کہ وہ وفاداری کا کافی ثبوت ہے۔ ہمارے دلی شکریہ کا مستحق ہے گر یہ کیفیت جس نے آپ کو اس قدر پریشان کیا محض ایک عکس ہے ان واقعات کا جو آج کل

انسانی دنیا پر گذر رہے ہیں ہم کو اپنے معاملات کا تعلق اندیشہ نہیں۔ نظام عالم ہمارے بقا و قیام کا ذمہ دار ہے۔ بس اگر کوئی گزند پہنچ سکتا ہے تو اسوقت جب تمام افتابی سلطنتیں کسی نہ کسی مرض میں گرفتار ہو جائیں لیکن افسوس کے قابل وہ اصلی واقعات ہیں جن کے عکس نے آپکے دل دہلا دیئے آپ صاحبان کو آسنے انکار و فرائض سے ناواقفت بمشکل ہوسکتا ہوگا کہ آپ انسانی دنیا کا کبھی مطالعہ کریں یا کسی محدود قطعۂ زمین کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں لیکن آدھی رات کے سناٹے میں جب تمام دنیا کا بڑا حصہ نرم نرم بستروں پر آرام کرتا ہے میں آج کل ان حالات کو دیکھتی ہوں جس کے خیال سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ لوگ بھی ان جگر خراش واقعات کو سنکر اپنی بپتا بھول جائیں گے۔ سرزمین طرابلس الغرب جو آپ کی آنکھ کے سامنے ہے اسپر نظر ڈالئے اور ان بدنصیب فدائیان وطن کو دیکھئے جو جنگلوں میں پڑے اپنے وطن کی حفاظت کر رہے ہیں نو مہینہ کا عرصہ گذرا کہ بے ایمان اطالیہ نے عیسائی طاقتوں کی متفقہ صلاح و مشورہ سے ان بدنصیبوں پر حملہ کیا اور اپنا رعب بٹھانے کے واسطے سینکڑوں اور ہزاروں مظلوم اور معصوم بچے اور بوڑھے عورتیں اور مرد تہ تیغ کر دیئے۔

سرزمین طرابلس کا ہر ذرہ اور طرابلس پر چھایا ہوا آسمان قیامت تک خون کے آنسو روئیگا ان معصوموں پر جو اطالیہ کے ظالم ہاتھوں نے ماں کی گود سے جدا کر دیئے اور نخلستان میں ان کی لاشیں بے گور و کفن سڑتی رہیں۔

یہ انسان جو تہذیب و تمدن کا مدعی اشرف المخلوقات ہونے کا مستحق ہے اپنے کانوں سے ان بے بسوں اور بے کسوں کی گریہ و زاری سنتا رہا اور اس کا دل نہ پسیجا۔ طاقتور مہذبوں نے بیگناہ کمزوروں کے آہ و نالے سے ذبح ہوتے ہوئے دیکھا اور کان پر جوں نہ چلی۔

ایک رات کا ذکر ہے دو بج چکے تھے ابر غلیظ آسمان پر چھایا ہوا تھا۔
سمندر کے اس کنارہ پر جہاں کوسوں انسان کا گذر نہ تھا حسن کی ایک مجسم
تصویر جس کے دونوں رخساروں پر شباب کی مسکراہٹ کھیل رہی تھی مجھکو
نظر آئی۔ بحر زخار اس کے سامنے پھیلا ہوا سمندر کے لہروں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی
اور زیتون کے درخت تالیاں بجا بجا کر اسکا خیر مقدم کر رہے تھے۔

رات اندھیری اور ڈراونی تھی موسم ٹھنڈا اور قیامت خیز ہوا پانی میں ڈوبی
اور خنک مگر یہ ماہ کنعان حیران و پریشان ساکت کھڑی تھی اسکی صورت ظاہری ثبوت
تھی اس فراق ابدی کا جس کے ظالم تیر ناتجربہ کار دل کے پار ہو رہے تھے۔
عشق اس کے سر پر کھیل رہا تھا اور محبت دل مجروح کو قوت متخیلہ پر پرورش کر کر
کے بجلی کی طرح تڑپا رہی تھی۔ شیر ببر بے چاروں طرف دہاڑتے پھرتے تھے
اور طرابلس کے مشہور بھیڑیوں کا غول کا غول اس کے پاس سے سائیں سائیں
کرکے نکل جاتا تھا۔ خرگوش ادھر ادھر اچھل رہے تھے مگر کوئی چیز سرزمین
طرابلس پر ایسی نہ تھی کہ اس کے تخیلات کی رو کو روک دے۔

پہلا پہر ختم ہو چکا تھا کہ یہ معصوم طرابلس کے دامن کوہ کی طرف چلی سمندر کی
لہریں اس کے حسن خداداد پر دور دور پڑھ رہی تھیں ہوا کے جھونکے جھک جھک کر
اس کے پاؤں چوم رہے تھے اور درختوں کے پتے سرسرا سرسرا کر اس کو
الوداع کہہ رہے تھے۔

(۵)

شب آخر کے سنسان وقت میں ابر کے غلیظ ٹکڑے جھڑیوں اور لوں کو سینے سے
چمٹائے ادھر ادھر پھر رہے تھے کہ پانی کا ایک چھوٹا سا قطرہ آغوش پدری سے
جدا ہو کر زمین کی طرف چلا بادل کے ٹکڑے ۲۸ اکتوبر کا وہ خونریز واقعہ دیکھ

سے چلے تھے جس میں سیبرو جنرل کینوا نے ننھے ننھے معصوم ماؤں کے کلیجوں سے
چھین کر سنگینوں کی نوک پر بھون دیئے ان بچوں کی گریہ وزاری اور مامتا
کی ماریوں کے بین جس نے تمام روئے زمین پر تہلکہ مچا دیا یورپ کی دیواروں سے
ٹکرا ٹکرا کر واپس ہوئے اور صاحب اولاد یورپ نے اپنے بچوں کو گود میں لے کر
ان بیکسوں کے ذبح ہونے کا تماشہ دیکھا اس سبب سے اس قطرہ کا سرزمین طرابلس
پر پہونچنا اس سیبرہ کہنا کو جس نے مہینوں اس ننھے سے قطرہ کو پیٹ میں
رکھ کر خون جگر سے سینچا گوارا نہ ہوا مگر ننھے سے دماغ میں صبر کا سودا سما چکا
تھا۔ ماں کی منت سماجت پیش نہ گئی اور یہ قطرہ فضائے عالم میں اڑتا زمین کی طرف
چلا ایک ننھی سی بوند جو مہینوں اس کے ساتھ رہی تھی اپنے مدتوں کے
رفیق کا ساتھ نہ چھوڑ سکی اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی روانہ ہوئی۔

چھوٹا سا قطرہ اور ننھی سی بوند دونو بہن بھائی جن کے سر پر ہوا کے جھکڑوں
کے سوا اب کوئی والی وارث نہ تھا اس قیامت خیز رات میں جس نے اچھے
اچھے مردوں کے کلیجے دہلا دیئے تھے ذوق وشوق سے اپنا سفر طے
کر رہے تھے۔ ماں وانی ان سے وطن چھین ماں کی گود اور بالک ہٹ بزرگوں کا ساتھ
چھٹا چکی تھی ہوا اپنے ہنگورے میں ان ننھی سی جانوں کو جھونکے دے دے کر
جھلا رہی تھی زمین نے اپنی کشش شروع کی اور دونو معصوم مچلتے مچلاتے اسی
دامن کوہ میں پہونچے جہاں محبت ومصیبت کی تصویر گذری ہوئی راتیں اور بیتے
ہوئے دن یاد کر رہی تھی۔

زمین اپنے ننھے ننھے مہمانوں کی مدارات میں کمی نہ کر رہی تھی اور گو ہوا
نے اپنے فرائض نہایت توجہ سے پورے کئے تھے ذرا کی محبت بھری نگاہیں
میسر نہ آسکیں۔ ادھر زمین منہ کھولے بیٹھی تھی تو ادھر صدمت آنکھیں بچھائے ہوا

تک رہی تھی یہاں ہر چہار طرف اداسی چھا رہی تھی تو وہاں سمندر زور شور سے بہتا چلا جا رہا تھا اور بیکسی کی معصوم جانیں عجب کشمکش میں تھیں ہر لمحہ وطن سے دور اور پردیس سے قریب کر رہا تھا۔ ہوا کے فراٹوں نے نازک جسموں پر جھریاں ڈال دیں اور حالت یاس میں ان دونوں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا مگر بے سود تھا۔ آنکھ سے آنسو نکل پڑے مگر اب ان آنسوؤں کو پونچھنے والا کون تھا آخر وہ وقت آ پہونچا کہ دونوں آسمانی مسافر زمین پر داخل ہوں ماں کا پکھوا یاد کر کے دونوں نے ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور طراس کی اس دیوی کی نازک پیشانی کو بوسہ دیا +

کئی گھنٹوں کے مسلسل استغراق کو بوسہ نے حرکت دی خاتون بدنصیب نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور ان آسمانی مسافروں کو پیشانی سے اتار کر ہاتھ پر لیا ان کی صورت دیکھتے ہی جس پر بچپن اور غریب الوطنی برس رہی تھی اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔

دونو بہن بھائی جو یہ سمجھے تھے کہ آغوش مادر کی بو انسانی دنیا اس ذرہ سے آ سے گی خاتون کی یہ حالت دیکھ کر چونک اٹھے مگر جب یہ دیکھا کہ ان ہی کے ہمجنس ان ہی کے ہم عمر اس خاتون کی آنکھ سے بھی پیدا ہو رہے ہیں تو ان کی ہمدردی اور زیادہ بڑھ گئی۔ خاتون کی محبت بھری نظریں دونو بہن بھائیوں پر گڑی ہوئی تھیں غور و تعمق کی نظر سے وہ تھوڑی دیر ان کو دیکھتی رہی اور پھر اس طرح کہنے لگی،

معصوم پردیسیو! کس باغ کے پھول اور کس ماں کے لال ہو؟ کہ اس اندھیری گھپ رات میں ماں کا پکھوا چھوڑ جنگل جنگل کی خاک چھان رہے ہو خدا را کسی اور سمت کا رخ کرو اور اس سرزمین سے نکلو جہاں خونخوار بھیڑیے

چاروں طرف منڈلا رہے ہیں اور جن کی بیدردی نے مجھکو مخبوط الحواس بنا دیا کامل تین رات سے میں اپنی اس جھونپڑی کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں جس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور اب اس کا نام ونشان تک نظر نہیں آتا۔

بچو! تم ایک خانماں برباد بیوی، اور ایک ناشاد ماں کے مہمان ہو آکر میرے کلیجہ سے لگ جاؤ کہ ظالم تمکو دیکھ نہ سکیں، پیارے مہمانو، بھوکے پیاسے معصومو، میری چھاتی منہ میں لو، دو دن کا رکا ہوا دودھ اترآئے گا، تم ہی جیسا لال پرسوں اسی سرزمین پر میرے کلیجہ سے چھوٹا ہے، مجھ دکھیاری کو اپنی ماں سمجھو، گو مسلمان نہیں ہو، مگر صاحب اولاد کی گود میں ہو، اس گود کو ماں کی گود جانو آؤ پیار ولپٹ جاؤ اور پیٹ بھر لو، متواتر فاقوں اور پے درپے صدمات نے مردہ بنا دیا اور آن پونچا ہے وہ وقت کہ جس بدنصیب کو ماں سمجھکر آئے ہو وہ تم جیسے پیارے معصوموں کو اس بیابان میں تنہا چھوڑ کر ختم ہو جائے، بچو! خدا! تمھاری عمر دراز کرے، زندہ رہو خوش رہو، بچ گئے تو شمال مشرق کے نخلستانوں میں جانا ہزاروں کلمہ گو انسان ایسے دیکھو گے جو مجھ سے بدتر حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، بچی سچو تو میرا یہ پیغام جہاں جہاں جاؤ پونہچاتے جانا۔

"طرابلسی مسلمان مسلمانوں کے محتاج ہیں"

خاتون کے الفاظ یہیں تک پونچے تھے کہ زیتون کے درخت پر سے جو سر پر تھا بلبل خوش الحان چلا کر اڑی اور یہ کہتی ہوئی چلی،

اے طرابلسی دلہن پہاڑ میں چھپ جا۔ قزاق سر پر آپونچے، بلبل بمشکل تمام چند گز پونہچی ہوگی کہ ایک اطالوی مسلح جوان اس کے سر پر تھا، ایک صبح کا سہانا وقت ظالم نشۂ جوانی میں چور، بھولی بھالی صورت دیکھتے ہی دیوانہ ہو گیا اور گھر

طرابلس حسینہ! پچھلے جھگڑوں کو بھول جا اور خوش ہو کہ اب ایطالیہ کے ایک بہادر سپاہی کی محبوب بنتی ہے یہ کہکر جوان آگے بڑھا ہاتھ بڑھایا کہ نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے۔

خاتون:- خبردار! بدکار! اگر ہاتھ لگایا ہوگا دور ہٹ! میرے سینے سے وہ دو لال چمٹے ہوئے ہیں جن کے سر پر کوئی والی وارث نہیں دور ہو جا سامنے سے مردود! ازلی اب ایسا لفظ زبان سے نکالیو۔

ایطالی جوان کا جواب وہ خنجر تھا جس نے دامن کوہ میں طرابلس کی سرزمین دو معصوم اور ایک مظلوم کے خون سے لال کر دی۔

یورپ کا سنگدل آفتاب ان تینوں لاشوں کو دیکھ کر مسکرایا اور صبح کھلکھلا کر ہنس پڑی درخت، درختوں کے پتے ان بیگناہوں پر خون روئے شبنم نے ان پر آنسو گرائے پہاڑ نے اپنا سایہ کیا اور ہوا نے ان کی لاشوں کو پنکھا جھلا۔

انسان اشرف المخلوقات ہے مگر طرابلس کے گدھ یورپ جیسے انسانوں سے بہت زیادہ مہذب اور صاحب فراست نکلے جسوقت ان کی جماعت ان معصوموں سے پیٹ بھرنے آئی ہے معصوموں کے چہرے اور مظلوم کی صورت دیکھ کر ان کا جی بھر آیا انہوں نے مل کر ایک کمیٹی کی ایطالیہ، اور ایطالیہ کے حمایتوں پر لعنت کے ووٹ برسائے اور ان تینوں لاشوں کو لیکر بیت المقدس پہونچے

آدھی رات کا وقت ہوگا کہ ان گدھوں نے یہ لاشیں صلیب عیسوی کے سامنے لا کر رکھیں میں نے غور سے دیکھا کہ صلیب ان بیگناہوں کی معصومیت پر لرز گئی اور اس کے اس حصہ سے جسکا رخ آسمان کیطرف تھا یہ الفاظ سنائی دئے

"تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک"

معاوضۂ مضامین

پچھلے پرچہ میں ہم نے تمدن کی تقطیع اور ضخامت میں اضافہ کی تجویز ناظرین تمدن کے سامنے اس شرط پر پیش کی تھی کہ وہ توسیع اشاعت میں حصہ لیں اور اگر تمام خریدار نہیں تو کم از کم وہی حضرات جو باسالی ایک ایک دو دو خریدار فراہم کر سکتے ہیں ہمارے مرسلہ کارڈ خانہ پری کے بعد واپس کر دیں اس تجویز کا نتیجہ کیا ہوا اس کا ذکر فضول ہے البتہ وہ کرمفرما جو ہمیشہ ہی تمدن کی اشاعت میں اعانت کر رہے ہیں اس موقعہ پر بھی غافل نہ ہوئے اور ہم ان کے اس خلوص کا شکریہ ادا کرنے کے بعد انکو یقین دلاتے ہیں کہ وہ انشاءاللہ جلد اپنے پرچہ کی تقطیع اور ضخامت میں اضافہ دیکھیں گے +

ہم اہل قلم حضرات کا جنہوں نے سال گذشتہ میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ آج پھر شکریہ ادا کرتے ہیں اور گو تمدن کی مالی حالت اس قابل نہ ہو لیکن اب ہماری رائے میں تمدن کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ محض مروت اور خوشامد سے مضمون حاصل کرے قابل نامہ نگار دماغ سوزی سے محنت سے تحقیق سے تکلیفیں اٹھا کر مضمون لکھیں اور تمدن اس کا معاوضہ لفظ شکریہ سے ادا کر دے۔ اس لیے ہم اس پرچہ سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ آیندہ پانچ روپیہ سے پندرہ روپیہ تک کا ایک دو یا تین (معاوضہ نذرانہ، شکرانہ) اہل قلم حضرت کی خدمت میں پیش کریں گے۔ جو کمیٹی اس امر کا فیصلہ کرے گی کہ اس پرچہ میں کون سا مضمون کس معاوضہ کا مستحق ہے۔ اس کے ممبر

حضرات ذیل ہیں:-

ڈاکٹر مفتی محمد شرف الحق صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔

پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب ایم۔ اے۔

مولوی سید اشرف حسین صاحب۔

پروفیسر مشتاق احمد صاحب زاہدی۔ بی۔ اے۔

ایڈیٹر۔

نامہ نگار حضرات سے التماس ہے کہ وہ براہ کرم مضمون کے ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرماویں کہ وہ اپنے مضمون کا معاوضہ پسند کرتے ہیں یا نہیں کیونکہ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہم کوئی ایسا مضمون (سوا ان چند حضرات کے تمدن جن کا اپنا پرچہ ہے) درج نہ کریں جس کا معاوضہ نہ دیا گیا ہو اور اُمید ہے کہ انشاء اللہ آپ اس اصول پر جلد کاربند ہوں گے۔

لغات جدیدہ۔ مولوی سید سلیمان صاحب ماڈرن عربک پروفیسر دارالعلوم نے اس کتاب میں تقریباً ان چار ہزار عربی الفاظ کی تشریح فرمائی ہے جو آجکل عربی میں مستعمل ہیں۔

علاوہ عربی خواں طلبا کے استفادہ کے یہ کتاب خصوصیت سے ان حضرات کے واسطے مفید ہوگی جو عربی جرائد کے مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ مولانائے موصوف کی یہ محنت ملک وقوم میں وقعت سے دیکھی جائیگی قیمت عہ

مولانا صاحب سے ندوہ لکھنؤ کے پتہ سے مل سکتی ہے

وصل حبیب

ناول نہیں دلچسپ اداؤں کی ہے تصویر
رنگ اس میں کسی شوخ طبیعت کا بھرا ہے

یہ اخلاقی اور سچا ناول سید حبیب الحسن صاحب وکیل درجہ اول عدالت العالیہ ریاست بھوپال کی تازہ تصنیف ہے اسمیں حسن و عشق کی سچی تصویریں نہایت خوبی سے دکھائی گئی ہیں۔ اور راز و نیاز کے ہو بہو فوٹو کمال صفائی سے لیے گئے ہیں۔ ناظرین۔ اگر پاکبازانہ عشق کی غیر متوقع کامیابی دیکھنا مقصود ہو تو اس کی زیارت کرو۔ شریفانہ ضبط و تحمل کی تاثیر اور قوت دیکھنے کی تمنا ہو تو اسکو دیکھو۔ پردہ اور تعلیم نسواں کی حمایت مرکوز خاطر ہو تو اسکو مطالعہ کرو۔ عقد بیوگان کے متعلق دلچسپی ہو۔ اور زن بیوہ کمسن اگرچہ عورت کی اصلی تعبیر دریافت کرنا چاہو۔ تو اسکو مشاہدہ کرو۔ طوائفوں کی فطرتی سرشت کردار بد کا بد انجام دیکھنا ہو۔ تو اسکو پڑھو۔ دوستی کے فرائض اگر معلوم کرنا ہوں تو اسپر نگاہ ڈالو۔ ضلع اشٹہ کے سی سالہ بندوبست منعقدہ ۱۹۰۵ء کے تاریخی واقعات کی جستجو ہو۔ تو اسکی سیر کرو۔ زبان کی نفاست۔ بیان کی سلاست۔ ترکیب کی درستی عبارت کی چستی۔ فقرات کی برجستگی۔ مکالمہ کی شوخی علم کی حفاظت۔ تہذیب کی روک تھام۔ تمناؤں کا ہجوم حسرتوں کا اژدھام۔ قابل دید ہے مصنف نے کمال کیا ہے۔ کہ درد دل کو لفظوں میں بھر دیا ہے اسکی خوبی کا اندازہ کہنے سننے کے متعلق نہیں۔ دیکھنے اور سمجھنے کے لائق۔ لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ درجہ کا حجم ۳۲۰ صفحہ باایں ہمہ بخیال اشاعت قیمت ہر دو حصہ صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصول ڈاک۔ رعایتی قیمت عہ علاوہ محصول ڈاک

المشتہر مہتمم کتب خانہ حبیبیہ۔ ڈاک خانہ گوہر گنج ریاست بھوپال

ڈاکٹر برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوائیں

ستائیس برس سے سارے ہندوستان میں استعمال میں آرہی ہیں

(۱) دما جس نے زور سے اچھلتا ہو اس دوا کے ایک ہی خوراک پیتے ہی دب جاتا ہے۔

(۲) نیا ہو اور اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دما جڑ سے جاتا ہے۔

(۳) پورانے دما والے یا جن کا دما دم کا ساتھی ہو گیا ہو وہ بھی اس دوا سے بہت صحت پاتے ہیں

دمہ کی دوا | ڈاک محصول ایک سے تین شیشی تک ۵ آنہ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنہ (عہ)

مقوی گولیاں | ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دوائیوں میں مشہور دوائیں۔ فاسفورس، آرسنک، کنیا اور ڈمیانا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں۔ مغز، پیر، ڈرک۔ ماس اور

خون کو یہ طاقت دیتی ہے اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئے معمولی کمزوری بھول دل یاد۔ بھولنا۔ ہاتھ پیر کا نپنا۔ لقوہ۔ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہوئے ہیں وہ بھی کی خوراک تین گولیوں کی شیشی قیمت ایک روپیہ (عہ) ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ ۵ر

امراض مستورات کی دوا | یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے جس طرح کا رحم کی بیماری پرورروگ حمل کی کمزوری پیٹ جانگ میں درد وغیرہ

کو مٹا کر اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی تمام دور ہو جسم قوی ہوتا ہے ایک دفعہ اس دوا کی بھی آزمایش کیجئے۔ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ (عہ) ۱۶ خوراک ڈاک محصول ۴ر

ان دوائیوں کی مفصل حالت مع سرٹیفکیٹوں کی پوری کتاب بلا قیمت ملتی ہے منگا کر پڑھیے

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن

نمبر ۵۵ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایجنٹ آغا منصب علی کشمیری دروازہ دہلی میں ہیں

فرمایش کے ساتھ رسالہ کا حوالہ ضرور دیا

جلد ۱ مئی سنہ ۱۹۱۲ء نمبر (۲)

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا
مخزن

ایڈیٹرز۔ محمد عبد الراشد الخیری۔ شیخ محمد اکرام

فہرست مضامین:۔

باہتمام محمد عبد الراشد الخیری

قیمت سالانہ قسم اول ۴ روپے قسم دوم ۲ روپے
تمدن پریس دہلی میں چھپ کر شائع ہوا
قیمت فی پرچہ ۶ آنے
مہتمم ابوالمظفر حامد میرزا دہلوی

عصمت

(دہلی)

جہاں یہ مسئلہ طے ہو چکا کہ تعلیم نسواں ترقی کا پہلا راز ہے وہاں بزرگان قوم نے یہ بھی مان لیا ہے کہ مستورات کے مطالعہ کے واسطے عصمت ایک نعمت ہے جس میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کی فلاح و بہبودی محفوظ ہے۔ کنواری لڑکیوں کے واسطے عصمت سے بہتر سہیلی عصمت سے بہتر شفیق استانی عصمت سے بہتر ناصح صلاح کار ملنا ناممکن ہے عصمت ان کو بتائیگا کہ بچپنے کی زندگی ان کو کس طرح گزارنی۔ ماں۔ باپ کا ادب بہن بھائیوں کی خدمت بڑوں کی تعظیم چھوٹوں سے محبت ان کا فرض منصبی ہے جس نئی دنیا میں ان کو شامل ہونا ہے اس کے لیے انہیں کیا تیاری کرنی ہے جو جو دقتیں ان کو پیش آئیں گی ان کو کس طرح رفع کرنا ہے۔ ساس سسر کے ساتھ ان کے تعلقات کیسے ہونے چاہیں غرض ان کی آیندہ زندگی کو تمام خطرات سے بچا کر پرلطف با اطمینان بسر کرانے کے واسطے عصمت سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں ۔

بیاہی ہوئی لڑکیوں کو خانہ داری گھر کے حساب کتاب ان بچوں کی پرورش میں سب سے زیادہ جس چیز کی مدد مل سکتی ہے وہ عصمت ہے عصمت ان کو بتائیگا کہ جس آمدنی کو وہ بے فکری سے خرچ کر رہی ہیں وہ کس محنت و مشقت سے پیدا کی گئی ہے۔ جو بچے قدرت نے ان کے سپرد کیے ہیں ان کی ذمہ داریاں آپ پر کیا ہیں کس طریقے ہیں جن سے یہ بچے پل کر جب گھر بار والے ہونگے تو عزت سے زندگی بسر کریں گے اور عمر بھر اپنی ماؤں کو دعائیں دیں گے عصمت بتائیگا کہ انہیں گھر کس طرح کرنا ہے۔ روپیہ کس طرح صرف کرنا ہے۔ خاوند کے ساتھ کیونکر بسر کرنی ہے۔ غرض عصمت لڑکیوں کو سچ مچ کی بیگم بنائے گا۔

ٹائٹل پیج کی آب و تاب سنہری بیل درجہ اعلیٰ کا کاغذ۔ ہاف ٹون تصاویر تنہائی میں دل کا بہلانیوالا۔ فرصت میں کہانیاں سنانیوالا۔ مذہب کی وقعت بتانیوالا۔ عصمت سے بہتر ذریعہ اور کیا ہوگا۔ عصمت کا ایک ایک حرف گوہر آبدار ہے۔ ہر مہینہ میں (۶۴) صفحے کا رسالہ کوڑیوں کے مول ملتی ہیں سالانہ قیمت عہ

منیجر عصمت و تمدن

(دہلی)







رات اپنی منزل طے کر رہی ہے آسمان تاروں سے پٹا پڑا ہے اور وہ گھر جس میں ہر وقت شیر دہاڑ رہا تھا سنسان پڑا ہے ہوا کے ٹھنڈے جھونکے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کے نعرے لگا رہے ہیں اور راشد بدنصیب اس منہ کو تک رہا ہے جس سے پھول جھڑے اور اُن آنکھوں کو دیکھ رہا ہے جنکو ظالم موت ہمیشہ کو بند کر گئی۔

جسد خاکی سے رخصت ہونیوالی روح! اپنے ادنیٰ خادم کا آخری سلام قبول کر دیکھ کیسی کیسی مقدس روحیں تیرے استقبال کو آئی ہیں، محبت بھری نظروں سے میرے سلام کا جواب دے اور اصلی گھر سدھار جا،

آج نواب مرزا کا کوچہ فردوس بریں کا نمونہ ہے عالم ارواح کے وہ مکین جن کے نام صفحہ دنیا پر چمک رہی ہیں اس سنگین مکان میں جمع ہیں اور جھوم جھوم کر اس شعر کو ادا کر رہی ہیں جو آج سے تقریباً پندرہ برس پہلے مولانا مرحوم نے سرسید کی شان میں کہا تھا

اسے روئیگی سر پہ ہاتھ رکھ کر قوم بدقسمت   اور اسکو دیکھ لیگا جو کوئی جیتا رہا باقی

عالم خیال استاد مرحوم کے طفیل آج ان مقدس صورتوں کی زیارت کر رہا ہے جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی تھیں، اہل قلم کی یہ بزرگ جماعت مرحوم سرسید کی صدارت میں عالم ارواح سے چلکر اس پاک روح کے استقبال کو آئی ہے جس کی قومی خدمات کا ڈنکا آسمان تک بج رہا ہے بقاء دوام کے مہکتے ہوئے پھول ان کے مبارک ہاتھوں میں ہیں اور ملاء اعلیٰ کے بسنے والے بآواز بلند قومی موت کے نعرے لگا رہے ہیں۔

(۲)

موت یا فراق ابدی، امیر غریب، بڈھے جوان، ہندو مسلمان، ہر ایک کا قابل افسوس ہے، مگر شمس العلماء مولوی نذیر احمد کی موت، ہم سے ایک ایسی بزرگ کو جدا کر گئی جسکی نظیر آنیوالی دنیا اب مشکل سے پیدا کریگی۔ مولانا مرحوم کب پیدا ہوئے کہاں ہوئے کیا سیکھا کس سے سیکھا، یہ پھر بھی اس وقت تو رونا یہ ہے کہ عم بزرگوار کی موت کیا کر گئی

ابھی تو منہ سے یہ لفظ نکلنے کو جی نہیں چاہتا خدا نہ کرے کہ مقدس استاد کا سایہ سر سے اُٹھ جائے مگر کُلُّ نَفسٍ ذَائِقَۃُ المَوتِ۔ اشد اور اشد کیا تمدن و تمیم کے
جو آنکھیں مولانائے مرحوم کی تحریر کا لطف اٹھا چکی ہیں اور جو کان مولانائے مغفور کی تقریر کا مزا لوٹ چکے ہیں وہ شاہد ہیں اس امر کے کہ شمس العلما مولانا نذیر احمد کی نظیر کامل ایک صدی میں بھی زمانہ پیدا نہ کرسکا۔ زندہ ہیں وہ سماں دیکھنے والی آنکھیں کہ مولانائے مرحوم کی تقریر پر ہنس ہنس کے کبھی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور کبھی ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے۔
استاد مرحوم کا وطن گو ضلع بجنور تھا اور دلی میں جس وقت تشریف لائے تو پندرہ سولہ سال کے قریب تھا زبان کو جو کچھ ماں کی گود سے اپنا بنا لے چکی تھی مگر مولانائے مرحوم نے دلی کی زبان اس طرح حاصل کی کہ اُردوئے معلّٰی کا مزہ آگیا۔ سرزمین جہان آباد اس زبان پر مدۃ العمر ناز کرے گی جو مغفور کے ساتھ قبر میں دفن ہوگئی۔
ادب عربی مدتوں شمس العلما مولوی نذیر احمد پر حسرت کے آنسو بہائیگا اور قوم ہمیشہ مولانائے مرحوم کی بیش بہا خدمات کی ممنون رہے گی۔
پنجابی کٹرہ جو دلی نے ریلوے سٹیشن پر اس طرح قربان کیا کہ آج اُس کا نام و نشان تک نہیں۔ میرے آبا و اجداد کا مسکن تھا اور پنجابی کٹرہ کی وہ مسجد جس میں میرے جد امجد مولوی محمد عبدالخالق صاحب حدیث کا درس دیتے تھے طلبا کا دارالقیام تھی ۱۸۵۷؁ء یا اس کے لگ بھگ کا ذکر ہے کہ علامہ موصوف تحصیل علوم کی غرض سے اس مسجد میں داخل ہوئے گو اقبال کا ستارہ پیشانی پر چمک رہا تھا مگر افلاس کی مصیبت سر پر نوٹ رہی تھی تاہم شوق علم پائے ثبات اکھڑنے نہ دیتا تھا۔
ان ہی دنوں میں میری بڑی پھوپی کے عقد کی تجویز پیش ہوئی۔ اگلے

لوگونکی باتیں ان ہی لوگوں کو سزاوار نہیں۔ بڑی بڑی درخواستیں موجود تھیں
اور ارمان تھا کہ مولوی زادی کی پالکی دروازہ پر اتروالیں مولانائے مرحوم کی
طرف کیا عزیز و اقارب اور کیا دوست آشنا کسیکا وہم و گمان بھی نہ تھا اور ہو بھی
نہیں سکتا تھا۔ امیروں رئیسوں عالموں فاضلوں کے ہوتے ساتھی ایک پردیسی
طالب علم کو کون پوچھتا۔ مختصر یہ کہ مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم کے
سامنے سب نام پیش کیے گئے۔ اللہ غنی کس دل گردے کے لوگ اور کیسے
صابر و شاکر بندے تھے مولوی صاحب مرحوم کیا فرماتے ہیں جس شخص میں یہ
تین صفتیں ہوں۔ اس سے کرو نماز کا پابند معاملہ کا اچھا اور زبان کا سچا۔ امیدواروں میں
تو ایک ہی اس کسوٹی پر پورا نہ اترا تلاش کے دائرہ کو وسیع کیا تو نگاہ مولانائے
مغفور پر جا کر ٹھٹکی۔ آج مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم اور مولوی نذیر احمد صاحب
مغفور دونو اس دنیا میں نہیں ہیں مگر مولوی عبد الخالق صاحب مرحوم جیسے جید
عالم کی پوتی کا بیاہ دینا جس کے عقد کی شرطیں یہ کچھ کڑی ہوں استاد مرحوم ہی
کا کام تھا۔ خدا غریق رحمت کرے میری بڑی پھوپی کو اس شادی کا ذکر اس طرح فرماتی
تھیں کہ جب مسجد میں نکاح ہو چکا ہے تو دولہا کو ہم سب نے بھی دیکھا کرتہ پاجامہ سفید
تھا ٹوپی بھی معمولی تھی مگر جوتی کے تلے نکلے ہوئے تھے اماں نے ایک عورت کے ہاتھ
چپکے سے ایک روپیہ بھیجا کہ جوتی لے لو۔ تھوڑی دیر بعد وہی عورت پونے
چار آنے واپس لائی اور کہا سوا بارہ آنے کی جوتی آئی ہے۔

یہ تعلق مولانا سے مرحوم کے واسطے کوئی مایہ الامتیاز رشتہ نہ تھی مدرسہ میں سلوک
انسے وہی تھا جو ہمیشہ رہا اور جو سب طالب علموں سے تھا۔ شام ہوتے ہی تھوڑی
سی روٹی اور تیل سب کو مل گیا اپنے ہاتھ سے بتیاں بٹو اور جلاؤ جس کا تیل زیادہ
خرچ ہو وہی شاباش کا مستحق۔ ہے نے مسلمانوں کے گاڑھے پسینہ کی کمائی اور اگلے

زمانہ کے لوگ انتظام اتنا معقول کہ تیل کی ایک بوند بھی ضائع نہ ہو اور شوق ایسا بڑھا ہوا کہ چراغ ٹمٹما رہا ہے تیل نبٹ گیا رات کہیں کی کہیں پونچی مگر سبق یاد کیے بغیر سونے کو جی نہیں چاہتا مولانائے مرحوم اکثر فرماتے تھے مدرسہ میں سناٹا ہوتا تھا سب پڑے سوتے تھے اور میں چراغ کے آگے اپنا سبق یاد کرتا ہوتا تھا۔

یہ تھا وہ ذوق و شوق تعلیم و تربیت اور فیض صحبت جس نے مولانائے مرحوم کو انسانیت کے پورے جواہرات سے مزین کرنے کے بعد ان کا اسم گرامی آسمان ادب پر قمر چہاردہم کی طرح چمکا دیا۔

مجھے اسوقت استاد مرحوم کی قابلیت ملازمت احسانات خدمات کسی سے بحث نہیں البتہ کچھ کہنا ہے اس کتاب کے متعلق جو امہات الامہ کے نام سے مشہور ہوئی اور جس پر بحث کرتے ہوئے بارہ[۱] مئی کے روزانہ پیسہ اخبار میں مولوی سید احمد صاحب نے ان لوگوں کو جنھوں نے محض اغراض نفسانی کی وجہ سے اس کتاب کی مخالفت کی نہایت معقولیت سے جواب دیا ہے۔

مولانائے مرحوم قبر میں جا پہونچے اور مجھکو پوچھنا ہے مگر میں شاہد ہوں اس امر کا کہ گذشتہ دس سال میں مرحوم کی زبان سے کلام ربانی کی کبھی کوئی آیت اس طرح نہ نکلی کہ آنکھ سے آنسو نہ گر رہا ہو۔

ناظرین تمدن کو وہ مضمون یاد ہوگا جو مئی[۱] ۱۹۱۱ء کے پرچہ میں" انسان فرشتہ کی عینک سے" کے عنوان سے شائع ہوا یہ مضمون جب مولانائے مرحوم نے سنا چہرہ سرخ ہوگیا بدن کانپ رہا تھا۔ ناخوش ہوئے اور میرے سامنے ایک مختصر سا لکچر شروع کیا وہ وقت میری آنکھ کے سامنے ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام آتے ہی ان کی حالت بگڑ گئی زار قطار رونے لگے اور مجھ سے فرمایا اگر اجرا تمدن کا مقصد اسلام کی تضحیک ہے تو آئندہ مجھ کو

[۱] یا قریب قریب [۱] مئی یا جون

صورت نہ دکھانا +

وہ شخص جو اسلام اور بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایسا شیدا تھا کیا اس صلہ کا مستحق تھا کہ علماء اسلام یہ فتوے دیں کہ اس کے جنازے کی نماز درست نہیں +

حق الامر یہ ہے کہ اُمہات الامہ وہ کتاب تھی کہ نہ آج مسلمانوں میں کوئی ایسا نظر آتا ہے نہ آیندہ برسوں نظر آنے کی امید ہے کہ غیر مسلموں کے سامنے اس قابلیت سے پیغمبر اسلام صلعم کی رسالت کو ثابت کر جائے۔ اور مسلمانوں کے واسطے اتنا لٹریچر مہیا کرے جو اُمہات الامہ میں ہے۔

قوم کی بدقسمتی ہے کہ علامہ بلگرامی نے امہات الامہ کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کی خواہش ظاہر کی اور یقیناً دیر یا سویر میں اجازت حاصل کر لیتا مگر علامہ موصوف کی موت نے تکمیل نہ ہونے دی۔

بعض اخباروں کی رائے کہ مولانا مرحوم کو جب یہ معلوم ہوا کہ علماً اسلام اس پر معترض ہیں تو کتاب ان کے حوالہ کر دی قطعی غلط ہے۔ جس طرح یہ کتاب حاصل کی گئی اور جو اس کا حشر ہوا اس کا خیال تکلیف دہ ہے۔ انتقال سے چند روز پہلے جب میں نے امہات الامہ کی اشاعت کے واسطے عرض کیا تو خاموش ہو گئے مگر میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ صورت چند روز کی مہمان ہے اصرار کیا مجبور کیا ضد کی بگڑا منت کی خوشامد کی آخر مولوی رحیم بخش کو بلا کر کہا کہ کوئی جلد مل سکتی ہے انہوں نے جواب دے دیا تو فرمانے لگے کہ بیٹا جانے دو ویسے ناز بردار بزرگ ایسے شفیق استاد اب کہاں میری التجا حد سے بڑھ گئی تو چاروں طرف کتاب تلاش کی آخر ایک جگہ سے بمشکل تمام دس روز کے واسطے ایک خاص شرط پر ملی ہمیں رات کا دن تھا

کہ مجھکو طلب فرمایا کتاب دی اور حکم دیا کہ اپنے ہاتھ سے اسکی نقل کرلو اور تکمیل کے بعد مجھکو سنا دو۔ ڈھائی ڈھائی سو روپیہ تک کے خریدار ایک ایک جلد کے موجود ہیں ایسا نہ ہو کہ کتاب تلف ہو جاسے۔ میں نے دارا دار کتاب نقل کی لکھکر حاضر ہوا۔ مناسب ترمیم اور تمیز و تبدل کے بعد وہ بیش بہا اوراق اب میرے پاس ہیں۔ لیکن مجھہ جیسا گوشہ نشین جو داخل شدہ ضمانت ہی کے واسطے بیونک بیونک کر قدم رکہہ رہا ہے۔ مخالفین کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے البتہ کتاب میرے کلیجے سے لگی ہوئی ہے اور اگر اس کی اشاعت میرے ہاتھوں ہوگئی تو یہ کہونگا۔

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

استاد مرحوم کے مفصّل حالات جو کچھ لکھہ سکتا ہوں آیندہ پرچوں میں لکھوں گا۔ سردست وہ چند الفاظ امہات الامہ کے دیباچہ سے نقل کرتا ہوں جو بتائیں گے کہ شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب نے یہ کتاب کیوں لکھی۔ باقی آیندہ راشد الخیری۔

"کئی برس ہوئے گوڑگانوے کے ایک پادری صاحب مذہبی" "مناظرے کے پیرایے میں حد اعتدال سے بڑھی ہوئی آزادی عمل" "میں لائے کہ اپنے ایک رسالے میں پیغمبر آخر الزماں صلعم کی نسبت" "انکی بیبیوں کے بارے میں بڑی زبان درازی کی جس سے جمہور" "مسلمین کی دل آزاری ہوئی۔ مسلمان جگہ جگہ استغاثہ فوجداری" "کی تیاریاں کرنے لگے اور جگہوں کا حال تو معلوم نہیں دلی سے" "کچھ لوگ فریادیکر شملے گئے بارے پادری صاحب کی کتاب کی" "اشاعت حکماً بند کر دی گئی۔ اسی اثنا میں سر سید احمد خاں"

"مرحوم مغفور بھی پادری صاحب کی کتاب کا جواب لکھ رہے تھے"
"وہ پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ سید صاحب انتقال فرما گئے"
"ہم نے نہ تو پادری صاحب کی کتاب دیکھی نہ سید صاحب کا"
"ادھورا جواب مگر اتنی بات پہلے سے معلوم ہے کہ پادری"
"صاحب نے سخت زبانی کے سوائے اعتراض میں کوئی نئی بات"
"اپنی طبیعت سے تو ایجاد کی نہ ہوگی۔ اعتراض تو نہیں مگر جواب"
"خود قرآن میں موجود ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ"
"وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ جواب کا ہونا دلالت کرتا ہے"
"کہ نزول قرآن کے وقت بھی پیغمبر صاحب کی زندگی میں بعض لوگ"
"زن و فرزند کے تعلقات کو خلاف شان پیغمبر سمجھتے اور ان ہی"
"تعلقات کی وجہ سے جناب رسالت مآب کی رسالت کے منکر تھے"
"غرض پرانا اعتراض ہے اور علماء اسلام نے اس کے"
"دندان شکن جواب بھی دیے ہیں مگر مسلمان ہو کر اپنے پیغمبر"
"کے تقدس کی اپنے مقدور بھر اور اپنے طور پر واجبی حمایت"
"کیے بدون ہم سے نہیں رہا جاتا اور یہ بات بھی ہے کہ اعتراض"
"کسی مسلمان کے کان میں پڑے اور اس کو جواب نہ آتا"
"ہو اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کی نسبت"
"خیال فاسد موہم ہو اور دل میں بیٹھ جائے تو ایمان کے"
"جاتے رہنے کا خوف ہے۔" نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

(ماخوذ از امہات الامہ)

اپنا ترانہ

مٹے گا کا[illegible] صفحۂ ہستی سے کب اپنا — [illegible]گا لوح [illegible] سے نام [illegible] اپنا

زباں کھلتی نہیں لیکن یہ حسرت ہی رہی اکثر — سناتے ہیں کبھی ہم قصۂ جاہ و حشم اپنا

یہ عالم تھا ہمارا اک دنیا کانپ جاتی تھی — جہاں ہم کھینچ لیتے تھے ہلال [illegible] اپنا

کبھی مشکل سے بھی مشکل ہو ہم [illegible] مشکل — نکل جاتا تھا [illegible] اپنا

سمجھتے تھے ہمیشہ قدر اپنے وقت و فرصت کی — ہر اک ساعت تھی [illegible] ہر اک پل مغتنم اپنا

[illegible] — [illegible]

دل اہل دول پر تھا ہمارے نام کا سکہ — ہمیں [illegible] علم اپنا

ہوا جو سرکشی پر مستعد سر کر دیا اس کو — [illegible] کسی طرح سیکھا نہ تھا [illegible] اپنا

ہوئے جسوقت آمادہ جہادی [illegible] عالم میں — [illegible] جہاں پہونچا قدم اپنا

مٹے یا بجھے اس طرح ہم سے اپنے بیگانے — کشادہ ہر [illegible] میں رہا خوانِ کرم اپنا

قطعہ

بھلا کیوں ہم نے تکیہ غیر کی ابلہ فریبی پر — کیا ہی لیے ہاتھوں کا جو [illegible] ہم اپنا

یہ واجب تھا کہ آپ اپنی مکافاتِ عمل بھگتیں — یہ لازم تھا کہ دیکھیں آپ اپنے پر ستم اپنا

تقاضا اب حیا کا ہے یہ [illegible] ہم پر — سنائیں کیوں کسی کے آگے دکھڑا [illegible] اپنا

ہمارے درد کو کیا غیر سمجھینگے، ذرا سوچیں — کسی کے قلب میں ہم ڈال [illegible] اپنا

بہت کچھ کھو چکے ہیں ہو گئے ہیں اب [illegible] میں — سمجھ لے گا [illegible] غیر [illegible] اپنا

پچھوڑینگے کبھی اسلام کو غیر [illegible] — [illegible] اپنا

کسی کے سامنے جھکنا تو سیکھا ہی نہیں ہم نے — فقط اللہ کے آگے ہی سر رہتا ہے خم اپنا

بگڑنے پر بھی ہے ہم میں ابھی پہلا اثر باقی — طبیعت بجھ گئی ہے لیکن نہیں ہے جوش کم اپنا

ابھی تک ہم میں کچھ اسلام کی پاکیزہ خصلت ہے — ابھی تک خوئے پیشینیاں سے ملتا ہے شیم[1] اپنا

نہیں محسن کش ہیں، نہ حق ناشناسی اپنا شیوہ ہے — وفا کیشی ہی دستور العمل رکھتے ہیں ہم اپنا

دغا و کینہ و بغض و حسد عادت نہیں اپنی — دماغ اپنا وہی ہے، گو نہیں عیش و نعم[2] اپنا

ہیں اب محکوم، حاکم سے وفادارانہ ملتے ہیں — تھے جب حاکم، رہا محکوم پر دستِ کرم اپنا

ہمارا پوچھنا کیا، یاں تو دونوں ہاتھ لڈو ہے — یہاں سارا جہاں اپنا، وہاں باغِ ارم اپنا

یہ ہوسکتا ہے اب بھی، پھر ہمیں اقبال و دولت ہو — یہ ممکن ہے، کہ وہ آئیں پلٹ کر پھر جاہ و حشم اپنا

اگر اللہ نے چاہا تو کل افرادِ عالم کو — دکھا دیگی اثر پھر سطوتِ خیر الامم اپنا۔

جہاں اڑ جائینگے، اڑ جائینگے ہم پھر نہ کھسکینگے — جہاں جم جائیگا، جم کر نہ اٹھیگا قدم اپنا

جہاں جا ہیں گے جھنڈا گاڑ دینگی اپنی سطوت کا — کوئی کیوں ہم کو روکیگا، عرب اپنا عجم اپنا

فلک تک گونج اٹھیگا نعرہ اللہ اکبر سے
تمنا جوش میں جس دن اٹھا لیں گے علم اپنا

انشاء اللہ المستعان

تمنا عمادی پھلواری عظیم آبادی

---

[1][2] شِیَم اور نِعَم صیغۂ جمع ہے۔ مگر بطور واحد استعمال کیا گیا۔ کیونکہ اہلِ اردو فارسی کے متتبع۔ اور اہلِ فرس کا یہ دستور رہا ہے کہ عربی کے صیغہائے جمع کو واحد قرار دیکر اوسے واحد کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ اور بوقت ضرورت پھر اوسکی جمع بناتے ہیں جسکو عوام جمع الجمع سمجھتے ہیں حالانکہ وہ جمع واحد قرار پاکر پھر جمع بنی ہے اسکی مثال اساتذہ کے کلام میں بہت ملتی ہے۔ وُجُوہ، حُور، غِلمان، اُمَرا، اَحوال، صِفات وغیرہا کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے کما لا یخفٰی علی المَہَرۃ ۱۲ تمنا عمادی عفی عنہ

حرارت

(سلسلہ کے لیے مارچ کا تمدن ملاحظہ ہو)

(۲)

ساقی بیار بادہ کہ آمد زمان گل
تا بشکنیم توبہ دگر درمیان گل

اب میرا انتشار دور ہو چکا تھا، میری پریشانی جا چکی تھی، اور میں مطمئن تھا کم از کم اس قدر مطمئن تو ضرور تھا کہ مکان دار کا کرایہ کل ہی ادا کر دوں گا، اور ابھی کسی عمدہ ریسٹوران میں جا کر کھانا کھاؤں گا۔ کچھ بھی ہو، ایک آدہ مہینہ کے لیے معین کی نہیں، نہیں، بفیلو کی بھیجی ہوئی رقم کافی تھی، گویا ایک مہینہ تک نان نفقہ کی فکر سے چھوٹ کر ترقی کے لیے ایک مرتبہ اور جدّوجہد کرنے کی مہلت مل گئی تھی! اب میں پھر بے خوف تھا، بے پروا تھا، مستقل مزاج تھا؛ کوئی وجہ نہ تھی کہ اب میں بقیہ دونوں خطوط جو میز پر میرے سامنے رکھے تھے اطمینان کے ساتھ نہ پڑھوں! میں اب ہر قسم کی خبر۔ بُری سے بُری۔ پڑھنے کے لیے تیار تھا، مجھے یقین تھا کہ دلخراش سے دلخراش واقعہ کی اطلاع بھی اب مجھے بدحواس نہیں کر سکتی! نہایت بے پروائی کے ساتھ پہلے میں نے وہ خط اُٹھایا جس کا لفافہ کسی قدر لمبا تھا اور جس کو میں قطعی نہیں سمجھا تھا کہ کہاں سے آیا ہے؟ میں نے اسکو کھولا اور پڑھنا شروع کیا: اُس کا نیلا لفافہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر میز پر گرا، میرے تمام جسم میں ایک غیر معمولی گرمی محسوس ہوئی، اور میرا سانس نہایت سرعت کے ساتھ آنے لگا! میں نے

اوّل سے آخر تک اس ناقابل یقین خبر دینے والے خط کو پڑھا کئی مرتبہ بغیر اصلی
مطلب سمجھے پڑھا! یکایک میں اس کا مفہوم سمجھا۔ نہیں نہیں، بلکہ یکایک
ایک شعلہ جوالہ کیطرح اس کا مفہوم میرے ذہن میں آگیا، میرے دل میں
گھر کر گیا، میرے دماغ پر چھا گیا! کیا جو کچھ میں نے پڑھا صحیح تھا؟ ناممکن، قطعی
ناممکن! کیا ایسا ہونا سچ ہے؟ .... لغو، محض لغو! غالباً کسی نے میرے
ساتھ مذاق کیا۔ مگر مذاق کے ساتھ تحریر کا اصلی معلوم ہونا حد سے زیادہ
حیرت انگیز تھا! کیا دولت اس قدر اندھی ہے؟ ... کسقدر اندھی تو ضرور
ہے ورنہ تمہارے جیسے اپاہج کے پاس کبھی ہرگز نہ آتی: تاہم بالکل اندھی نہیں ہے۔
ہاں، یہ پاگل نہیں ہے: غلط بالکل غلط! مگر ... مگر خط بھی جعلی نہیں سمجھا جا سکتا
اس کا کاغذ اسی خاص قسم اور انداز کا چھپا ہوا تھا! اس کی سفید مہر وہی ابھرے
ہوئے طریقے کی تھی! ..... وہ سچا معلوم ہوتا تھا! قسم ہے ان تمام فرضی
اور خیالی تقدیروں کی جو انسان پر حکمرانی کرتی ہیں، وہ اصلی تھا!!

اپنے پریشان خیالات کو نہایت کوشش کے ساتھ جمع کرنے میں نے
ایک دفعہ اور اوّل سے آخر تک پڑھا! عبارت صاف تھی، الفاظ خود بول رہے
تھے، مطلب مجسم متحرک تھا، میرے دماغ میں غیر معمولی بوجھ ہوگیا تھا، میں غالباً
پاگل ہوتا جاتا تھا! "اگر یہ خبر سچی ہے" ...... اور وہ ہر طرح سچی معلوم ہوتی تھی
اُف! مجھے بخار سا چڑھتا آتا تھا، میرے سر میں ایک شعلہ سا روشن ہوگیا تھا،
میں زبردستی اپنی پوری کوشش کے ساتھ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا
ہاں .... "اگر یہ خبر سچی ہے"، تو؟ تو میں دنیا کا مالک ہوں، تمام عیش و عشرت
کا حاکم ہوں، جو کچھ میرا جی چاہے، وہ ہوں!، خط کے کاغذ پر رجسٹر نمبر وغیرہ
ہونے کے علاوہ جالندھر کی مہر تھی اور بالکل صاف صاف انگریزی میں

لکھا ہوا تھا:-

"مسٹر راہ آپکے متوفی چچا مسٹر دار اشکوہ کا پچاس لاکھ روپیہ ہمارے بنیک میں جمع ہے! جن کا انتقال غالباً آپ کو معلوم ہوگا ایک مہینہ ہوا کہ بعارضہ دق ہوگیا! چونکہ اس وقت تک ان کا کوئی وارث سوائے آپکے معلوم نہیں ہوا، اس لیئے یہہ روپیہ بذریعہ ورثہ آپکا ہے! امید ہے کہ آپ اس کو اپنے نام بافائدہ منتقل کرلیں گے، یا جو کچھ پسند فرمائیں اس سے مطلع فرمائیں گے بہتر ہوگا کہ آپ بجائے تکلیف راہ راست لکھنے کے ہمارے بنیک کے ہیڈ آفس واقع بمبئی سے خود تشریف لیجاکر ہر ایک معاملہ طے کرلیں! ہم نے آپ کا حساب کتاب اور کل روپیہ بمبئی ہیڈ آفس میں منتقل کر دیا ہے! اطلاع میں تاخیر محض آپ کا صحیح پتہ دریافت کرنے کی وجہہ سے ہوئی!"

آپکا صادق۔..... نیجر برانچ جالندھر

بنیک آف..... بمبئی"

پچاس لاکھ! پچاس لاکھ نقد! اور میں! میں -ایک بیکس، مفلس، فاقہ مست، ذلیل اخباروں پر پیٹ پالنے والا۔ میں! اور چشم زدن میں پچاس لاکھ کا مالک! جلدی جلدی آنیوالے لمبے سانسوں کے ساتھ میں کوشش کررہا تھا کہ اس واقعہ کو سچے واقعہ کو- اپنے دل نشین کردوں، مگر اب تک نا کامیاب تھا! یہہ خوشخبری- دل و دماغ میں چکا چوند پیدا کردینے والی سچی خبر- میری آنکھوں میں خواب خرگوش نظر آتی تھی! یہہ اچانک موت-. مجھے آسمان عروج تک پہونچا دینے والی مبارک موت- ہر طرح میرے بھوک کے غلبہ سے

بگڑ جانے والے دماغ کا پریشان خیال معلوم ہوتی تھی جو شیخ چلی کے پلاؤ کی طرح خود بخود ذہن میں آگئی ہوا میں نے کسی قدر اطمینان حاصل کرنے کے لیے چاروں طرف نظر ڈالی۔ ذلیل اور کم حیثیت اسباب! ٹوٹی پھوٹی انگیٹھی! میلا کچیلا لیمپ! نیچی اور جھلنگا چارپائی! ایک ایک چیز مفلسی اور ناداری کی زندہ تصویر! اور پھر پچاس لاکھ کی مبہوت بنا دینے والی خبر! ناداری اور تموّل، احتیاج اور استغنا! ناقابل تشبیہ اجتماع الضدین! میں سب آپے تہا! میں ہکّا بکّا تھا، اور میں بغیر سوچے سمجھے آپ ہی آپ پوری آواز کے ساتھ قہقہے لگا رہا تھا!

اندھی دولت! اندھی دولت اور اُسکا اندھا نزول! میں - تمام دنیا کو چھوڑ کر صرف میں - اس نعمت غیر مترقبہ کے لیے اوّل درجہ کی ناموزونیت کیساتھ منتخب کیا گیا! بس تو اب؟ . . . . . اب میری باری ہے! قسم ہے تمام مذاہب کے نت نئے معبودوں کی اس سوسائٹی کو - اس مغرور، اس اکھڑ، اس ناقدر شناس سوسائٹی کو - تھوڑے ہی عرصہ میں ناک چنے نہ چبوا دوں تو سہی! قاہ، قاہ، قاہ، ! پہلے کی طرح بغیر سوچے سمجھے محض اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے میں نے پھر قہقہہ لگایا! مگر فوراً کسی اور نے بھی میرے جواب میں آواز کے ساتھ قہقہہ مارا! میں نے اپنے خیالات کو روک کرنے کی کوشش کی! ہوا کے جھکڑ کی پریشان کرنے والی سنسناہٹ برابر آرہی تھی! باہر کے برآمدے پر مینہ کی بوندیاں ٹپ ٹپ پڑ رہی تھیں، اور سڑک کے دوسری طرف والے مکان میں کوئی شخص نہایت سُریلی آواز میں گا رہا تھا کہ

"ساقی بنور بادہ بر افروز جام ما"
"مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما"

خود غرضی سے لیکر کارہا تھا۔ بس، اور کوئی آواز نہ تھی۔ اگر اب بھی میں سخت سے سخت قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے کبھی کے پردے [illegible] کی آواز اپنے دریچے سے ہی سُنی تھی۔ خیر میں اس وقت بہ حواس تھا۔ یہ سب کچھ قوت متخیلہ کی کارگزاری تھی۔ اگر۔ گرمعین، پیارے بفیلو! میں اس عنایت بھری امداد کا بیحد ممنون ہوں۔ بہت جلد تمہارے ڈھائی سو روپے مع اور ڈھائی سو کے یعنے المضاعف، جسکو تم سود سمجھو یا احسانمندی کا اعتراف۔ بذریعہ منی آرڈر تمہارے پاس پہنچتے ہیں۔ اور ؟ او تمہارا وہ میسیناس علم اور تمول کی لوٹ جس کو تم از حد ہمدردی کے ساتھ میری امداد کے لیے بھیج رہے ہو۔ اب محض بیکار میرے غمخوار بفیلو اب مجھے کسی مددگار کی کسی غمگسار کی یا کسی سرپرست کی ضرورت نہیں۔ میں یہ سب آسانی کے ساتھ مول لے سکتا ہوں۔ عزت، خطابات، پوزیشن، سب بازار میں فروخت ہوتے ہیں۔ محبت، دوستی، عشق، ہر ایک چیز سب سے بڑی بولی پر ہر کس و ناکس کے نام چھوٹ سکتی ہے۔ میں سب کچھ حاصل کر سکتا ہوں، نہایت آسانی کے ساتھ خرید سکتا ہوں۔ بس۔ اب کوئی وجہ

لہ میسیناس C. Cilnius Maecenas آگسٹس (رومن شہنشاہ) کے زمانہ میں اس کے دربار کا ایک معزز مدبر تھا اس کا دروازہ ہر علمی قابلیت اور دماغی لیاقت والے کے لیے رات دن کھلا رہتا تھا۔ ہوریس Horace اور ورجل Virgil کا خصوصیت کے ساتھ دوست اور مربی تھا۔ وہ ہر لائق اور طباع شخص کی پوری امداد اور سرپرستی کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا۔ اپنے اسی وصف کے لیے وہ زبان زد خلائق ہو گیا۔ مرنے کے بعد اس نے اپنا نام زندہ چھوڑا۔ اب میسیناس ہر ایسے شخص کو کہتے ہیں جو بالفاظ دیگر علم دوست حاتم وقت ہو۔ (جوش)

نہیں کہ میں اس ذلیل ناپاک گوشۂ تنہائی میں مقید رہوں! سب سے پیشتر مجھے
کسی اعلیٰ سے اعلیٰ ہوٹل میں کھانا کھانا چاہیئے!

جوشِ مسرت و نشۂ دولت، بھوک کا غلبہ اور پچاس لاکھ کی ملکیت کا احساس!
میں فوراً کمرے کے باہر قدم رکھنے کو تھا کہ ہوا کا ایک تیز و تند جھونکا مینہ کی بوچھاڑ
لیے ہوئے نہایت زور شور کے ساتھ اندر گھس آیا اور میرے مٹتے مٹتے -
کسقدر میرے ہاتھوں کو، اور سب سے زیادہ میرے ناول کو! جو اسی جگہ پڑا تھا جہاں
تھوڑے عرصہ پیشتر ہجوم یاس و ناامیدی میں پھینک دیا تھا) بھگو گیا! میں نے
فوراً اس کو اٹھا لیا، جھاڑا، اور دیکھنے لگا! اب اسکی کیا قسمت ہوئی؟ اب
جبکہ میں اسکو خود چھپوا سکتا ہوں، چھپوا ہی نہیں سکتا، نہایت بڑے پیمانہ پر
مشتہر کرا سکتا ہوں، اور مشتہر ہی نہیں کرا سکتا، بلکہ اعلیٰ سے اعلیٰ سائنٹسٹوں تک
زبردستی پہنچا سکتا ہوں! میں غور کرتا تھا اور ان تمام ناقدرشناس نام کے
بندوں سے اچھی طرح بدلہ لینے کا خیال خود بخود آجاتا تھا جنہوں نے میری
میری دماغی محنت کی ناقدری کی تھی، توہین کی تھی، مضحکہ اڑایا تھا! میں
سوچتا تھا اور مسکراتا تھا، مسکراتا تھا اور ہنستا تھا، ہنستا تھا اور خوشی سے
سینے تپے ہو جاتا تھا!

مینہ برابر برس رہا تھا، ہوا کا سناٹا برابر موجود تھا، آمد و رفت میں کمی
ہوجانیکی وجہ سے سڑک سنسان ہوگئی تھی، اور سامنے والے مکان میں سے
ہارمونیم پر گانیوالے کی آواز صاف آرہی تھی:-

"ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم"
"اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما"

خلافِ توقع بارش نے مجھے پھر روک لیا۔ اور سچ یہ ہے کہ میری بھوک کی بھی

اب عجیب کیفیت تھی کبھی تو شعلہ جوع یکایک بھڑک اوٹھتا تھا، اور کبھی میں نہیں جانتا کیوں۔ خود بخود غائب ہو جاتا تھا اس مرتبہ واپس آتے ہوئے میری نظر اس تیسرے خوشنما خط پر پڑی جواب تک میری یاد سے اتر کر میز پر رکھا ہوا تھا میں نے آگے اٹھا لیا۔ لفافہ نہایت نفیس اور اعلیٰ درجہ کا تھا مونوگرام اور تاج نہایت خوبصورت اور عمدہ تھا، اور ہر طرح یہ ثابت ہوتا تھا کہ خط کا بھیجنے والا کوئی متمول اور فضول خرچ ہے۔ میں نے کھولا اور پڑھا؛ انگریزی میں لکھا تھا؛

"ڈیر سر! میں ایک حقیر تعارف آپکے پُرانے کالج فیلو مسٹر معین الدین ساکن حال بیروت سے آپکے نام لایا ہوں! انہوں نے عین عبارت کے ساتھ ایک ایسے شخص سے میری ملاقات کرانے کے ذرائع بہم کر دیئے ہیں جو میرے خیال میں دولت علم و فضل سے غیر معمولی طور پر مالا مال ہے! میں آج شام کو آٹھ اور نو بجے کے درمیان در دولت پر حاضر ہونگا: امید ہے کہ آپ اس وقت در دولت پر ہی ملیں اور نیز فرصت میں ہوں! میں اپنا کارڈ اور موجودہ پتہ ملفوف کرتا ہوں! .... میں ہوں آپکا صادق۔ "حارث"

کارڈ خط میں سے نکلکر میز پر گرا۔ ہاتھی دانت کی وضع کے نہایت عمدہ چلائے گئے موٹے کاغذ کا تھا، ایک چھوٹا سا تاج بھی اسپر بنا تھا، "پرنس حارث کنی - نہب جنگ" نہایت خوبصورت چھپا ہوا تھا جس کے نیچے موجودہ پتہ - تاج محل ہوٹل پنسل سے لکھا ہوا تھا!

مضمون مختصر اور سادہ، عبارت مہذب اور صاف: خط پاکیزہ اور پختہ؛ خواہ مخواہ میں نے اُسے دوسری مرتبہ پڑھا، پڑھا اور غور کیا، غور کیا اور خود بخود اس خط کا اثر مجھپر پڑنے لگا، کوئی غیر محسوس چیز مجھے اپنی طرف کھینچنے لگی، اور میں بلا وجہ

آپ ہی آپ سمجھنے لگا کہ میں اس کے لکھنے والے سے مل کر ضرور خوش ہونگا!
ہوا اب پہلے سے زیادہ تیز ہوگئی تھی، مینہ بھی موسلا دھار پڑ رہا تھا، گرج اور
چمک بھی ٹھہر ٹھہر کر ہو جاتی تھی، اور نظر نہ آنیوالا ہارمونیم نواز رات کے سناٹے اور
بارش کے غل میں اپنی پوری آواز کے ساتھ ایک نئی غزل "
دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما چیست یاران طریقت بعد ازان تدبیر ما
گا رہا تھا! اب پھر مجھے وحشت ہوئی، پھر اس کمرے سے۔ تنگ و تاریک کنج تنہائی
سے میرا دل گھبرایا، اور پھر میں بے چینی کے ساتھ مینہ کے ٹھہرنیکا انتظار
کرنے لگا! فوراً ایک نیا خیال۔ مجھے شرمندہ کرنے والا خیال۔ میرے دماغ
میں چکر لگانے لگا! اگر واقعی وہ حارث شہاب۔ ایسا ہی امارت و ثروت و دولت
والا ہے جیسا کہ میں نے لکھا ہے، اور اپنی تحریر کے موافق آج بلکہ ابھی
مجھ سے۔ پچاس لاکھ کی حیثیت کے شخص سے۔ اس ذلیل ناپاک کمرے میں ملنے
آئے؟..... اور وہ ضرور آتا ہوگا، تو اب؟..... میرے پاس۔ مجھ
لکھ پتی کے پاس۔ اس وقت اتنے پیسے نہ تھے کہ اس کو تار دیکر آنے سے
روک دیتا! حماقتوں کی اس عجیب وغریب بیکسی کے نشان پر مجھے پھر ہنسی آئی
مگر حارث کے آجانیکا کھٹکا لگا ہوا تھا، اور میں برابر سوچ رہا تھا اس، بس
بالکل ٹھیک ہے مجھے اسیوقت یہاں سے چل دینا چاہیئے، وہ آئے گا اور
مجھے نہ پائیگا، دو تین روز کے بعد اپنی حالت درست کرکے کسی اچھی جگہہ
میں اس سے ملنے کے لیے وقت معین کرا لوں گا! لہذا سب سے پہلا کام
یہی ہے کہ میں یہاں سے فوراً غائب ہو جاؤں! یکایک ہوا کے تیز جھونکے
کے ساتھ لیمپ بھڑکا، لو چمنی سے باہر نکل گئی، اور روشنی ہمیشہ سے
نذار داہیں اندھیرے میں گھر گیا۔ اور دیا سلائی کا بکس۔ یاد وہ نہ ملے تو

اسی حالت میں چلے جانے کے لیے اپنا کوٹ، ڈھونڈھنے لگا کڑکڑ کر رر ابجلی نہایت زور کے ساتھ چمکی اور بعید خوفناک آواز کے ساتھ کڑک ہوئی! میں اپنی ظلمت پیمائی سے۔ اندھیرے میں ٹٹولنے سے۔ خود بخود کڑک کی آواز کے ساتھ مڑ گیا! ہوا کا جھکڑ اور زیادہ شدت کیساتھ چلنے لگا، بارش موسلادھار اور زور شور کے ساتھ ہونے لگی، اور میری قوت سامعہ نہایت سرگرمی کے ساتھ اپنا فرض انجام دینے لگی! گھوڑوں کے سرپٹ دوڑنے کی آواز اور گاڑی کی گھڑگھڑاہٹ دور سے آتی ہوئی معلوم ہوئی، اور ہمارے مکان کے قریب آتے ہی فوراً ٹھہر گئی! اب میں ذرا چونکا، میرے کان کھڑے ہونے، اور میں اندھیرے میں لپٹا لپٹایا کونے میں کھڑا سننے لگا! گاڑی کے دروازہ کھلنے کا دھڑاکا ہوا، کسی کے زینہ پر چڑھنے کی کھٹ پٹ، پھر کارخانہ دار سے باتیں کرنے کی مردانی آواز، اور ؟ اور پھر خاص میرے کمرے کیطرف بڑھنے کی پانوں کی آہٹ!

"کوئی شیطان ہے! ضرور کوئی شیطان ہے!" سخت حیرت کے ساتھ میاں نحتسر میری زبان سے نکلا۔ بالکل میری خلاف امید خود بخود آ جانیوالی دولت کی طرح وہی شخص موجود ہے جس سے میں اس وقت بچنا چاہتا تھا!"

دروازہ کھلا، اور ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھنے والے اندھیرے میں سے ایک دراز قد، سیاہ ہئیات انسانی، مجھے دروازہ کے سامنے کھڑی نظر آئی! مجھے یاد ہی اور اچھی طرح یاد ہے کہ اس دھندلی نظر آنے والی ہئیات انسانی کو محض اندھیرے میں دیکھنے سے ہی ایک عجیب ناقابل بیان اثر مجھپر پڑا! پہلی ہی نظر میں اس کی شاندار طویل قامت اور اس کے دلکش انداز نے میری توجہ بالکل اپنی طرف کھینچ لی، اس قدر کھینچ لی کہ میں نے کارخانہ دار کے الفاظ بھی اچھی طرح نہیں سنے: "جوان بخت صاحب شاید کہیں چلے گئے" اس نے طویل قامت شخص کیطرف

مخاطب ہو کر کہا "جناب! ابھی آدھ گھنٹہ ہوا ہوگا کہ میں نے جوان بخت کو یہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تھا! آپ ایک دو منٹ کی تکلیف گوارا فرمائیں تو میں لیمپ لاتا ہوں! اگر وہ آپ کے لیے کچھ لکھ کر چھوڑ گئے ہوں گے تو ضرور میز پر ہی ہوگا" کارخانہ دار لیمپ لینے گیا اور پھر چار طرف سکوت اور اندھیرا تھا! میں جانتا تھا کہ اب مجھے روشنی آنے سے پہلے خود ہی بول اٹھنا چاہیے! لیکن انتشار طبع نے، خیالات کی کشمکش نے، غالباً وجود و حقیر حالت کے احساس نے، مجھے ایک حرف بھی زبان سے نہ نکالنے دیا! میں اب بھی یہ چاہتا تھا کہ اس عجیب ہستی سے فی الحال کسی طرح چھپا رہوں! وہ دراز قامت شکل انسانی اندھیرے میں دو تین قدم آگے بڑھی اور نہایت دلکش آواز میں اس نے پکارا "مسٹر جوان بخت! کیا آپ یہاں ہیں؟"

میں قطعی نہیں سمجھ سکتا کہ میں اب بھی کیوں نہیں بولا! ایک ناقابل بیان انتشار نے - بلکہ بدتہذیبی نے - اب بھی مجھے زبان نہ ہلانے دی اور میں اندھیرے میں چھپا ہوا خاموش اسی کونے میں کھڑا رہا! نہایت استقلال کے ساتھ قدم رکھتا ہوا وہ اور آگے بڑھا - اس قدر ٹھیک میری سیدھ میں آگے بڑھا کہ اس کا اونچا اور شاندار قد بالکل میرے سامنے آکر اندھیرے میں مجھ پر چھا گیا! اب پھر اس نے اپنی موثر آواز کے ساتھ کسی قدر طعن آمیز لہجے میں پکارا "جوان بخت صاحب! کیا آپ یہاں ہیں؟"

شرم! شرم! شرم!!! اب میں خجالت میں ڈوب گیا، اور زیادہ صبر نہ کر سکا! پوری کوشش کے ساتھ میں نے اس بیہودہ کیفیت کو - اس زبان بند رکھنے والے جادو کو جس نے اب تک مجھے بزدلوں کی طرح چھپے رہنے پر آمادہ رکھا تھا، جوں توں کر کے دور کیا اور جرأت کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا "جی ہاں! میں یہاں ہوں!" محض سلسلۂ گفتگو جاری رکھنے کے لیے

بغیر سوچے سمجھے میں کہہ گیا: "غالباً آپ ہی پرنس حارث شہاب جنگ ہیں! میں نے آپکا خط ابھی پڑھا ہے! مگر۔ مگر۔ اس وقت میں صرف اس وجہ سے خاموش رہا کہ اندھیرا دیکھ کر آپ شاید واپس تشریف لیجائیں، اور یہ سمجھیں کہ میں یہاں نہیں ہوں! آپ خود دیکھتے ہیں کہ میں کس قدر سچا اور صاف گو ہوں"

"بے حد صاف گو" اُس نے جواب دیا "اس قدر صاف گو کہ مجھے آپکا مطلب سمجھنے میں بالکل دقت نہیں ہوئی! غالباً آپ مجھ سے ملنا نہیں چاہتے تھے" "نہیں۔ نہیں!" میں نے لاجواب ہو کر گھبراتے ہوئے کہا "برائے مہربانی مجھے اس قدر بد تہذیب و کم ظرف نہ سمجھئے! دراصل میں ابھی آپ کی تشریف آوری کے لیے کچھ انتظام نہ کر چکا تھا کہ آپ آگئے، اور آپکے آتے آتے لیمپ یکایک گل ہو گیا! اب اس اندھیرا ہو جانیکا سب سے بڑا نتیجہ تو میں یہ ہی دیکھ رہا ہوں کہ آپکا استقبال کرنا تو کجا میں آپسے ہاتھ تک نہیں ملا سکتا......"

وہ فوراً بات کاٹ کر اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا "لیجیے میں اپنا ہاتھ بڑھاتا ہوں! آپ بھی اپنا ہاتھ لائیے! اگر آپ میں کچھ بھی محبت اور دوستی کی کشش ہوگی، تو ضرور دونوں ہاتھ خود بخود بغیر کسی رہنمائی کے ملجائیں گے!"

میں نے فوراً اپنا ہاتھ بغیر سوچے سمجھے۔ بغیر اُس کے ہاتھ کی سمت کسی طرح دریافت کیے۔ اندھیرے میں بڑھایا! اور یقین کیجئے کہ میرا ہاتھ اُس شاندار آدمی کے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں تھا! کارخانہ دار اپنا سب سے اچھا لیمپ روشن کیے۔ ہاتھ میں لیے اندر گھسا! اور میری سب سے پہلی نظر اُس شاندار جسم پر، اُس مؤثر شکل پر، اُس حکومت کا انداز رکھنے والی ہستی پر پڑی!!

باقی آئندہ

سلطان حیدر۔ جوش دعیگ

عرضِ ستم

مطرب خوش گلو مجھے غرقِ صدائے ساز کر　　کشتۂ جستجو ہوں میں، واقفِ کنہ راز کر
تیری ہی لطف پر ہے اب عزتِ شانِ بیدلی　　محرمِ بزمِ راز ہوں، غیر سے امتیاز کر
درِ عہدِ بزمِ عیش جب غیر ہوئے تو پھر مجھے　　کس نے کہا تھا کہ واقفِ رازِ حریمِ ناز کر
شیشۂ دل ہی پاش پاش، ہوسِ وفا ہی منتشر　　اسکو نگاہِ ناز کو اپنے تو دل نواز کر
غیر کی ٹھوکریں ہیں اور سنگِ حریم ہے ترا　　اوسکی شکستگی کو دیکھ دل کو ذرا گداز کر

غیر پہ اعتماد ہے، کرکے ذرا جفا تو دیکھ
اوسکی وفا پہ ناز ہے اک ذرا آزما تو دیکھ

اپنی زمین نہ وہ رہی، اور نہ وہ آسماں رہا　　صورتِ ہزار ہے نہ وہ، گل کا نہ وہ سماں رہا
صوتِ نغمہ وہ نہیں، حالتِ بزم اور ہے　　سازِ گراں رہا نہ وہ جامۂ طیلساں رہا
خوب کیا مٹا دیا مجھکو، وسے خبر نہیں　　اپنی جبیں رہی نہ جب، اب ترا آستاں رہا
بزم سے تیرے لے چلے آرزوِ فروغِ شمع　　پھر بھی تجھے ستم شعار شکوۂ میہماں رہا
ہیں جو رہینِ لطف، وہ دادِ نوال دیں تجھے　　ہم سے تو دوست کش سدا یونہی تو سرگراں رہا

بزم سے تیرے نکلے ہم ہستی بے مزہ چلے
آئے تھے جیسے بینوا، ویسے ہی بینوا چلے

غیر ہے معترف ترا، اوسمیں مگر وفا کہاں　　دعوے انس ہے مگر الفتِ بے ریا کہاں
فخرِ درِ حریم تھی جنکی صدائے دردناک　　یہ تو سمجھ، ملیں گے اب ایسے تجھے گدا کہاں
دادِ سی تھا نہ جب دریغ، حوصلے تھے بڑھے ہوئے　　عزم ہیں اپنے اب مگر قوتِ مرحبا کہاں
ہوگئیں صرفِ عدو ساری محبت نوازیاں　　ہم پہ وہ لطف اب کہاں، ہیں وہ اعتنا کہاں

ہو گئے کام تشنۂ حسرت ترے گلہ تجھے — کون سکے تجھ میں اب قوت کہاں

ہو گئیں چارہ سازیاں تیری نشانۂ کہن،

تازہ ہے داستان غم، قصۂ حسرت و محن

خاک میں ساری مل گئیں اپنی امیدواریاں — ٹھہریں نہ کچھ حضور یار قلب کی بیقراریاں

عمر کی جبہ سائیاں میری ہیں وجہ سرزنش — ہو گئیں سچ عدو کی سب جھوٹی وفاشعاریاں

اوروں کی خود سری بھی ہے لائق آفرین و داد — عجز و نیاز بھی مرا ہو گئیں ہرزہ کاریاں

پاس حقوق جب نہیں، غیر دل سے کیا مقابلہ — ان پہ ہیں مہربانیاں اونکی ہیں غمگساریاں

اپنی وفائیں اور ہوس اونکی مذمتیں کھلی — غیر کے عیب فاش اور اونکی ہوئیں پردہ داریاں

وعدے رہے تیرے لب سے خون آلی ہو خبر نہ تھی

کہنے کو کہہ دوں باوفا، تجھ میں وفا مگر نہ تھی

جس کا رہین ہے ترا جلوۂ تابش جمال — اسکو عدو بتائیں اور نہ ہو تجھے خیال!

خون جگر سے اُف، لکھا جس نے صحیفۂ وفا — مٹتا ہے آج اوسیکا نام، آج وہی ہے پائمال

کس کے ہیں یادگار ہم، کچھ نہیں اعتنا تجھے؟ — اب تو ہو لطف کی نظر سو کہہ سکے لب سوال

مٹتے ہیں اک ہمیں نہیں، تیرے ستم پہ ہوش کر — جاتی ہے عظمت اویس مٹتی ہے حرمت بلال

جب نہیں تجھ کو الفت مرد وفا، تو دیکھ ادھر — جاتے ہیں تیری بزم سے ساتھ لیے ہوئے ملال

مٹتا ہے تیرے ہاتھوں جب بارگہ حجاز بھی

طاعت و بندگی بھی ہے، روزہ بھی ہے نماز بھی

نیاز محمد خاں، نیاز، فتحپوری

لیلیٰ اور توبہ

عزہ کو اب اس بات کا پورا پورا یقین ہوگیا تھا کہ وہ لوگ جو سرِ شام لبِ آب جاتے ہوئے نظر آئے تھے، وہ لیلیٰ اور اس کے ہمراہی تھے اس کے بعد عزہ نے ہنسی میں لیلیٰ سے پوچھا "لیلیٰ! تم میں اور توبہ میں کیا واقعی محبت ہے؟

لیلیٰ:- میں آپ کا مافی الضمیر نہ سمجھی۔

عزہ:- میرا سوال تو بالکل صاف ہے۔ یہ بات اب تک خود میری سمجھ میں نہ آئی کہ جب تمھارا اور توبہ کا دل ملا ہوا تھا، پھر مناکحت میں کونسا امر مانع ہوا۔ یہ ازدواج کا بڑا رکن اتحادِ قلبی پہلے سے موجود تھا۔

لیلیٰ:- (ذرا دھیمی آواز سے) یہ داستان خدا جانے کیوں آپنے اس موقع کے لیے اٹھا رکھی تھی، جس کے ذکر سے اسوقت مجھے کوئی خوشی یا تفریح حاصل نہ ہوگی آپ کو بغرضِ مہمان نوازی اس وقت کوئی ایسا دلچسپ مشغلہ چھیڑنا چاہیئے جو سفر کا تکان دور کرکے ہمیں تازہ دم کرا دے

عزہ:- اچھا لو! تمھاری ہی خوشی سہی، اب یہ ذکر نہ کروں گی۔ ملویس جا، اور اس کمرہ سے ۔ ۔ ۔ ۔ دف لے کر آ۔

ملویس یہ سنتے ہی بقول شخصیکہ "سرو بستاں یا دو ہانیدن" وہاں سے بلی کی چال گیا اور کتے کی چال دف لیکر بات کہتے واپس آگیا،

عزہ نے اس کے ہاتھ سے دف لے لیا، اور بجا کر یہ شعر گانے لگی:۔

وکنت اذا ماجئت لیلیٰ تبرقعت فقد رابنی منہا الغداۃ سفورہا

علیٰ دماء البدن ان کان بعلہا یریٰ لی ذنباً غیرانی ازورہا

ابھی عزہ ان شعروں کو پورے طور سے ادا نہ کرچکی تھی کہ اس اثنا میں لیلیٰ بول اٹھی عزہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ دنیا میں تو یہی کا قصہ آپ کو بری عیافت طبع کے لیے یاد ہوگیا ہے کہ ہر بار اٹ پھیر کے وہی چھیڑا جاتا ہے۔

عزہ ہنسنے لگی، اور کہا "کیا دنیا میں نہیں ایک لیلیٰ ہو، اگر توبہ ابن حمر نے اپنے ان شعروں میں کسی دوسری لیلیٰ سے مراد رکھی ہو؟"

لیلیٰ: اس تجاہل کی ایک ہی رہی، یوں سہی کہئے آپ اس قصہ کو سننا چاہتی ہیں، پس اگرچہ اس کے اعادہ سے مجھے تکلیف ہوگی مگر آپ کی خواہش کو بھی رد کرنا میں نہیں چاہتی اس لیے عرض کرتی ہوں سنیئے: یہ تو آپ کو معلوم ہے۔ کہ ہم اہل بادیہ ہیں، جن کے اخلاق، عادات، معاشرت اور ماند و بود وغیرہ اہل شہر سے بالکل مختلف ہیں، شہر والوں کا دستور ہے کہ ان کے یہاں کوئی نوجوان کسی دوشیزہ کی زلف پیچاں کا اسیر یا چشم پرفن کا مسحور ہوئے تو ان کی قدر کیجاتی ہے، ان کے نازک دلوں کو صدمہ سے محفوظ رکھنے کی کوشش ہوتی ہے۔ اور شرع و عرف کی آزادیاں انکو باہمی لطف و محبت کے قایم رکھنے کے لیے عطا کیجاتی ہیں، مگر اہل بادیہ اس اصول کے بالکل خلاف ہیں، ان کے یہاں محبت کا نام درمیان میں آیا نہیں اور مستحق رحم و غمخواری اہل عزام کے حواس خمسہ پر پہرہ بٹھائے گئے۔

اس عشق میں ہم بھی اس طرز ستم کے ہدف بنے، توبہ نے شہری دستور کے مطابق میرے والد کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ ادھر عشق کی خبر شہرت

پا ہی چکی تھی کہ فوراً بنی ادلع میں سے میرے شوہر کو منتخب کر کے چٹ منگنی پٹ بیاہ کر دیا گیا۔ لیکن توبہ کا جرم اتنا خفیف نہ تھا کہ محض یہہ سزا اُس کے حق میں کافی تصور کیجاتی۔ لہذا میرے اہل قبیلہ کی طرف سے اُس کا خون ہدر کیا گیا؛

ظالم اپنے اِس ارادہٴ فاسد کی تکمیل کے لیئے ایک روز اپنے اپنے ہتھیار تیز کر کے کمین میں بیٹھکر اُسوقت کا انتظار کرنے لگے کہ جونہی وہ حسب معمول مجھ سے ملنے آئے اور اُس ناکردہ گناہ کی جان لی جائے۔ مجھے اِسکی خبر پہلے سے لگ چکی تھی۔ لہذا میں اُس دن اپنی روز کی عادت کے خلاف مقام ملیح سے او رآگے جاکر اُس کے آمد و رفت کے راستہ میں بے محابا جا بیٹھی، حالانکہ اس سے پہلے کبھی میں نے اُس کا بلا حجاب و نقاب کے سامنا نہیں کیا تھا، خیر! وہ اپنی عادت کے مطابق آیا، مگر اُس نے آج جو یہ چند امور خلاف معمول پائے تو دور ہی سے وہ کھٹکا۔ اور قریب پہونچتے پہونچتے وہ بھانپ گیا۔ اور پیر ما بین سے گھوڑے کو پھیر کر جو اُس نے ایڑ بتائی، تو اُس کی گرد کا بھی وہاں پتہ نہ تھا،

اِس واقعہ کو اُس نے اپنے ایک پُرزور قصیدہ میں نظم کیا ہے؛ جسکا مطلع یہ ہے:۔

فانك بليلي دارها لا تزورها   وشطت نواها واستمر مريرها

اور وہ بیت بھی اسی قصیدہ کے ہیں جن سے آپ نے تغنی کی ؛"

درصل عزہ تو اِس قصہ سے پہلے سے واقف تھی، اسوقت تو محض لوس کی خاطر سے اُس نے اس کو چھیڑ دیا تھا، چنانچہ اُس نے کہا؛

عزہ تہ: میں اگرچہ اس سارے قصہ سے واقف تھی۔ مگر اس وقت تمہاری زبان سے

اس کے سُننے میں اور ہی مزہ ملا، میری واقفیت کا ثبوت یہ ہے کہ اگر تمہارا راز مجھ سے چھپا ہوتا تو تیرے محض دو شعروں سے تمہیں پہچان لینا میرے لیے آسان امر نہ تھا، لیلی اگر تم نے اپنے پتہ کے اُن دو شعروں کی شانِ نزول نہ سنائی، حق تو یہ ہے کہ جس عفت کا اُن شعروں میں مذکور ہے شہر والے اُس کی نظیر مشکل سے پیش کر سکیں گے،

لیلی - فی الواقع عفت اور پاک نفسی تو بہ اہل بادیہ ہی کا حصہ ہے جس میں اس وقت بنی العذرا جوار مدینہ میں ہونے کی وجہ سے بڑی شہرت پا رہے ہیں مگر نہیں بدوی قبائل میں کیا بنی العذرا اور کیا کوئی سب ہی لوگ اسی درجہ کا اخلاق رکھتے ہیں، اگرچہ نسبتہً کثرتِ واقعات کی وجہ سے قبیلہ بنی العذرا کو ہی شہرت نصیب ہے، خیر! وہ واقعہ یہ ہے کہ جب ہم دونوں کی شادیاں ہو چکی تھیں، ایک روز کی ملاقات میں توبہ نے کسی امر خاص میں مجھ سے اصرار کیا تھا، اُس وقت میں نے اُس کے سامنے فی البدیہہ یہ شعر پڑھکر اپنے تعلقات کا معیار اُسے بتلایا تھا،

وذی حاجۃٍ قلنا لہ لا تبح بھا فلیس الیھا ما حییت سبیل
لنا صاحب لا ینبغی ان نخونہ وانت لاخری صاحب و خلیل

حالانکہ میری اور توبہ کے سینوں میں جیسے پاک جذبات کا دفینہ تھا، ویسی ہی ہماری زبانیں بھی اُن جذبات کی ثقہ اور صادق ترجمان تھیں،

اسپر طویس قہقہہ لگا کر بولا،، یہ بھی کیا مدینہ کی مخنثوں کی ایسی عفت ہے،، اہل بادیہ کی یہ ادائیں میرے جیسے خوش طبع آدمی کو ہرگز پسند نہیں آسکتیں"

اس کے بعد عزہ نے پھر دف لے لی، اور کچھ گانا شروع کیا، مگر بہم

فوراً ہی وقت کو رکھا عود کو اس خوبی سے چھیڑا کہ لیلیٰ اور طوبیٰ، دونوں کے دونوں مست ہوگئے، تھوڑی دیر تک یہی سماں رہا، آخر عزہ نے جب اُسے ختم کیا تو کیف اور خود فراموشی کا طلسم ٹوٹا، جس پر لیلےٰ نے بہت تعریف کی، اور شکریہ ادا کیا۔ اُس کے بعد اُس نے کہا "مجھے آئے ہوئے عرصہ ہوا، اس لیے اب جلد میں آپ سے رخصت ہو جاؤں گی، مگر قبل جانے کے آپ سے ایک امر خاص میں کچھ مشورہ چاہتی ہوں جس کے لیے تنہائی درکار ہے،" فقط (باقی)

غالی۔ ندوی

میری قبر اور تم

(ایک انگریزی نظم کا مفہوم لیا گیا ہی)

جبکہ اس دارِ فنا سے میں سفر کر جاؤں گا
تب مری چاہت تمھاری دل میں چکر کھائیگی

ننگے سر بے چین ہوکر، آؤگے رونے مجھے
کیونکہ بے پیرے طبیعت بے طرح گھبرائیگی

نیلی نیلی تیلیاں ڈھونڈیں گی مجھکو چار سو
دوش پر کاکل تمھارے سانپ سی لہرائیگی

تم جگاؤگے کہ اُٹھو بس بہت دن سو لیا
میں کہوں گا، اب تو سونے دو، یونہیں کٹ جائیگی

پھول ڈالوگے تو میری روح دیگی یہ صدا
اب یہ دنیا کی نمایش میرے کیا کام آئیگی

پھول لانے کی ضرورت کچھ نہیں، خود پھول ہو
پھول سی صورت تمھاری پھول خود برسائیگی

مجھ مجید خستہ دل کو مٹ کے اب کیا چاہیے
تم چلے آئے۔ اسی پر مغفرت ہو جائے گی

محمد مجید احسن دہلوی

موجودہ صدی کے ایک مسلمان کا نقش

بہ بارگاہ باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ

اے کہ روحی تو جسم بے جان را — طاقت و تاب ناتوانان را
بیکس و کس مپرس را یاور — کور و گم کردہ راہ را رہبر
کہتے ہیں حالِ پُرملال اپنا — عرض کرتے ہیں پھر سوال اپنا
دل کے وہ راز لب پہ لاتے ہیں — کوشش سے جنھیں چھپاتے ہیں

ہم میں اسلام کی نہ شاں باقی — اور نہ ایمان کا نشاں باقی
شکلِ اسلام موجبِ نفرت — وضعِ اسلام باعثِ ذلت
دل سے مرغوب شانِ عیسائی — ان کی اک اک ادا کے شیدائی
ننگ مسجد میں ہے ہمیں جانا — جیسے زاہد کا سوئے میخانہ
پاک یوں مسجدیں مسلماں سے — جیسے خالی پڑا ہو تن جاں سے
پائیے گر کہیں مصلّی چند — بوڑھے۔ بیمار۔ میلے۔ حاجتمند

کل احادیث و فقہ کے دفتر — کذب و بیہودگی ہیں سر تا سر
ان فسانوں سے ہم کو کیا مطلب — پچھلی صدیوں کے من گھڑت ہیں سب
منہ سے قرآں پہ کہتے ہیں ایماں — سچ جو پوچھو تو کس کو ہے ایقاں
بیکن اور کارلائل - اسپنسر — ان کے اقوال وحی سر تا سر
ان کی ہر ایک بات ہے الہام — ان پہ قرباں پیمبرِ[۱] اسلام

[۱] افسوس۔ ایڈیٹر

سکہ ہم مانتے ہیں سیزر کا — کلمہ پڑھتے ہیں ہم سکندر کا
پر عمرؓ۔ خالدؓ و صلاح الدینؒ — کون تھے۔ کیا تھے۔ جانتے ہی نہیں
وہ عمر جس نے تھی بنا ڈالی — کانسٹی ٹیوشنل حکومت کی
کوئی واقف نہیں (عوام کہ خاص) — کون تھے حضرتِ عمر بن عاص
تھا کوئی بوحنیفہؒ نعمان — جیسے سولن مقننِ یونان
آتے ہیں کب زباں پہ ان کے نام — ہم سے رسوا ہے شوکتِ اسلام

کس کو یہاں بہشت و دوزخ پر — اب کہاں رکھتے ہیں یہ وعظ اثر
حور و غلماں۔ یہ سب ہیں افسانے — ان کو مانا کریں یہ ملّا نے
ایسے پھندوں میں ہم نہیں پھنستے — ان خیالات پر ہیں ہم ہنستے
تجھ کو جو سمجھا تجھ کو ہے معلوم — اک وجودِ معطل و موہوم
ہم نے مذہب کو جو نکما سمجھا — مفت کی سر پہ اک بلا سمجھا
تھا نہ معلوم ہائے ری غفلت — اس میں پنہاں ہے رازِ قومیت
ڈھیل دے کر جو کھینچ لی ڈوری — کھل گئی اپنی صاف کمزوری

کل محاسن کو آہ رو بیٹھے — سارے قومی شعار کھو بیٹھے
ہم تو خُذْ مَا کَدِرْ پہ عامل ہیں — اور دَعْ مَا صَفَا کے قائل ہیں
دوسروں کو بھلائیاں دے دیں — ان کی ساری برائیاں لے لیں
مجمعِ سیئات ما گشتیم — ننگِ ایں کائنات ما گشتیم
منفعل ہیں خجل ہیں۔ نادم ہیں — کہتے شرم آتی ہے کہ مسلم ہیں
اپنے عصیاں کا ہے جواب اگر — تو وہ تیرا کرم ہے اے داور

ہے اُمیدوں کا آہ ستیاناس | اپنی تصویر ہے سراپا یاس
آئے فریاد لے کے تیرے پاس | یا الٰہی نہ توڑنا تو آس
نیک کردار ہوں کہ بد کردار | تیرے کہلاتے ہیں ہم آخر کار
کچھ بھی ہوں تیرے نام لیوا ہیں | نام دینِ ہدیٰ کے شیدا ہیں
ہم ابھی تک ہیں اور تو ہے گواہ | قائلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
وقعت اسلام کی ہے دل میں ابھی | عزت اس نام کی ہے دل میں ابھی
ہم میں کچھ ہے حمیت قومی | ہم میں باقی ہے غیرت قومی
دین حق کفر سے ہے رسوا آج | تیری غیرت کو ہو گیا کیا آج؟
کیوں ہو اسلام کفر سے مغلوب | ہم پھریں کافروں سے یوں محجوب
تیری مرضی ہے کیا کہ مثلِ یہود | کالعدم ہو ہمارا نام و نمود
یوں پھریں کوچۂ جہاں میں خوار | کہ ہمیں دیکھ کر ہنسیں کفار
ہوں جو آزاد کردہ اپنے غلام | ہم ہوں اب اُن کے بندۂ بیدام

کر دے عالم سے کالعدم ہم کو
پر دکھانا نہ یہ ستم ہم کو

اے کہ گردیش تو بر و فریاد | بندۂ دل شکستہ و ناشاد
آیدت شرم گر ز در رانی | بیدل از بارگاہِ سلطانی
واسطہ ہے تری خدائی کا | واسطہ ہے تری بڑائی کا
بندۂ خوش نصیب کا صدقہ | اپنے پیارے حبیب کا صدقہ
صدقہ اپنے نیک بندوں کا | فتحمندوں کا سربلندوں کا

اپنا وہ وعدہ آج پورا کر
جھنڈا پھر اپنے دیں کا اونچا کر

علم الاقتصاد

یا

موجودہ تہذیب

اس علم کا جاننا جس قدر زیادہ ضروری ہے تعجب ہے کہ ہندوستانی اسی قدر اس سے بے بہرہ ہیں کبھی کبھی اس مضمون پر ایک آدہ آرٹیکل لکھا بھی جاتا ہے تو عام ناظرین اس پر اتنی غور بھی نہیں کرتے جتنا شاید وہ کسی پہیلی کے بوجھنے یا کسی ہزل گو شاعر کے لایعنی اشعار کے سمجھنے میں کرتے ہوں گے۔

اگر غور سے دیکھا جاوے تو جو انسان کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اس کا مطالعہ بغیر اس علم کو جانے ہوئے کامل نہیں کہا جا سکتا اور اس علم کا کامل طور پر ماہر ہونے کے لیے خود انسان اس کے عادات وخصائل. طریقہ بود و باش ملکی رسم و رواج وغیرہ کا جاننا ضروری ہے غرض انسان کے ساتھ اس علم کا تعلق بہت زیادہ ہے اور آجکل کی زندگی میں تو یہ علم ایسا لازم و لزوم ہے کہ کوئی قوم بغیر اس کے جانے شایستہ و مہذب ہونے کا دعوے نہیں کر سکتی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ علم کیا ہے اور کس قدر وسیع ہے۔ اسکو انگریزی میں پولٹیکل اکانومی یا اکانومکس کہتے ہیں اور اردو خواں مخلوق آجکل اسے علم الاقتصاد یا سیاست مدن کے نام سے پہچانتی ہے کیونکہ ٹھیٹ اردو زبان کا لفظ ابھی تک اس کے لیے مخصوص نہیں ہوا۔ اور ہوتا کس طرح

ابھی تک ہم لوگوں کی توجہ ہی اس طرف نہیں ہوئی کہ یہ علم بھی کسی خاص توجہ کا مستحق ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس علم کو دلچسپ پیرایہ میں اُردو خواں پبلک کے سامنے ظاہر کیا جائے تاکہ اُن کی توجہ اس طرف ہو اور اس کے رواج عام سے ملک میں ترقی اور بیداری کے آثار نمایاں ہوں۔ یہ کام ہے اُن اہلِ قلم کا جو اس علم کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ زبان اُردو پر بھی پوری طرح قادر ہیں۔ ہم تو نہ اس کے ماہر نہ زبان پر قادر صرف اس بات کا شوق کہ ہمارے اُردو اخباروں اور رسالوں میں اس علم کے متعلق بکثرت مضامین لکھے جایا کریں اور یہ علم کسی طرح ہندوستان میں رواج پاجائے ہمیں ان چند سطروں کے لکھنے پر مجبور کرتا ہے۔

ہندوستان اور ایسے ہی دوسرے ملک جن میں قدرتی ذرائع پیداوار کے بکثرت ہیں اور جہاں بلا ہاتھ پاؤں ہلائے یا بہت تھوڑی محنت سے پیٹ بھرائی ملتی ہے وہاں صنعتی بیداری کبھی نہیں ہوئی۔ کھانے کو اناج بہت۔ جانوروں کی بدولت دودھ گھی۔ گوشت وغیرہ کی کمی نہیں کپڑے ہی تن ڈھانکنے کے لیے بہت نفیس نہیں تو خیر معمولی سہی لیکن بتابت کے ساتھ۔ پھر کس کی بلا کو غرض پڑی ہے کہ دماغ پر زور ڈال کے مشینوں کو ایجاد کرے۔ طرح طرح کی دستکاریوں کا رواج دے۔ دس گز روز کپڑہ بننے کی بجائے کوشش کرے کہ ہزار گز روز تیار ہو۔ جب جانوروں کی کھالوں یا بھدے کاغذ سے وہی کام نکل سکتا ہے تو نفیس چکنے کاغذ بنانے پر توجہ صرف کرنا فضول ہے۔ مٹی کے بنے ہوئے بھدے سے برتن میں کھانے سے بھی دال کا مزہ وہی رہتا ہے تو تانبے کا برتن بنانے پر محنت صرف کرنے سے کیا حاصل۔ آدمی بہت کام کم۔ لہٰذا تقسیم

کام کا سوال ہی بیجا ہے۔ دوسرے ملک والے چاہے کچھ ہی کریں لیکن ہم بے وقوف نہیں ہیں۔ وہ رات دن اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کسطرح صنعت و حرفت میں ترقی ہو۔ دولت بڑھے چستی و چالاکی پیدا ہو جن کی وجہ سے انسانی ضروریات بڑھیں پھر ضروریات چستی و چالاکی کے بڑھانے کی محرک ہوں مشینیں ایسی بنیں کہ انسان کے دماغ پر جو زور پڑتا ہے اور جسم پر جو بُرا اثر واقع ہوتا ہے وہ ان مشینوں کی وجہ سے کم ہو جائے اور اس طرح سے یہ دماغی و جسمانی قوت اور مفید کاموں میں صرف کیے جانے کے قابل ہو سکے۔ مگر ان باتوں سے فائدہ۔ ارے میاں قناعت اچھی چیز ہے اس ہوا ہوس میں کیا رکھا ہے۔ گزی۔ گاڑھا۔ جو پہننے کو ملے صبر و شکر۔ نان گرم اور آب خنک مل جائے تو سبحان اللہ۔

یہ نمونہ ہے اُن خیالات کا جو اب سے کچھ پہلے عام طور پر رائج تھے اور اب بھی سوائے ایک خاص تعداد کے تمام انہی خیالات میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اگر دونوں وقت موٹا جھوٹا کھانے کو مل جائے۔ بیاہ شادیوں میں خرچ کرنے کے لیے آنا پاس ہو جو کنبہ برادری میں ناک کٹی نہ ہو تو بھی اس سے زیادہ چاہنے والے پر تین حرف بلکہ چار پانچ۔

لیکن زمانہ رفتہ رفتہ سمجھا رہا ہے کہ جن قوموں کی ضرورتیں محدود ہیں جنمیں غلط قناعت کا خیال جم گیا ہے۔ جو اپنی ملکی پیداوار کی کثرت کے گھمنڈ پر ہاتھ پاؤں ہلانا بیکار سمجھتی ہیں جنھیں اپنے قدرتی ذرائع سے پوری طرح فائدہ اٹھانا نہیں آتا۔ یا جو یہ کوشش ہی نہیں کرتیں کہ اُن سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ جنھیں اس کی خبر نہیں کہ ہماری گورنمنٹ غلط اقتصادی اصولوں پر چل رہی ہے یا صحیح اصولوں پر۔ جو اس سے بے خبر ہیں کہ

دنیا میں کیا کیا کوششیں صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی ہو رہی ہیں جنھیں یہ سوال فضول معلوم ہوتے ہیں کہ ہمارے ملک کی کس کس ملک سے تجارت ہے اور اگر ہے تو آیا در آمد زیادہ ہے یا برآمد۔ یا ہمارے ملک میں سونے چاندی کی کس قدر تعداد ہے اور دوسرے ملکوں میں کتنی اور دوسری قومیں ہمارا سونا چاندی ہم اپنے تجارتی اشیا کے عوض زیادہ لیجاتی ہیں یا ہم ان سے زیادہ وصول کر لیتے ہیں وہ ترقی کی دوڑ میں دوسری قوموں کے برابر نہیں چل سکتیں اور انجام ان کا موت سے بدتر یا ذلت و خواری اور غلامی کی زندگی ہے جو موت سے بھی تلخی میں زیادہ ہے۔

ممکن ہے یہ سوال پیدا ہو کہ اس قدر بک چکنے کے بعد ہی مہربانی فرما کر اسکی تشریح کردی جائے کہ آخر علم کیا ہے لیکن در اصل اسکی تشریح ہو چکی۔ جو علم ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ دولت کن طریقوں سے پیدا ہوتی ہے کس طرح اس کی نگہداشت ہوتی ہے۔ کیونکر ان افراد یا گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے جو اس کے پیدا کرنے میں حصہ لیتے ہیں۔ ایک قسم کی دولت کا دوسری قسم کی دولت سے کس طرح تبادلہ ہوتا ہے۔ انسانی ضروریات کہانتک اس کی پیداوار کی محرک ہوتی ہیں اور قیمت کہانتک مدد دیتی ہے۔ غرض ہیر پھیر کے جس علم کا منشا مطالعۂ دولت ہو اس کا نام سیاست مدن ہے اور ظاہر ہے کہ ہماری موجودہ زندگی میں ساری کشمکش اسی کے لیے ہے اور گزشتہ زمانہ میں بھی اسکی وجہ سے بڑے بڑے انقلاب ہوئے ہیں لہذا جتنی توجہ اس علم کے حاصل کرنے میں کیجائے کم ہے

جو علم دولت جیسی شے سے تعلق ہو ظاہر ہے کسقدر وسیع ہوگا اور کیا کیا اہم نتیجے اور عجیب و غریب پیچیدگیاں دنیا میں اس علم کی بدولت پیدا ہوئی ہونگی۔ لیکن اگرچہ اس رسالہ کا نام تمدن ہے اور تمدنی مضامین کا عنصر غالب رہنا چاہیئے اس کے مقاصد و اغراض میں اور قسم کے مضامین بھی داخل ہیں اور رسالے صفحہ اسی ایک قسم کے لیے وقف نہیں ہیں۔ لہذا باقی پھر کبھی۔

محمد نصیر الحق۔ قریشی۔

عالمِ خیال میں کالج سے مزے مزے کی باتیں

اے وہ در و دیوار جو ہو علم و حکم میں — مشہور رہے کالج
آ جاؤ میرے پاس کہ رکھ لوں تمہیں دل میں — دنیا سے چھپا کر
اسلامیوں کے واسطے بیماری غم میں — ایک تم ہو معالج
نیچر نے، جو کچھ موتی تھیں جین و چگل میں — تم میں رکھیں لا کر

ہم رہتے تھے آزادی سے سائے میں تمہارے — ہمعمروں میں خوش خوش
پڑھتے تھے، مگر قدر نہ تھی پڑھنے کی معلوم — بیہوش تھے ایسے
وہ بورڈنگ و فیلڈ کے ہر وقت نظارے — ہر طرح تھے دلکش
باہر کہیں جاتے تھے تو پڑ جاتی تھی یہ دھوم — "بنگیر وہ آئے"

قسمت سے بچھڑ کر جو چلے آئے ہیں تم سے — ناراض ہو گیا تم؟
تم یہ تو ذرا سوچو اگر پاس تمہارے — اب تک ہمیں رہتے
تو یہ جو نظر آتے ہیں نعم البدل اتنے — غیرت وہ انجم
امیدوں کے افلاک کے رخشندہ ستارے — تم میں نہیں رہتے

ڈر ہے کہ الجھ جائے نہ دیوانوں کا دامن — کانٹوں میں یہاں کے
ڈر ہے کہ کہیں سستی ستائے نہ تو اے لڑکو — اور ڈالے الم میں
لو لیلو جوانی، ہمیں دیدو وہ لڑکپن — باز آئے ہم اس سے

لو، لیلو متانت، ہمیں وہ شوخیاں دیدو جو پہلے تھی ہم میں

تم غیر کی آنکھوں میں کھٹکنے کو نہ جاؤ ایک خار کی صورت
قدرت نے نہیں کی ہے جگہ بس میرے دل میں بس دل ہی میں آؤ
دکھلاؤ وہ فردوس کا سا جلوہ دکھاؤ بن کر میری قسمت
لو آؤ بس لب شوق نے حسرت بھرے دل میں لے نور ہی بن جاؤ

علم الحرکات اور مسلمان

علم الحرکات کو میکانکس (Mechanics) کہتے ہیں اور یورپین زبانوں میں کلوں کے واسطے یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس کی تخریج پر جب غور کیا جاتا ہے تو یونانی زبان میں ملتا ہے۔ پروفیسر میک مارڈی (Prof. Mc Mordie) لکھتا ہے کہ میکانکس یونانی لفظ ہے۔ اور اس کی معنے علم الحیل یا علم الحرکت ہیں شمس العلماء مولانا شبلی صاحب تحریر فرماتی ہیں کہ یہ فن آجکل بہت ترقی کر گیا ہے لیکن اس کا وجود بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ یونان میں وہ علمی حیثیت سے حاصل کیا گیا ہے اور مسلمانوں نے جب یونان کے علوم و فنون سیکھے تو علوم پر قناعت ہی نہیں کے بلکہ اس فن سے عملی کام بھی لینے عربی میں اسکا نام علم الحیل ہے لیکن اصل لفظ سے صورت بدل کر مستعمل ہے یعنی منجنیق۔ اس کی اشتقاق میں ہمارے علماء لغت نے سخت غلطیاں کی ہیں یہ دراصل ایک یونانی لفظ کا معرب ہے۔ سب سے پہلے ایجاد مسلمانوں نے اس فن کی ہارون رشید کے عہد میں کی۔ یہ گھڑی[1] ہے اور ہدیۃً شارلمین شہنشاہ فرانس کو بھیجی گئی تھی۔

فرانس کا مشہور مورخ سیدیو لکھتا ہے کہ اس گھڑی میں چھوٹی چھوٹی بارہ دروازے تھے۔ ہر گھنٹہ ختم ہونے کے بعد ایک دروازہ کھلتا تھا اور جس قدر گھنٹوں کے تعداد ہوتی تھی اُتنی ہی تانبے کی

[1] اس کا بنانے والا ابو معشر فلکی مشہور منجم تھا ۱۲

گولیاں ایک آہنی پلیٹ پر گر کے آواز دیتی تھیں اور جب دور پورا ہو جاتا تھا تو بارہ سوار دروازوں سے نکل کر گھڑی کے بالائی سطح پر گھومتے تھے۔

بنجمن[1] نے اس کے علاوہ دمشق کی گھڑی کا حال لکھا ہے اور ڈاکٹر لیبان[2] نے اس بیان کی تائید کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اہل عرب نے لنگر وار (پنڈلم) گھڑیاں بھی بنائی تھیں جو پانی کی گھڑیوں سے مختلف ہیں مگر پروفیسر پامر[3] نے الرشید والی گھڑی اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ عرب مورخین نے اس کا ذکر کہیں نہیں کیا۔ پروفیسر صاحب کا یہ عذر قطعی نہیں مانا جا سکتا جبکہ ہم یورپین مورخین کے مستند تصانیف میں اس کا تفصیل کے ساتھ پاتے ہیں۔ عرب مورخین نے تو ہزاروں واقعات نظر انداز کر دیے ہیں یہاں تک کہ شارلیمین کے سفارت کا بھی حال انہوں نے نہیں لکھا لیکن پروفیسر سیدیو نے اس بارہ میں مارجنی اور ایجی نارٹ[4] کے شہادتیں پیش کی ہیں علاوہ ازیں یہ تمام ہدایا فرانس کے معبد پانتی نیوان میں موجود ہیں مگر گھڑی ان میں نہیں ہے شمس العلما مولانا شبلی صاحب نعمانی نے علم الحرکات کے ان کتابوں کی فہرست دی ہے جو نانی زبان سے مسلمانوں نے ترجمہ کیں ہم ذیل میں اس کی نقل درج کرتے ہیں:-

نام کتاب	مصنف
کتاب عمل الآلة التی تطرح البنادق	ارشمیدس۔

[1] یہ سیاح سنہ۱۱۷۳ء میں فلسطین گیا تھا اور جامع مسجد دمشق کی گھڑی کا حال اسی لکھا ہے [2] ڈاکٹر لیبان فرانس کے مشہور عالم ہیں۔ ان کی کتاب "تنقیدات بابت عرب" کا ترجمہ اردو میں "تمدن عرب" کے نام سے ہو گیا ہے
[3] مسٹر پامر کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کی پروفیسر تھے [4] ایجی نارٹ شارلیمین کے دربار میں تھا

نام کتاب	مصنف
کتاب الدوائر والدوالیب	ہرقل
کتاب فی الاشیاء المتحرکۃ من ذاتہا۔	ایرن
کتاب الۃ الزمر البوقی	ایرن
کتاب الزالوجی	ایرن
کتاب الدوالیب	مارطس
کتاب الارغنون	ایضاً
کتاب فی الجر الثقیل	ایرن

مولانا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ان میں سے اول و آخر کتابیں آج بھی لندن کے کتب خانہ برٹش میوزیم میں موجود ہیں۔ پہلی کتاب میں تصویریں بھی بنی ہوئی ہیں۔

یونانی تصانیف سے مطلع ہوکر مسلمانوں نے خود اس فن میں نئے اختراعات کیں۔ اور مستقل کتابیں لکھیں۔ بنو موسےٰ نے جو مامون کے دربار کا مشہور فلاسفر تھا اس فن میں۔ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام غلطی سے کتاب الحیل مشہور ہوگیا۔ یہ نہایت محققانہ اور نادر تصنیف ہے مورخ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں کئی طرح کے عملوں کا بیان ہے۔ مورخ ابن خلکان نے جو ساتویں صدی میں موجود تھا لکھا ہو کہ میں نے اس کتاب کو پڑھا ہے اس میں عجیب نادر باتیں ہیں۔ اور اس فن کی تمام کتابوں سے افضل ہے۔ اس کے علاوہ علامہ ابن جبیر[۱] اندلسی نے جامع مسجد دمشق کے گھڑی کا مفصل حال لکھا ہے۔ خلیفہ

[۱] علامہ ابن جبیر نے ۵۷۸ھ میں تمام ایشیا کا سفر کیا تھا اس کا سفرنامہ رحلۃ ابن جبیر۔ لیڈن میں چھا[illegible]

المستنصر باللہ نے اپنے نام سے بغداد میں جو مدرسہ مستنصریہ قایم کیا تھا اُس کے صدر دروازہ پر بھی ایک بڑی گھڑی لگی تھی۔ واضح ہو کہ یہ گھڑیاں اتنی بڑی ہوتی تھیں جیسے آجکل گرجوں کے دروازوں پر ہوتی ہیں۔ گھڑیوں کے علاوہ اور آلات کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔ سلطان عبدالمومن دشاہ مراکو کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا ایک قرآن مجید تھا۔ اُس نے اُس کے واسطے ایک کمانی دار صندوق طیار کرایا تھا۔

البتہ افسوس یہ ہے کہ اس فن سے مسلمانوں نے کوئی بڑا کام نہیں لیا مگر کتابیں ضرور لکھیں اور ترجمہ کیں اور بہت ممکن ہے کہ قدیم زمانہ میں اور بھی آلات ایجاد ہوئے ہوں مگر ہم اُن کا پتہ بتانے سے معذور ہیں۔

محمد شفیع الدین خاں - مراد آبادی

ہمارے محترم مولوی محمد شفیع الدین خان صاحب - ایم - آر - اے - ایس نے حال میں جنگ اٹلی و ترکی کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں اس ہولناک اور قیامت خیز معرکہ پر کافی روشنی ڈالی ہے مختلف اخبار و رسائل سے اقتباس اس قابلیت سے کیے ہیں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد طرابلس کی مفصل تاریخ - لڑائی کا سبب ایطالیہ کا قصد اور ترکی کی پوزیشن پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے +

ہمیں اُمید ہے کہ ناظرین تمدن ہمارے محترم دوست کی اس اس محنت کی داد دیں گے قیمت ۵ر صاحب مصنف سے محلہ بیٹی - مراد آباد سے ملسکتی ہے +

زلزلہ

ہم نے چند سے قبل براکین یعنے کوہہائے آتش فشاں کا بیان لکھا تھا اور اُن کی حقیقت اور اصلیت کو دکھلایا تھا- اب ہم زلزلے کا بیان لکھتے ہیں- زلزلہ کو فارسی میں بوہن کہتے ہیں اور زمین لرزہ بھی کہتے ہیں- یہ امر قابل بیان ہے کہ براکین اور زلزلوں میں باہمی تعلق ضرور ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ کسی بڑے برکانی التہاب کے پھوٹ پڑنے سے پہلے اوس پہاڑ کے اطراف وحوالی کی زمین میں زلزلہ واقع ہوتا ہے- گویا وہ برکانی طاقت تڑپکر اندر سے باہر نکل آنا چاہتی ہے- اور یہ بھی مشاہدہ ہوا ہے کہ کسی ضلع یا حصہ ملک میں جہاں پے درپے زلزلہ آیا کرتا ہے- اگر وہاں کوئی بڑا برکانی التہاب واقع ہوجائے تو ان زلزلوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے اس کا عکس بھی صحیح ہے- مثلاً امریکا جنوبی کے انڈیز پہاڑ کے سلسلہ میں جب تنگاراگوا اور کوٹوپکسی چوٹیوں پر دھواں نکلنا موقوف ہوجاتا ہے تو لوگ زلزلے کے آنے کے منتظر رہتے ہیں-

کلبیریا کے ۱۷۸۳ء کے مشہور زلزلوں میں اسٹرومیولی کے چھوٹے مخروط کا التہاب موقوف ہوگیا- اور یہ ان کی تاریخی مدت میں پہلا موقع تھا- کیونکہ اس کے ساکن ہونے کا ذکر یا بیان کہیں نہیں ہوا ہے- اسی طرح سے سلسلہ انڈیز میں پسٹو سے ۱۷۹۷ء میں سیاہ دھوئیں کا نکلنا موقوف ہوگیا جو ایک کثیف ستون کی طرح بلند ہوتا تھا- اور یہ امر پہلی فروری کو دفعۃً واقع ہوا-

ساتھ ہی اس کے شہر ریو بمبا کو زلزلے نے ڈھا کر مسمار کر دیا جس میں چالیس ہزار جانیں تلف ہوئیں۔

مسٹر مالٹ نے جو زلزلوں کے بہت نامی محقق ہیں دنیا کا ایک نقشہ تیار کر کے اوس میں اون ملکوں اور خطوں کو جن میں زلزلے ہوا کرتے ہیں۔ بھورے رنگ سے دکھلایا ہے۔ اور زلزلوں کی کثرت و قلت کو اس رنگ کے ہلکا یا گہرا کرنے سے ظاہر کیا ہے۔ اس نقشہ کے دیکھنے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں رنگ زیادہ گہرا ہے وہ ایسے مقامات ہیں جہاں بر کانی خطوط بھی ساتھ ہی ساتھ نظر آتے ہیں۔ جس سے زلزلوں اور براکین کا باہمی تعلق معلوم ہوتا ہے۔ کوئی آتش فشاں ایسا نہیں ہے جو گہرے رنگ کے قطعہ سے خارج واقع ہوا ہو۔ اور نہ کوئی گہرے رنگ کا قطعہ ایسا ہے جو براکین سے خالی ہو۔

زلزلوں کی کثرت۔ مسٹر مالٹ نے زلزلوں کی ایک فہرست تیار کی ہے جس میں (۱۶۰۶) سال قبل مسیح سے ۱۸۴۲ء تک یعنے ساڑھے چونتیس سو برس کے مشہور زلزلے درج ہیں۔ اس کے بعد ایک فرانسیسی محقق موسیو دیثران نے ایک اور فہرست مرتب کی جو ۱۸۵۰ء تک زلزلوں کو دکھاتی ہے۔ اور (۲۴۵۶) سال میں (۶۸۳۱) ایسے زلزلے واقع ہوئے ہیں جن کا حال قلمبند ہوا ہے۔ مگر منجملہ ان کے تقریباً نصف ۱۸۰۰ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان واقع ہوئے ہیں۔ پس اگر اس پوری مدت کے زلزلوں کا داخلہ اسی احتیاط کے ساتھ درج کیا جاتا جو ان پچاس سالوں میں درج ہوا ہے۔ تو غالباً کل تعداد اس طویل مدت میں دو لاکھ سے کم نہ ہوتی۔ اور ان پچاس سال میں بھی بہت سے زلزلے غالباً ایسے مقامات میں

واقع ہوئے ہوں گے جہاں متمدن انسان کا گذر نہیں ہوا ہے۔ یا شاید سمندر کے اندر واقع ہوئے ہوں گے جن کا داخلہ ملنا محال ہے فی الواقع گذشتہ صدی سے ہی زلزلوں کی اطلاع دور دور مقامات سے آنے لگی ہے جس سے ہمکو زلزلہ کے وقوع کی بر وقت خبر مجاتی ہے۔

اگر ہم صرف بڑے زلزلوں کا ہی خیال کریں تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ مسٹر مالٹ نے بڑے زلزلے کی یہ تعریف لکھی ہے کہ اُس کا اثر ایک ایسے دایرہ یا رقبہ میں محسوس ہو جس کا قطر ایک ہزار سے بارہ سو میل تک ہے۔ اور اگر قطر چار سو میل ہو تو اسکو انہوں نے درجۂ دوم میں رکھا ہے۔ اور جن زلزلوں کا اثر صرف سو میل سے ڈیڑھ سو میل تک کے عرض و طول میں محسوس ہو اون کو درجۂ سوم میں قرار دیا ہے اُن کی فہرست کے مطابق اوس طولانی مدت پر صرف (۲۱۶) بڑے زلزلے واقع ہوئے ہیں۔ لیکن فقط سنہ ۱۸۰۱ء سے سنہ ۱۸۵۰ء تک میں (۵۳) بڑے بڑے زلزلے واقع ہوئے یعنی ان پچاس سالوں میں کل بڑے زلزلوں کا ربع۔

زلزلوں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کے کسی نہ کسی حصہ میں بطور اوسط ہر سال ایک بڑا زلزلہ واقع ہوا ہے۔ اگر ہم دوسرے قابل اعتنا زلزلوں کو بھی ان میں شامل کر دیں تو فی ماہ آٹھ کا اوسط ہوگا۔ مسٹر مالٹ کی فہرست کے پچھلے چار سالوں میں (۴۰۶) زلزلے درج ہیں جس کا وہی اوسط نکلتا ہے۔ یعنی (۴۸) مہینوں میں بحساب فی ماہ ۸ لم (۸.۴) زلزلے۔ ان کی کثرت کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں زلزلوں کے وقوع کی اطلاعات ہر جائے سے پہونچتی ہیں اور فوراً ان کو داخل کیا جاتا ہے

درج کیا جاتا ہے۔ نہ یہ کہ اس زمانہ میں زلزلے کثرت سے ہوتے ہوں۔
بہرحال نتیجہ بدیہی ہے کہ یہ حرکت زلزالی زمین کے کسی نہ کسی حصّہ میں ضرور
محسوس ہوتی ہے۔ جو کسی اندرونی قوت کی وجہہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے
اور بیشک یہ قوت وہی حرارت شدید اندرون کرہ ارض ہے جو زمین کے
قشر پر عمل کرتی ہے۔

آیات طبعی زلزلہ مسٹر مالٹ زلزلہ کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ زلزلہ ایک
موج یا موجوں کا تسلسل ہے جو قشر زمین میں سے بڑی سرعت کے ساتھ گذرتا
ہے۔ صدمہ کی حقیقی سرعت سیر یعنے زمین کا حرکت کرنا کسی مقام پر بہ نسبت
سرعت سیر موج بہت کم ہے۔ صدمہ کی سرعت سیر میں زمین کی سرعت
حرکت زمین کی سطح کا نیچے اوپر ہونا ہے جو انسان کے کودنے کی حرکت
سے زیادہ نہیں ہے لیکن اوس موج کی سرعت سیر موج اوس خطہ میں
توپ کے گولے کی رفتار کی نصف ہے۔ یہ موج کی تحت الارضی مقام سے
شروع ہوتی ہے جسکو غار یا شگاف مرکزی کہتے ہیں۔ اور موج اس
مرکز سے ہر سمت کو مساوی تیزی کے ساتھ جاتی ہے۔ یہ موج اوس
سطح تک جو صریحًا اوس غار مرکزی کے اوپر واقع ہے عمودی سمت میں
پہونچتی ہے۔ یعنی ایک خط کی سیدہ میں جسکو اونہوں نے عمود زلزلی
سے موسوم کیا ہے۔ اور جیسے جیسے یہ موج اوس عمود سے دورتر ہوتی
جاتی ہے اوسکا ترچھاپن یعنی انحراف بھی بڑھتا جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکے
اسکی قوت بھی گھٹتی جائے گی۔ یہاں تک کہ بتدریج مفقود ہو جاتے۔

مسٹر مالٹ نے دکھلایا ہے کہ عمارات کی درزوں اور شگافوں سے
اور نیز دوسری علامتوں سے اس موج کی سمت اور اُس کے زاویۂ خروج کو

کیونکر دریافت کر سکتے ہیں۔ اور اوس سے غار مرکزی کے موقع اور عمق کو یعنی جہاں سے اِس موج کا آغاز ہوا ہے کِس طرح سے حساب کر کے معین کر سکتے ہیں۔ اُن کی کتاب اصول مشاہدات زلزلہ میں اونہوں نے اُن قواعد کے استقلال کا طریقہ تبلایا ہے جن کے ذریعہ سے اُنہوں نے ۱۸۵۷ء کے کلیبریا کے زلزلہ کے متعلق دریافت کیا تھا کہ غار مرکزی اوس زلزلے کا ایک ضلع کے نیچے تھا جو موضع کاگیان کے قریب اور تقریبًا ساٹھ میل بجانب شرق و جنوب شرق شہر نیپلز سے دور تھا۔ اور جس کا افقی طول نو میل اور ارتفاع تین میل تھا۔ اور مرکز پو لے چھ میل سطح زمین کے نیچے واقع ہوا تھا۔ اُن کے حساب سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کی سطح کا تموج اوپر نیچے تین چار میل سے زیادہ تھا اور اُس کی سرعت بارہ فٹ ثانیہ تھی۔ مگر اس موج کی سرعت مرور ملک کے ایکطرف سے دوسری طرف بحسب اختلاف مواد ارضی و اجحار ثانیہ سات سو فٹ سے ایک ہزار فٹ تک تھی +

زلزلوں کے نتائج و اثرات۔ زلزلوں کے مختلف نتائج کی تفصیل بیان کرنے کے لیے کتابیں چاہئیں۔ مسٹر مالٹ کی مختلف تصانیف۔ ڈاکٹر ڈابینی کی کتاب براکین۔ اور لائل کی اصول جیالوجی میں اس کے عجیب و غریب بیانات درج ہیں۔ کلیبریا کے ۱۷۸۳ء کے زلزلوں میں اکثر شہروں کی سڑکوں کے پتھر ہوا میں اڑکر بالکل اُلٹ گئے تھے۔ عمارات کی بنیادیں اور کنوؤں کے حلقے بعض جائے باہر پھینکدیئے گئے تھے۔ زمین میں لمبی خمدار دریں اور شگافیں پیدا ہوگئی تہیں۔ جن میں سے بعض تو ویسی ہی کھلی رہ گئیں اور بعض دوبارہ بتدریج نزدیک ہوگئیں اور بعض تو دفعتہً بند ہوگئیں۔ مدور گڑھے اور شعاعی شگافیں بھی کہیں کہیں نمودار ہوئیں۔ زلزلوں کے

زسے اکثر بڑے بڑے قطعات اور چٹانیں بلندیوں پر سے اُکھڑ کر نیچے اتر آئیں۔ اور ایسی زمین لرزوں سے ندیوں کے درے اور وادیاں بند ہو کر ندیوں کا پانی چڑھا جس سے طغیانی ہو کر بہت سے ملکوں پر پانی پھر گیا اور دریا برد ہو گئے ✣

جب سمندر کے اندر زلزلہ ہوتا ہے تو کنارہ کی زمین سے تموّج دلرزش کی ایک بہت بڑی موج زمین پر آکر ٹوٹتی ہے۔ اور زمین کی سطح کو دھو دھلا کر جو کچھ اوسکو غنیمت میں ملتا ہے سمندر میں بہا لیجاتی ہے ۱۷۵۵ء میں شہر لزبن پایہ تخت پرتگال میں جو بہت بڑا زلزلہ آیا۔ اوس کا مرکز لزبن کے مغرب کی جانب سمندر کے اندر تھا۔ بڑے زور کی موج نے زمین کو تہ و بالا کر دیا اور مکانات ایسے گرتے گئے گویا تاش کے گھروندے تھے۔ اس کا اثر بہت دور دور تک محسوس ہوا۔ اسپین۔ الجیرز۔ سوئیزرلینڈ۔ جرمنی۔ فرانس۔ ناروے۔ ڈنمارک۔ انگلینڈ۔ آیرلینڈ اسکاٹ لینڈ بلکہ شمال میں آئسلینڈ میں بھی نہ صرف زمین کو لرزش ہوتی بلکہ ندیوں۔ دریاؤں اور سمندر کے پانی میں بھی جنبش اور تلاطم پیدا ہوا۔ اس کے وقوع کے دس گھنٹے بعد امریکہ کے جزائر کے اطراف میں سمندر میں ایسا جوش پیدا ہوا کہ پانی اُس کا کئی فٹ تک بلند ہوا تھا۔ اس کے بعد برابر دو مہینے تک پرتگال۔ اسپین۔ شمالی افریقہ اور ایشیا میں خفیف جھٹکے برابر محسوس ہوتے رہے۔ اور شمالی امریکا اور نیو ہمپشیر میں چند زلزلے واقع ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ اُس رقبہ اور اُس کے گرد و نواح میں کئی سال تک زلزالی حرکات برابر جاری تھے۔

گذشتہ صدی میں مکسیکو میں بہت شدید زلزلے مسی سی پی کے نکاس میں

اور ہندوستان و نیوزلینڈ اور دنیا کے اکثر حصص میں واقع ہوئے ہیں
جن کی ایک ہی سی حالت تھی کراکاس ۱۹۰۵ء کے زلزلے میں صدمہ کی
سرعت سیر ایسی شدید تھی کہ گویا کسی نے زمین کے اندر بہت بڑی سرنگ
کو آگ دیدی ہو۔ اکثر لوگوں کی لاشیں لاکلکا کے پہاڑ پر جا پڑی تھیں
جو لیکن کی پہاڑی ندی کے اوس پار واقع ہے۔ مسٹر مالٹ نے اول لاشوں
کے ارتفاعی اچھالنے کو سو فٹ تخمینہ کیا ہے۔ یعنی ہوا میں سو فٹ بلند
ہو کر گری تھیں جس سے تموج سطح زمین یعنے صدمہ کی تیزی فی ثانیہ اسّی
فٹ حساب سے نکلتی ہے۔

جس زلزلہ نے کراکاس کو مسمار کرکے کھنڈروں کا ڈھیر بنادیا تھا۔ اور
جنوبی امریکا کے حوالی دیہات کو مرتعش کردیا تھا ۱۸۱۲ء کے اوایل میں
واقع ہوا۔ اوس وقت آسمان کی گرج سے بھی زیادہ بلند آوازیں سنائی
دیتی تھیں۔ اور کراکاس کے قرب و جوار کی زمین کھولتے ہوئے سیال
کی سطح نظر آتی تھی۔ لورڈ یارا کے مرتفعہ حصّہ میں بہ نسبت پست میدانوں کے
زلزلہ کے صدمات کی شدت زیادہ تر تھی اور یہ یہ صدمات چند روز تک
برابر جاری رہے پانچویں اپریل کو زمین کی سطح کا پست بلند ہونا کئی گھنٹوں
تک برابر جاری رہا۔ یہ صدمات جو ۲۶ مارچ سنہ مذکور سے شروع
ہوئے تھے آخر میں جب ۳۰ اپریل کو سینٹ کا کوہ آتش فشاں پھوٹ
پڑا ختم ہوگئے۔ اس کا التہاب سو برس بعد اب واقع ہوا تھا۔ اور اس کے
پھوٹنے کی آواز کراکاس میں سنائی دی جو اس سے پانچسو میل دور ہے۔
ہمبولڈ کا عقیدہ یہ ہے کہ آواز زمین کے ذریعہ وہاں تک پہونچی تھی یہ بھی
ایک مثال براکین و زلزلوں میں باہمی تعلق کی ہے کہ جہاں براکین ملتہب ہوتے ہیں

اُس کے قریب وجوار میں زلزلہ موقوف ہوجاتا ہے +

قوۃ زلزالی کی طاقت مسٹر مالٹ نے زلزلوں کے مرکز کے نیچا عمق کو (۳۵) میل یعنے (۱۸۵۰۰۰) ایک لاکھ پچاس ہزار فٹ معین کیا ہے - اور یہ با لحاظ صدمۂ ابتدائی کے ہے - مگر اسکو ایک مافوق التصور طاقت کا اثر سمجھنا چاہیئے جس سے ایسے ایسے نتائج ظاہر ہوتے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے - اور جن سے ایسے وسیع قبات متاثر ہوتے ہیں - ایک ایسی طاقت جو کئی میل ضخیم سخوراور طبقات کو اس طرح اچھال دے - امداد نہیں کیا توجہ پیدا کرسکے جس کا اثر پانچ چھہ سو میل تک ہر طرف محسوس ہو ضرور ایسی قوت ہوگی جس کا ہم تصور اور اندازہ ہی نہیں کرسکتے - جیسے جیسے ہم مرکز تشوش سے دور ہوتے ہیں اوس کا تشوشی اثر بھی گھٹ جاتا ہے - یہہ صدمات سطح زمین پر کیسے ہی شدید اور مخرب ہوں اور انسان اور اُس کے مساکن کو کتنا بھی ضرر پہونچائیں - اور زمین اور پہاڑوں کو ہلا دیں مگر یہہ سب صدمات بمقابل اوس صدمہ شدیدہ کے جو مرکز تشوش کے قریب واقع ہوتا ہے - ایک بہت چھوٹی کسر سمجھی جائے گی - زمین کی سطح اس موٹے قشر یا پپڑی کے سبب سے بہت کچھ محفوظ ہے - اور اوس صدمہ کا پورا اثر کہاں اوس کا ایک خفیف جزو بھی یہاں تک نہیں پہونچتا ہے زلزلہ کی ان سطحی طبعی آیات کو جن سے اس قدر صدمہ پہونچتا ہے فی الحقیقت اوس شدید صدمہ کا ایک خفیف اثر سمجھنا چاہیئے جو مرکز پر واقع ہوتا ہے -

ہم اپنے آئندہ مضمون میں سطح زمین کی خفیف حرکات کا ذکر کریں گے جو خالی از دلچسپی نہ ہوگا -

میرزا - مہدی خاں
وقار آباد -

بخت خفتہ

بامید سحر تکلیف شب کیا کیا اٹھائی ہے
چھپے جب وقت سب تارے تو مجھکو نیند آئی ہے

سوا نیزہ پہ ہے خورشید یورپ کی ترقی کا
اٹھو اے سونے والو وقت قسمت آزمائی ہے

خدارا قوم کو اپنی بچاؤ ہرزہ گردی سے
یہی ہے حسن اخلاق اور یہ شان ہمائی ہے

مبارک ہو مبارک بخت خفتہ قوم کا جاگا
تصدق اس کے جس نے یہ صدا مجھکو سنائی ہے

ذرا سوچو کہ وہ بھی تو تھی نوع بشر میں تھے
جنھوں نے شاہد اسلام کی رونق بڑھائی ہے

کہاں کسطرح کھنچکر ہم سے جو طناز رہتے ہیں
دل نازک پہ ناوک افگن انکی کج ادائی ہے

اگر ہم ناصح مشفق بنے بھی تو نتیجہ کیا
ہمارے منہ پہ کہتے ہیں ہمیں کو کیا صفائی ہے

امیں دولت کا تمکو کیا تھا اس لیے ہم نے
کیے دیتے ہو ضائع جو بزرگوں کی کمائی ہے

کدھر لیجاؤں یارب میں دل آشوب گستر کو
بچھا ہر دل طرف پر دام فریب بے وفائی ہے

تمنا قتل ہے اگر ایسا تو ہمکو قتل کر ڈالو
مٹو بس جاؤ کیا اوچھی سی تلوار اک لگائی ہے

کوئی ہمدرد ہو تو زخم دل کے اسکو دکھلائیں
تماشا دیکھنے والی تو یوں ساری خدائی ہے

ہم اخوان یوسف کسطرح ہیں خون کے پیاسے
نفاق وکبر لے وہ آگ اس گھر میں لگائی ہے

پڑی ہے اک گرہ دلمیں ہمارے دست نکبت سے
مدد اے ناخن ہمت دم عقدہ کشائی ہے

جگا اے نالۂ محشر طراز اسکو جو سوتا ہے
کہ اس دنیا کے ساتھ اب دین بھی برباد ہوتا ہے

عزیز لکھنوی

ناظرین تمدن براہ کرم خط وکتابت مین نمبر خریداری
کاحوالہ ضرور دین +

بیکن

لوگوں کو سخت تعجب ہوتا تھا کہ سر نکولاس بیکن Sir Nicholas
Bacon جو اس قدر نامور اور با اقتدار شخص تھا، اور جس پر ملکہ الزبتھ
کی چشم تلطف کا کچھ ٹھکانا نہ تھا، اس کا بیٹا ملکہ کی عنایت خسروانہ سے محروم
رہے، خواہ سیسل Cecil ہزار ہی اس کی مخالفت پر کیوں
نہ تلے بیٹھے ہوں، تاہم اس کی نہیں تو اس کے باپ کی قدر و منزلت و حسن
خدمات کے لحاظ سے کچھ تو ہونا چاہیئے تھا اس کا سبب ہماری تلاش سے
کچھ دور نہیں، وجہہ یہ تھی کہ نوجوان بیکن نے حقوق عامہ کی حفاظت کرتے
ہوئے، جوش طبیعت میں آکر اپنی دھواں دھار تقریروں سے ہاؤس
اوف لارڈز (طبقۂ امرے) کے دھوئیں اڑا دیے تھے اور حملوں کی بجلیاں
کوندا دیں تھیں، مسئلہ یہ درپیش تھا کہ ملکی ضرورت کے رفع کرنے کے لیے
روپیہ فراہم کیا جائے۔ اور بیچارے غریب غربا کا گلا گھوٹا جائے۔ بیکن نے
اسکی مخالفت میں جان تک کی لڑا دی تھی، اس بات پر زور دیا تھا کہ طبقۂ
شوریٰ اور امرائے کی کانفرنس اور باہمی صلاح و مشورہ سے اس مشکل پیچ کو
سلجھایا جائے۔ امرا و وزرا کی مخالفت اس زمانہ میں ایسے گناہ کبیرہ سمجھے جاتے
تھے کہ جب تک انتہا درجہ کی عاجزانہ معذرت نہ کیجائے اور متوسلین
کا پیچ میں پرانہ جمایا جائے، معافی ناممکن تھی۔ بیکن اس کو خیال میں نہ لایا!
اور نہ اسکی کچھ سلسلہ جنبانی کی۔ برے Burleigh اور سیسل
Cecil نے اس موقع کو غنیمت غیر مترقبہ بنایا اور خوب خوب نمک مرچ

پھڑکا کر اس تصویر کو ملکہ الزبتھ کے روبرو معقولانہ شان میں دکھایا۔ ملکہ جو پہلے ہی بیسے کی تحریک سے اس کی زد سے بیزار ہوگئیں تھیں، اب اُن کے شعلہ غضب کی انتہا نہ رہی۔ اس سبب سے بیکن جب کبھی سرکار عالیہ کی خدمت میں ترقی وغیرہ کا التماس کرتا تو اُس کا جواب یا تو کچھ جواب ہی نہیں ہوتا تھا یا مصلحت آمیز انکار+

لارڈ بیسے ایک نرالی وضع کا دور اندیش مستقل مزاج شخص تھا۔ بیکن کی کچھ تو خودستائی اور بے ثباتی سے وہ نالاں تھا اور کچھ وہ اس امر کو خلاف اصول سمجھتا تھا، بلکہ اُس نے شروع زمانہ سے عہد کر لیا تھا کہ اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار کی سفارش ہرگز نہیں کروں گا۔ بیکن کے مزاج میں تلون ضرور تھا، لارڈ بیسے اس عادت سے سخت جلتا تھا اور اس کی تلون مزاجی کو پولیٹکل بے ثباتی سے تعبیر کر رکھا تھا، اور یہ جرم اس کی نگاہ میں ناقابل عفو تھا۔

بیکن نے اپنے رشتہ داروں کی رشتہ امید کے آخری تسمہ کو بھی یک لخت منقطع کرنے کا عزم بالجزم کر لیا اور ارل اوف ایسکس[۱] کی پارٹی میں جا ملا۔

[۱] ارل اوف ایسکس: رابرٹ ڈیورو ارل اوف ایسکس Robert Devereux Earl of Essex ۱۵۶۶ء میں پیدا ہوا۔ دربار میں حاضر ہونے کے تھوڑے ہی روز بعد ملکہ جا کے چاہیتوں میں ہوگیا۔ اور اتنا کہ Armada کو ناقابل تسخیر آرمیڈا کی چڑھائی کے زمانہ میں ملکہ الزبتھ نے اُسے دم بھر کے لیے اپنے سے جدا نہونے دیا، حالانکہ اس نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے کہ میدان کارزار میں اُسے شریک ہونے دیا جائے۔ اُس نے نہایت کامیابی کے ساتھ فرانس اور پرتگال کی مہمات سرانجام کیں ۱۵۹۶ء میں اسپین کے خلاف فوج کا کمانڈر مقرر ہوا جہاں سے وہ بے شادکام پھرا۔ کیڈز کی تسخیر سے اُس نے اپنی خدمات کو ممتاز کیا۔ دوسرے سال کی

نوجوان ارل بڑا طباع اور تند خو تھا، اور شوخی طبع بعض اوقات اُسے ملکہ کے حضور میں بھی پایہ ادب سے گرا دیتی تھی جو کئی بار اس کے حق میں سم قاتل ہو ہو کے رہ گئی اس نے بھی فلک کجرفتار کی عجیب عجیب نیرنگیاں دیکھیں اقبال جب اس کا اوج پر آیا تو قلمرو سے انگلستان کے عرش کا تارا بنایا باد مخالف کا جھونکا آیا تو ایسا گرایا کہ تحت الثریٰ میں پہنچایا، ملکہ الزبتھ یا تو اس وقت مہربان تھیں کہ گلے کا ہار بنایا، زمانہ نے پلٹا کھایا تو ایسی بلندیں کہ دار پر کھچوایا۔ ان ایام فرحت فرجام میں ارل انگلستان کی پالٹیکس کے جہاز کا ناخدا تھا اور لارڈ برے کا رقیب، بیکن سے اُسے ایسی انس حقیقی اور محبت صادق ہوگئی تھی، کہ اسکی رفاقت کا بیڑا اُٹھایا، ملکہ سے بار بار بصد اصرار اٹارنی جنرل شپ attorney general ship اور سالسٹر جنرل شپ Solicitor General ship کی استدعا کی سے تجتی بیکن سے کچھ نہ چلنے دی، آخر کار مجبور ہو ماسٹر آف دی رولز Master of Rolls کی نسبت نہایت شدومد سے عرض کی۔ انتہا یہ ہوئی کہ ملکہ جہاں کار کو با جبرو اکراہ

بقیہ صفحہ ۵۳ اہم اپنے ناکام رہا۔ ملکہ الزبتھ نے جن سے وہ ہمیشہ الٹا جھگڑتا رہتا تھا اس بار سرمہری سے اس کا خیر مقدم کیا۔ ملکہ کی عنایت ولطف پر بھروسہ کر کے اس نے کچھ وحشیانہ برتاؤ کیا ملکہ نے اس کے کان پر ایک گھونسا رسید کیا اور کہا میرے سامنے سے دور ہو اور سولی چڑھو۔ چند ماہ کے بعد ملاپ ہوگیا اور آئرلینڈ کا لارڈ لفٹننٹ مقرر ہوا۔ ۱۵۹۹ء جہاں بغاوت کا اندیشہ تھا۔ آئرلینڈ میں اس کا عہد حکومت ناکام رہا۔ ستمبر میں انگلستان واپس آیا۔ شورش بپا کرنے کے جرم میں اسے اس کے مکان میں قید کر لیا گیا۔ اس نے ایک دستہ فوج سے مقابلہ کیا چھوٹی سی لڑائی کے بعد وہ پکڑا گیا اور ٹاور میں بھیجدیا گیا۔ ۱۹ فروری کو بالجرم بغاوت اسکا ٹرائل ہوا۔ اور ۲۶ فروری کو پھانسی پر چڑھایا گیا۔ از ماڈرن سائیکلوپیڈیا

یہ کہہ دینا پڑا کہ آیندہ بیکن کا نام میرے سامنے زبان پر نہ آئے جبکہ متذکرۂ بالا عہدے بیکن کے آنکھوں کے سامنے غیروں کو دیدیئے گئے تو اس شوربخت کا دل اپنی بےکسی پہ بھر آیا۔ افسردگی اور مایوسی کی گھٹا چھاگئی، ارل سے جو بڑا جوہر شناس تھا اس کے غنچۂ دل کی کسلاہٹ نہ دیکھی گئی۔ نہایت خلوص دل اور منت قبول سے ٹوکنہام Twickenham میں ایک املاک جس کی حیثیت تقریباً دو ہزار پونڈ یا تیس ہزار روپے کی تھی۔ بیکن کی نذر کی۔ ان دنوں دونوں میں جذب جنسیت اور رسم الفت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ یک جان دو قالب کہنا ناموزوں نہ ہوگا۔ بیکن ایسکس ہاؤس Essex House (قصر ارل) کی تمام نعمت الوان میں شریک رہتا تھا۔ اس زندگی کی فرط مسرت نے صحبت عیش و نشاط Conf: of pleasure کے عنوان سے سلسلۂ مضامین لکھوایا۔ خوش حالی اور بےفکری نے سمند طبع پر تازیانہ کا کام دیا، اور ایسے معرکۃ الآرا مضامین لکھے جس پر "قصر علوم" Palace of learning مختصر شاہد ہے اور جیسا کہ گیو رسم Gesta Grayorum کی مضمون نگاری عیاں کرتی ہے، آسے لوگوں کے مذاق اور طبیعت میں پورا پورا دخل تھا، جسے اس کا مضمون سوانگ بھرنا اور کامیاب ہونا Masque Mask ظاہر کرتا ہے۔ یہ مضمون ۱۵۹۶ء کی جلد میں نکلا۔

۵؎ Masque Mask انگلستان میں بھی تفریح طبع کے عجیب سامان ہیں۔ منجملہ اور ہزارہا کھیلوں اور شوقوں کے ماسکرڈ Masquerade یا امرا اور رؤسا اور انکی لیڈیوں کا بھیس بدل کر شب کے وقت یکجا جمع ہونا نہایت دلچسپی رکھتا ہے۔ یہ ایک امیرانہ و شاہانہ چوچلہ ہے۔ چارلس دوم و جارج چہارم کے

انسان ضعیف البنیان خطا سے مرکب ہے۔ بیکن کا پایہ گو علمی لحاظ سے نہایت
بلند تھا، مگر اسیقدر اخلاقی پہلو سے گرا ہوا تھا۔ شروع زمانہ میں ترقی کے
خار دار رستہ سے طے کرنے میں اُسے بے شمار تشنہ کامیوں کا سامنا ہوا۔
ترقی اُس کے لیے جبلی صفت ہو گئی تھی اور اوج ہماسے زیادہ دوش
حرص و طمع نے تمام لطیف احساسات پر سیاہی کا پردہ ڈال دیا تھا۔ اب
وہ جائز و ناجائز وسائل کچھ نہیں دیکھتا تھا۔ ترقی کے قدم بڑھو آگے بڑھاتا تھا
اسی زمانہ میں ارل کا طالع قسمت نصف النہار پر چمک کر برج زحل میں آ رہا تھا۔
آئرلینڈ میں ارل اوف ٹائرن کی سرکردگی میں سرکشی ہوئی۔ ارل کو اس کی
سرزنش کے لیے بھیج گیا۔ بغاوت فرو کرنے میں ارل کی تمام کوششیں
بے سود گئیں اور شومی اتفاق پر اتفاق اس بیچارے کے ذمہ خود
مفسدہ پردازی و ہنگامہ بپا کرنے کا الزام لگایا گیا۔ اس جرم کی صحت و سقم
پر بحث کرنا ہم مصلحت نہیں سمجھتے تاہم اتنا ضرور ہے کہ بیکن کو ارل کی
شاہ اسکاچ سے کسی قسم کے عہد و پیمان کی پوری خبر تھی، بیکن نے اعتماد
راز داری کا خون کرنے اور اپنے مربی کے گرفتار کرانے میں کوئی
دقیقہ باقی نہ رکھا۔ دوبارہ اس نے "دخل در معقولات" دیا اور عدالت کو مقید

بقیہ صفحہ (۵۴) زمانے میں اس قسم کے جلسوں کا بہت زور تھا۔ اسمیں شریک ہو نیوالوں کی
ہیئت کذائی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ لوگ عجیب و غریب نوٹو سے نمودار ہوتے
ہیں۔ تن پر ایشیائی ملک کا لباس اور اس کے مطابق چہرہ پر بیجا یا نقاب، رقص
سرود، ہنسی مذاق، راز و نیاز اسکا مقصد اعلیٰ ہوتا ہے، مدتوں کے بچھڑے ہوؤں کو بھی
کلیجہ ٹھنڈا کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ لباس کا پہلے سے بن سمجھوتا ہو جاتا ہے۔ بیکن نے اپنے
مضمون میں اس تفریح کے لطف کو شائستگی کے ساتھ حاصل کرنیکا طریقہ بتایا ہے ۱۲

مفید نکات بتاتے ورنہ کوکس [illegible] کے منتشر اظہارات نے عدالت
کو مزید شک بنادیا تھا، اور چراغ امیدیں جان پڑتی جاتی تھی، ارل کی
رہائی ظلمات سے نور میں نکلتی آتی تھی۔

پروفیسر گارڈنیر Prof. Gardener کی رائے دونوں پہلو دار تیر
آئینہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں "اس میں کلام نہیں بیکن کا رویہ صحیح طور پر دلالت
کرتا ہے کہ وہ حس اخلاقی سے بہت کچھ معرّا تھا۔ تاہم ہمارا یہ خیال کہ ذاتی
بندشوں کو امور سیاسیہ پر ترجیح دیجائے امور سیاسیہ کی اہمیت پر حصر رکھتا
ہے، اور ایسی صورت میں جبکہ بدنظمی اور بدامنی کے دورہ دورہ کے ساتھ
لوگوں کی عزت و حرمت کی خاک ریزی ہو، لوٹ و غارت مچ جائے اور
ملکہ کا حق انتخاب وزراء چھین جائے مشکل سے عائد ہوتا ہے"

مئی چلا اور ہر دلعزیز ارل اوف ایکس الزام بغاوت میں ماخوذ ہوا زمانہ
نے ایسا ورق الٹا کہ نام و نشان تک نہ رکھا۔ یہی مخلوق انگلستان جو اس کے
دست فاتح پر ہزار جان سے قربان تھی، جس نے قومی ہیرو بن کر
کیڈز کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور قوم کی عظمت کو بڑھایا تھا اب
بلا لحاظ حسن خدمات ایسا رنگ بدلا کہ اسکی خون کی پیاسی ہوگئی۔ ملکہ الزبتھ
کے تخت کو ہلادیا۔ ملکہ مخلوق کا یہ طور دیکھ کے کانپ اٹھی اور بادل ناخواستہ
حکم نافذ کرنا پڑا کہ از روے سرشتہ کاغذات بغاوت تیار کیے جاویں۔
یہ کام بیکن کے سپرد کیا گیا اس موقعہ پر بیکن نے اپنے محسن و مربی کے ساتھ
وہ کفران نعمت اور محسن کشی کی کہ جس سے اس کا دامن صفات ایسی غلاظت سے

۱ [illegible] منکز بیکن اور ایسیز اوف میکالے میں درج ہے۔ پروفیسر

۲ ملکہ الزبتھ نے ارل کے قتل پر اپنی ذات کو معاف نہیں کیا اور مرتے دم تک ارل کی موت کا اسے ملال رہا

آلودہ ہوگیا جو اس کی تمام فلسفی اور اخلاقی تصانیف کے سات سات پانی سے بھی دھویا جائے تو صاف نہیں ہو سکتا۔

مقدمہ کی کیفیت کو بیکن نے دل کھول کے رنگا۔ اس کے کمزور پہلوؤں کو خوب آب و تاب سے چلا دیا، اور ہر نکتہ پر ایسی سیاہی ڈالی کہ ملزم بریت کے ہزار سامان کرے تو بھی اس کے لیے بچنا محال ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ارل پر فرد جرم ثابت ہوگئی اور اس نے پھانسی پر دم توڑا۔ یا تو بیکن کے ضمیر نے چٹکیاں لے لے کے اسے ادھیڑ دیا یا ارل کے یار و آشنا کے طعن و تشنیع نے اس کا نفس تنگ کر دیا، بہرحال اس نے چند ہی روز بعد اپنی صفائی میں ایک رسالہ موسومہ معذرتِ جرم [illegible] شائع کیا۔ جو دلائل عقلی و نقلی کی لطیفہ سازی کے مزہ میں مصلحتِ وقت کے اجتہاد سے بھی پوچ و بچر ہے۔ اسی بنا پر یقین کے درجہ پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے مضمون بہ عنوان "دوستی" میں جو عبارت نہیں ہے[1] سے اس قسم کے "لوگ بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے اسٹیج پر ہم ہمیشہ ایک خاص ترکیب سے کارسازیاں کرتے رہیں گے، جس کا راز صرف ہمیں کو معلوم ہوگا اور کبھی اس کا پردہ فاش نہ ہوگا، لیکن یہ نہیں سمجھتے متواتر ریاکاری ایک خوفناک چیز ہے، اور فی الحقیقت وہ شخص جو ہمیشہ کامیابی کا پھریرا لہراتا ہے اور فطرت انسانی کے تیز حوادث سے ناآشنا ہے، ایک خوبصورت کشتی کی مثال ہے،" اس کا روئے سخن ارل او فنا سیکس کے رویہ کی طرف ہے۔ یہ مضمون بیکن نے ۱۶۰۵ء میں لکھا تھا لیکن بار دوم جو ۱۶۲۵ء میں شائع ہوئی اس میں اس نے اڑا دیا۔

---

[1] ماخوذ از مضامین بیکن، مرتبہ آزر صاحب۔

۱۵۹۷ء میں بیکن کے مضامین اول بار بہت چھوٹی تقطیع پر شائع ہوئے تھے اسکو بیکن نے اپنے بھائی انتھونی Anthony کے نام معنون کیا تھا۔ اس میں دس مضمون تھے (۱) مطالعہ (۲) گفتگو (۳) آداب و اخلاق (۴) دوست اور پیرو (۵) انتخاب شادی Suitors (۶) اخراجات (۷) قواعد صحت (۸) اعزاز و شہرت (۹) فرقہ بندی (۱۰) معاملہ کرنا۔ یہ کتاب مضمون آفرینی، لطف محاورہ اور کمال انشا پردازی میں اپنی نظیر آپ ہی تھی، اور ایسا قبولیت کا جامہ پہنا کہ زبان زد خاص و عام ہوگئی۔

ملکہ الزبتھ کا پر شکوہ دور سلطنت جو یادگار زمانہ تھا قریب الاختتام ہو چلا تھا ملکہ کا دل بے ثباتی اور ریاکاری دنیا سے بیزار ہوگیا تھا۔ چونکہ اُسے تحقیق ہوگیا تھا کہ وہ امرا جنھیں وہ دل و جان سے اپنا شیدا و جان نثار سمجھتی تھی۔ اسکے بیٹے جیمس اسکاٹلینڈ کے ہلال نو ورز[ا] کو دربردہ مراسم بندگی بجا لارہے تھے اور ملکہ سے یک گونہ کنارہ کشی کرتے جاتے تھے۔ زمانہ کی بیوفائی اور ملکہ کی جانکاہ تنہائی جس قدر دل سوز تھی اسی درجہ قابل رحم۔ اُس کے تمام کہن سال رفقا و وزرا شربت مرگ پی چکے تھے۔ برگھے جو ان سب سے فائق تھا ۱۵۹۸ء میں لقمۂ اجل بن چکا تھا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا مسند وزارت پر متمکن ہوا تھا۔

سترھویں صدی کی نئی پود عالم موجودات میں سبزہ خودرو کی طرح جوش مار رہی تھی اس کا فکر، نئی تدبیر اور نئے ہوش کے فانوس سے روشن تھا۔ زمانہ کی نئی اُفق کے ساتھ کہنہ اصول سیاست کو نت نئی چالوں سے کالعدم فی الوجود کردیا تھا۔ اس کی تدابیر سیاسیہ کی چاشنی میں لطف ہی اور تھا۔ اسکاٹ لینڈ کے مہر کے پرستش کرنے والوں میں بیکن سب سے چار قدم آگے تھا۔ یہ ظالم تو ایک

[ا] ہلال نو ورز جو بعد میں جیمس شاہ انگلستان و اسکاٹ لینڈ ہوا۔ ۱۲

زمانہ سے شاطرانہ یا لیس چل رہا تھا۔ ایکطرف تو ملکہ الزبتھ کی خیر خواہی میں زمین
و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ آئرلنڈ کی مصالحت پر لارڈ اسیل
کو ایک ایڈریس دیا۔ جس میں بے انتہا کرتو ڑسے حق وفاداری و نمک
حلالی کا اظہار کیا۔ دوسری طرف انگلستان کی جیمس ششم شاہ اسکاچ
پر ڈورے ڈال رہا تھا اور دام تزویر میں لارہا تھا۔ جونہیں کہ انگریزی سلیمان
تخت انگلستان پر جلوہ افروز ہوا، بیکن درباری ولپیندیدہ باتوں کے سازو
سامان سے تیار ہو کر خدمت میں حاضر ہوا۔ معترضین جو ہر خداداد تھا،
جو بات دماغ سے اتارتا ہوگا، وہ شربت کے گھونٹ کی طرح کانوں
کی راہ سے دل میں اتر جاتی ہوگی۔ جھوٹ بھی بے معنی اور لطافت سے خالی
نہ ہوگا۔ اثر یہ ہوا کہ چندہی روز ۱۶۰۳ء میں نائٹ ہڈ[۲] کا خطاب معہ ساٹ پونڈ
پنشن کے عطا ہوا۔ یہ پنشن بہ صلہ حسن خدمات انتھونی برادر بیکن عطا ہوئی
جو جیمس James شاہ اسکاٹ لینڈ کا تخت انگلستان پر سریر
آرا ہونے کا دل و جان سے خواہاں تھا اور ۱۶۰۴ء میں عالم جاودانی کو
سدھار چکا تھا۔ پھر تھوڑے روز بعد بیکن مشیر شاہ یا King's
Counsel مقرر ہوا۔ اور اس کے صلہ میں چالیس پونڈ سالانہ کا اور
عطیہ ہوا۔ بادشاہ کی خوشامدانہ ہمدردی اس پیرایہ میں کی تھی کہ زبان
قلم سے تاج و تخت انگلستان و اسکاٹ لینڈ کے اتحاد میں کاغذ پر
دلائل اور براہین کے پل بست دوڑا دیے۔ نتائج اور تیغ دہن سے
تقریروں میں شرارے پیدا کر دیے تھے۔ فی الحقیقت اس باب میں

---

[۱] جیمس اوّل کی طرف اشارہ ہے۔ James I

[۲] نائٹ ہڈ۔ کے، سی، ایس، آئی کے خطاب کو کہتے ہیں۔

اُس کے مضامین ایک قابلانہ صفت ہیں، جس میں اُس نے "اتحاد" کو تاریخ و مشاہدہ یا عقلی و نقلی دلائل کی رُو سے نہایت عالمانہ طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہتا ہے "قانون قسمت، صحیح قانون مصلحت کے بالکل مطابق ہیں، ان میں کچھ فرق نہیں، ایک نظام عالم کی باقاعدگی ہے دوسری نظام سلطنت کی "سلطنت کی سچی عظمت" کی داغ بیل "اتحاد" انگلستان و اسکاٹ لینڈ کے مضمون میں ڈال چکا تھا۔ اسی پر اُس نے یہ عبارت چنی۔ یہ ذکر کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ جب جمس نے اکتوبر ۱۶۰۴ء میں شاہ برطانی اعظم King of Great Britain کا لقب اختیار کیا تو بیکن کے ہی بیچ ذرے برطانی Brittany سے برطین Britain تخفیف ہوا۔ خیر بیکن نے اتحاد انگلستان و اسکاٹ لینڈ پر ایسی ساطع و قاطع دلائل پیش کیں کہ جائنٹ کمیٹی، جو اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے جمع ہوئی تھی، اس نے اسکی تجاویز سے سرِ مو اختلاف نہیں کیا۔ اور اگر جمس اول یہ شق بیچ میں نہ نکالتا کہ ملکی اور غیر ملکی کے حقوق سلطنت میں کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیے اور ضد سے پیش نہ آتا تو اتحاد انگلستان و اسکاٹلنڈ کی تکمیل اس کی اصلی تاریخ سے سو سال پیشتر ہو چکی ہوتی۔

باقی آئندہ

سید شوکت علوی

سلسلۂ تصاویر خدیوان مصر پر ہمارے محترم سید شوکت صاحب جو مضمون لکھ رہی ہیں وہ آئندہ پرچہ میں درج ہوگا۔

شکوۂ بخت

کامیاب ایک جہاں مجھ سے ہے اور میں ناکام / میری تقدیر کی گردش ہے مگر گردشِ جام

بزمِ عالم میں ملی قسمتِ ساقی مجھکو / آپ پینے کی قسم سب کو پلانا مرا کام

دل ہے انگور مرا خونِ دل آبِ انگور / خود کوئی لطف نہیں اور میں سرشارِ عوام

جس طرح شیشہ کہ ہے لذتِ مے سے محروم / اور شیشے ہی میں ہے بند شرابِ گلفام

یا وہ بیکس ہوں کہ پینے کا ہو قدغن جس کو / اور اک سامنے رکھا ہو البریز ہو جام

بلکہ وہ خادمِ میخانہ کہ تلچھٹ نہ ملے / اور سیراب مرے ہاتھ سے ہوں مے آشام

حوضِ کوثر پہ بھی پہونچوں تو رہوں تشنہ دہن / خلد میں جا کے پلٹ آؤں میں بے نیلِ مرام

منحصر درد کی لذت پہ مرا عیشِ ابد / ضبطِ گریہ پہ ہے موقوف مرا شربِ مدام

بزمِ عالم ہمہ معمورۂ عشرت لیکن / اپنے حصے کا نہیں خمکدۂ دہر میں جام

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک ہیں کارند / لیکن اپنا تو کسی سے بھی نکلتا نہیں کام

جامِ معکوس کے مانند مہ و مہر و نجوم / صورتِ کاسۂ خالی فلکِ نیلی فام

گرچہ ہم صورتِ ساغر ہیں حبابِ لبِ جو / میری قسمت سے مگر وہ بھی ہیں اوندھے ہوئے جام

اس طرح خونِ تمنا سے مرا دل معمور / موجزن جیسے صراحی میں شرابِ گلفام

بے بہا جنس کی صورت ہوں جہاں میں بیکار / بکنے بھی جاؤں تو بازار میں اٹھتے نہیں دام

خواب میں بھی نہیں ممکن ہے نشاط و عشرت / مٹ گیا عیش کا یوں صفحۂ تقدیر سے نام

تلخکامی میں بھی ہوتی ہے حلاوت کچھ کچھ / لیکن اپنے لیے اتنی سی بھی لذت ہے حرام

اب تو کھانے کو نہیں خونِ جگر بھی باقی / ضعف نے مجھ کو بنایا ہے وہ لاغر اندام

سوئی تقدیر کچھ ایسی کہ نہ لی پھر کروٹ / شام سے صبح ہوئی اور ہوئی صبح سے شام

رات آتی ہے بلا خیز شبِ ہجر کی طرح — ختم ہوتا ہے اگر روزِ مصیبت انجام

دل کو فریاد کی طاقت نہ توانائی ضبط — پانوں کو تابِ گریز اور نہ یارائے قیام

ان بلاؤں میں گھرا ہوں کہ عیاذاً باللہ — کسی پہلو کسی کروٹ نہیں ملتا آرام

قبر ہے میرے لیے خانۂ تاریک مرا — ایک ہی حال ہے ہر وقت یہاں صبح و شام

اک دلِ زار مرا اور ہزاروں آفات — اک مری جانِ حزیں اور ہزاروں آلام

کر دیا غم نے گھلا کر مجھے کانٹا ایسا — کہ کھٹکتا ہوں زمانے کی نگاہوں میں مدام

انگلیاں میری طرف اٹھتی ہیں مثلِ مہِ نو — سارے عالم میں نہ ہوگا کوئی مجھ سا بدنام

گردشِ انجم و افلاک کو مجھ سے ہی ہے ضد — دن کی خواہش یہ ہو شب صبح کی خواہش یہ ہو شام

آگ برسے جو مجھے ہو کبھی بارش مطلوب — برق چمکے جو مجھے ہو طلبِ ماہِ تمام

مٹی ہو جائے چھوؤں میں جو طلائے خالص — خاک ہو جاتا ہے ہاتھ میں آتے ہی مرے نقرۂ خام

عالمِ یاس میں دیکھوں جو فلک کی جانب — چشمِ اختر سے ہویدا نگہِ خوں آشام

شعلے دریا سے اٹھیں تشنہ لبی پر میری — ہو مرے غسل کی خواہش پہ خمودِ حمام

ذبح کرنے کو مہِ عید دکھائے خنجر — خیریت سے کبھی کٹ جائے اگر ماہِ صیام

دل سے دل ملنے کی تدبیر ہے اک امرِ محال — بلکہ اس نام سے ممکن نہیں توام بادام

دردِ دل زخمِ جگر سوزِ محبت در گور — لوگ سمجھیں کہ جنوں ہے جو مجھے ہو سرسام

ضبطِ گریہ کی یہ کثرت کہ ہے دل اک دریا — سوزِ غم کی وہ حرارت کہ ہے سینہ حمام

دل میں وہ مجمعِ حسرت کہ نفس دشوار — چارہ گر کو یہ گماں ہے کہ ہوا ہے برسام

وصل میں حالِ دلِ زار کی آنکھیں غماز — ہجر میں رازِ محبت کا ہے آنسو نمام

نامرادی جو یہی ہے تو خدا حافظ ہے — بیدلی کا ہے یہی دور تو دنیا کو سلام

فرصتِ عمر قلیل اور یہ قصہ ہے طویل — تا کجا شکوۂ ناسازیِ بخت و ایام

دیر تک شب کو اسی فکر میں غرقاب تھا میں

اور گھیرے ہوئے تھے دل کو ہزاروں اوہام

کبھی ناقدری دنیا سے طبیعت مایوس کبھی امید سے پیدا ہوس ناقص و خام

یاس و امید میں تا دیر رہی رد و بدل آخرش عقل نے صادر کیئے اپنے احکام

موزفشاں دل سے ہوئی یوں بزبان گویا کیوں ہے سرگشتہ نیرنگ طلسم اوہام

بدسلوکی زمانہ کی شکایت تا چند ناکامی مقدر کو کہاں تک الزام

سعی کو یاوری بخت کی کچھ قید نہیں عرض جو ہر کا مقرر نہیں کوئی ہنگام

گرچہ ہر بات میں ہے مرضیٔ خالق مضمر پھر بھی انسان کو بنایا نہیں قسمت کا غلام

ہے بشر کیلیے تقدیر معما ر ازل اور تدبیر ہے اک لوح طلسم انجام

پڑتی ہے رشتۂ تقدیر میں جب کوئی گرہ

لیتے ہیں اہل خرد ناخن تدبیر سے کام

اخگر

یاسمین ۔ پروفیسر میرزا محمد سعید صاحب ایم۔ اے مصنف خواب ہستی کا یہ لاجواب نتیجہ فکر ناول، در تمدن الحسنی کی پہلی کتاب جس کا سوقعہ ملک کو انتظار رہتا تھا تیار ہو گئی ہے یہ کتاب جو درحقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلبا کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

یاسمین جو اس تمام قصہ کی جان ہے اور بنگالہ کی ایک مشہور نازنین ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفہ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے۔ قابل مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونے کی کافی ضمانت ہے قیمت فی جلد عہ منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجیے

ہیئت

جملہ فنون میں سے علم ہیئت کی قدامت امر مسلمہ ہے علم ہیئت النجوم جس سے اجرام سماوی کی تقسیم ان کے افعال خدمات حرکات کا پتہ چلا مسلمانوں کی جانکاہی اور ان کی تحقیق و تلاش کا سب سے زیادہ ممنون ہے۔

قدرت کے انعامات میں وحشت و تہذیب علم و جہالت، افریقہ کی وحشی اقوام اور یورپ کے متمدن۔ قبیلے قوت مشاہدہ کے اعتبار سے یکساں ہیں شب و روز کا انقلاب، موسم کا تغیر و تبدل، آفتاب کا طلوع و غروب، ماہتاب کا عروج و زوال ہر کام کرنے والی آنکھ کے روبرو ہے، لیکن طلسم قدرت پر غور کرنے والی عقل بآسانی یہ نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ قدرت کا ہر انتظام صرف انسانی دنیا کے بقا کی ضرورت ہے اور نظام عالم حیات انسانی کی آسائشوں میں سہولتیں پیدا کر رہا ہے۔

وہ بھولا بھٹکا مسافر جو تمام رات جنگل بیابان میں مارا مارا پھرا جس کو منزل مقصود کا پتہ تک نہیں وہ تباہ و برباد ہونیوالی کشتی جسکو باد مخالف منزل مقصود سے دور لے گئی اور ملاح کنارہ کی صورت دیکھنے کو تڑپ رہا ہے اس بے بسی اور بیکسی کے عالم میں ستارونکو دیکھ کر دلوں کو یہ تسکین دے رہے ہیں کہ خطرناک رات کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا۔ کاشتکار موسم کا پتہ آسمان سے لگا لیتا ہے اور دیکھنے والے ہوا کا رخ پہچان کر بارش سے خبردار ہو جاتے ہیں۔ المختصر قدرت کے انتظام پیش نظر ہیں اور عقل انسانی اس سے نتیجہ اخذ کر رہی ہے۔

مصری ہندی چینی کالدی وغیرہ سب کا دعوے ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے علم ہیئت پر توجہ کی اور سائنس کو معراج کمال پر پہونچایا ہم اس وقت ان تمام دعوؤں پر سرسری نظر ڈالتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ چین میں ہیئت کی ترقی نہایت قدیم زمانہ میں ہوئی گرہن کا حساب ان کے ہاں پانچ ہزار برس تک پہلے کا موجود ہے جو ہی لینے چین کا وہ مشہور شاہنشاہ جو اس سلطنت کا بانی ہے علم ہیئت کا پہلا ماہر تھا جس نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اس علم کی تحصیل میں بسر کیا جو ہی سنہ عیسوی سے تین ہزار برس پہلے موجود تھا اور حقیقت اس نے علم ہیئت کی بڑی قدر دانی کی اس کے بعد شاہنشاہ سوانگ ٹی نے ایک رصدگاہ تیار کی جس میں سال و ماہ کے حساب کی صحت کیجاتی اسی کی کوشش اور تلاش کا یہ نتیجہ تھا کہ شمسی اور قمری مہینے برابر نہیں ہوتے ہوانگ ٹی ہیئت کی تلاش میں اس قدر سرگرم اور صحت کے اعتبار سے اس قدر سخت تھا کہ اگر کسی ماہر فن کی کوئی پیشین گوئی غلط ہو جاتی تو اس کا خمیازہ سزائے موت تھی اس کے بعد جب یاؤ تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوا تو اس نے بھی علم ہیئت کی خدمت میں کسر نہ کی اور چینی سال اب تین سو پینسٹھ روز کا اسی کے دوران حکومت کی یادگار ہے۔

ان تینوں کے بعد چیو کانگ کے زمانہ میں بھی علم ہیئت نے سرزمین چین پر بہت معقول ترقی کی مگر افسوس چیو کانگ کے بعد چین سے اس علم کی قدر دانی اٹھ گئی اور سن جی ہانگ ٹی کو اس فن سے ایسی نفرت ہوئی کہ اس نے نہ صرف رصدگاہیں برباد کردیں بلکہ تمام کتابیں بھی جلوا دیں مگر مسلمانوں کی خوشہ چینی سے وہ بعد میں مستفید ہوئے۔ کیونکہ اکثر علمائے ہیئت

مسلمانوں کے چین میں پہونچ گئے تھے۔

چین کے بعد جب ہم ہندوستان کی ہیئت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمکو مختلف خیالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ سائنس کی تمام ترقی و سرسبزی کا فخر اس سرزمین کو حاصل ہے بعض کہتے ہیں کہ جب فیثاغورس ہندوستان آیا تو اس نے اس علم کو یہاں بھی رائج کیا۔

ان دو کے علاوہ ایک تیسری رائے بھی ہے کہ نویں صدی میں مسلمانوں کے ساتھ علم ہیئت بھی ہندوستان میں آیا اور ان کے تنزل کے ساتھ یہ بھی کمال کو پہنچکر برباد ہونا شروع ہوا۔

ہمکو اس سے بحث نہیں کہ کونسی رائے درجہ صحت کے قریب ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ فیثاغورث اور گوتم بدھ کا زمانہ قریب قریب ایک تھا مگر سری کرشن کا زمانہ ان دونوں سے بہت پیشتر تھا اور سری کرشن کی بابت منجموں کی پیشین گوئیاں ہوچکی تھیں جس سے ظاہر ہے کہ علم ہیئت کا وجود اس وقت بھی ہندوستان میں تھا۔

تاریخی واقعات تیسرے خیال کو بھی مسترد کرتے ہیں اور پہلا ہی خیال ہندوستان کے متعلق زیادہ صحیح معلوم ہو رہا ہے۔

یونانی مورخ قالدی اور مصری اقوام میں علم ہیئت کے قدیم نشانات کے وجود کا اعتراف کر رہے ہیں۔ ان کے سامنے کالڈیا کا صاف مطلع تھا اس لئے انہوں نے اس فن کو واقعی ترقی دی۔ اور کسوف و خسوف کے دو سو تئیس دورے جو اٹھارہ سال شمسی میں ختم ہوتے ہیں ان ہی کی تحقیقات کا نتیجہ ہے اسیطرح فنیشی قوم کی کوشش بھی قابل تسلیم ہے مگر ان کی تمام کوششیں جہازرانی پر منحصر ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جہازرانی میں ان کو ستاروں کی پوری تحقیقات کرنی پڑی ہوگی مگر افسوس واقعات انکی محنت کا پتہ نہیں دیتے۔ (باقی)	ایف۔ احمد۔

گورِ غریباں کی سیر

گیا میں گورِ غریباں میں ایک دن احسن — اداسی ایسی تھی چھائی کہ گم ہوئے اوسان

سنا تھا میں نے کہ مدفن بھی ایک بستی ہے — مگر جو دیکھا تو پھر عقل ہو گئی حیران

بس ایک مٹی کے تودوں پہ پڑ رہی تھی نگاہ — نہ آدمی کا پتہ تھا۔ نہ تھا گھروں کا نشان

نہ بام و در نظر آیا نہ کھڑکی و غرفہ — نہ کوٹھا تھا نہ اٹاری نہ صحن اور دالان

بغور قبروں کو دیکھا تو بڑھ گئی حیرت — پتہ نہ تھا کہ یہ درویش تھا یہ تھا سلطان

سوائے خاک کے کچھ اور امتیاز نہ تھا — کہ یہ مزار ہے بڈھے کا ہے یہ قبر جوان

یہ وہ جگہ تھی کہ سوتے تھے ہر طرح کے لوگ — بنی تھی سب کے لیے صرف گور تیرہ مکان

ہزاروں ایسے کہ مشہور تھے زمانہ میں — کہ جن کا ایک زمانہ تھا [illegible]

ہزاروں ایسے کہ تھی جنکے حسن کی اک دھوم — کہ جنکی ترچھی نگاہیں نکال لیتی تھیں جان

ہزاروں ایسے کہ تھے جنگجو و قلعہ شکن — کہ جن کے پاس تھی ہر وقت تیغ و [illegible]

ہزاروں ایسے کہ تھے خوش گلو کبھی مشہور — کہ چھیڑ دیتی تھی دلکو جن کی اک اک تان

ہزاروں ایسے ہی عالم ہزاروں ایسے فقیر — مرید جن کے کمالات کا تھا سارا جہان

غرضکہ سب ہی اُجڑے دیار میں آئے — مگر جو ڈھونڈیے اُنکو تو [illegible]

میں جب کھڑا تھا تبھی کچھ ایسی بیخودی چھائی — کھلیں تھیں عالمِ حیرت میں [illegible] زبان

یکایک آئی کسی سمت سے صدائے عجیب — تھی اس طرح کی [illegible] کان

"یہ کیسی تجھکو ہے حیرت سمجھ تو لے غافل — جہاں میں [illegible] چند روزہ مہمان

فنا ہی سب کے لیے اور ہمیں یہ آنا ہے — نہ اس میں شبہ و شک ہے نہ اس میں وہم و گمان

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید — ز جام دہر مئے کل من علیہا فان

[illegible]

فراق

در فراق تو چہا اے بُت محبوب کنم
صبر ایوب کنم گریۂ یعقوب کنم

آہ! فراق کہنے کو تو ایک چھوٹا سا چار حرفی لفظ ہے مگر معلوم نہیں کس قیامت کا اثر رکھتا ہے کہ اس کے ذکر سے سخت سے سخت دل بھی بھر آتے ہیں۔ یوں تو فراق چاہے کتنے ہی عرصہ کے لیے ہو بُرا ہوتا ہے مگر ہائے وہ فراق جسے "فراق دائمی" کہتے ہیں کن الفاظ میں بیان کیا جائے کس قدر مصیبت ناک ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

جدا کسی سے کسی کا غرض حبیب نہو   یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہو

اور آہ آہ جدائی بھی وہ جدائی جو ہمیشہ کے لیے ہو۔ آہ موت بڑی ظالم ہے ایک کو لیجاتی ہے اور ایک کو چھوڑ جاتی ہے۔ اللہ اللہ جن کے لیے ہزاروں منتیں مرادیں مانی جاتی تھیں اور جن کا سن وسال ابھی اس بے رحم کے شکنجہ میں پھنسنے کے قابل نہ تھا وہ تو چل بسے اور ایک وہ ہیں جو رات دن موت کی آرزو کرتے رہتے ہیں اور یہ جھوٹوں نہیں پوچھتی +

بہت کسی عمر کی کیوں نہو بڑی بیشک بری اور بہت بُری مگر ہائے جوانی کی موت نہیں نہیں اکیسواں سال جوانی کیسے کہا جائے نوجوانی کی موت کوئی اہل دل کہے کہ اس موت کے لیے کونسے ایسے الفاظ ہیں جو استعمال کیے جائیں اور کون ایسا بے رحم دل ہوگا جو اس عمر کی موت پر محزون نہو۔

ہاں اے دل تڑپ تڑپ اپنے محبوب کے لیے تڑپ اور ایسا تڑپ کہ ہمیشہ کے لیے تیری تڑپ موقوف ہو جائے بس جاؤ اے آرزو دور ہو جاؤ۔ اے خواہشو پست جاؤ۔ اے تمنا و برباد ہو جاؤ۔ اے جاں ہائے جان جاں پیارا آنکھوں کا تارا زندگی کا سہارا رخصت ہو گیا بس اب جسم سے رخصت نکل نکل اے روح قفس جسم سے نکل جا آزاد رہ۔

صبر۔ کہنا بہت آسان کرنا مشکل نہیں مشکل ہے نہیں ناممکن ہے بچپن کی محبت دیکھا لی پر ہمیشہ کی جدائی کہیں قابل صبر و شکیبائی ہو سکتی ہے نہیں نہیں ہرگز نہیں اگر کوئی شخص ایسے ذمیت میں صبر کر سکتا ہے تو وہ یا تو انسان نہیں فرشتہ یا اس کے پہلو میں دل نہیں سنگ خارا ہے۔ مگر ہائے افسوس موت پر اختیار نہیں۔ ہائے۔

شب ہائے ہجر را گذرا ندیم و زندہ ایم مارا بسخت جانی خود ایں گماں نبود

ہائے معلوم نہیں کہ کیسی تاریخ ذی الحجہ کی کیسی مصیبت ناک تاریخ تھی کہ ایک اکیس ۲۱ سالہ نوجوان عزیز ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا آہ آہ

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی

آہ زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا۔ یا تو وہ عالم تھا کہ مرحوم سید صلابت علی سعید میں اور بدنام کنندہ نام نکست یئے بہر حبت ہجراں دلبد جشیدہ مہدی علی شہید میں وہ اخلاص تھا کہ ایک منٹ کی جدائی شاق تھی اور جسم و جان کا حال تھا یا اب جدائی ہوئی تو ایسی ہوئی کہ جسکی ختم کی مدت ہی معلوم نہیں اب زیادہ نہ زبان قلم میں طاقت بیان ہے نہ مجھ میں تحریر کا یارا سوائے اس کے کہ

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

دل بیتاب نے اپنے عزیز کے مرنے پر کئی ایک مادہ ہائے تاریخ کہے تھے

جن میں سے سنہ عیسوی کے صرف دو تاریخی مصرعے تحریر کیے جاتے ہیں

رفتہ ز دار فنا میر صلابت علی
۱۹ ۱۱ ع

اور

موسے دادر بقا صلابت علی
۱۹ ۱۱ ع

چونکہ مرحوم کو اس قابل قدر رسالہ تمدن سے نہایت انس تہا اور وہ اسے ہمیشہ نہایت شوق و ذوق سے ملاحظہ کرتے تہے بلکہ مجہے آجتک کبھی یہہ نصیب نہوا کہ پرچہ اون سے پیشتر دیکھنے پاتا اور شاید وہ کچہ دنوں زندہ رہتے تو اشاعت تمدن میں بہت کچہ کوشش کرتے اور میرا ہاتہہ بٹاتے مگر افسوس کہ قضا سے مہلت نہ ملی اس لیے اوس مرحوم کی خوشنودی روح کے لیے جو جو کام کیے جا رہے ہیں اونمیں سے یہ بہی ہے کہ تمدن کا بہی کچہ خیال کیا جائے اس لیے اس مہجور کا ارادہ ہے کہ اون نادار شائقین کے نام جنہیں اس بے نظیر رسالہ کے دیکھنے کا شوق تو ہے مگر خریداری کی استطاعت نہیں رکہتے مرحوم کے نام سے پانچ پرچے درجہ دوم کے بالفعل جاری کر دیے جائیں۔ آیندہ انشاءاللہ تعالے بشرط حیات مستعار اس میں اور زیادتی وقتاً فوقتاً کیجائے گی۔ دس پندرہ روز میں رقم بذریعہ منی آڈر روانہ کر دی جائے گی۔ امید کہ تمدنی بہائی مرحوم کو دعائے مغفرت سے فراموش نہ فرمائیں گے +   خیر خواہ تمدن

عزیز مردہ - فراق دیدہ

—— میر مہدی علی شہید

تمدن - اپنے قدردان کی موت پر دلی رنج کا اظہار کرتا ہے خدا مرحوم کو غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر دے

غزلیں

بے غم نہ چاہیے مجھے پروردگار دل
اسلام کے ہو نشترِ غم سے فگار دل

منظور ہے مصیبتِ صد گونہ لے خدا
احسانِ بندگان سے ہو شرمسار دل

سیماب وار ہا ہے نہ یوں ہی سدا تڑپ !
دم بھر قرار لینے دے او بیقرار دل

گو جانِ ناتواں پہ گریں لاکھ کوہِ غم
ہر حال میں ہے شکریہ کردگار دل!

حُبِ وطن کی مجھ کو اجازت ہو مرحمت
کہتا ہے مجھ سے یوں مرا الفت شعار دل

جذبات و حسیات پہ قادر ہے آدمی
باطل یہ عذر ہے کہ ہے بے اختیار دل

ہمدم! یہی ہے زندگی جاوداں یہی
جاں قوم پر فدا ہو - وطن پر نثار دل

سیدؔ نے لی حیات دوام و بقائے نام
دے کر وطن کو دولت و زر جان زار دل

دنیا میں عیش کے دیکھ نہ سپنے کو ہوسیو
اس پنج روزہ زیست کا کیا اعتبار دل!

کرتی ہے رخصتِ زر دل و دیں عقل و خرد آ
مینائے حبِ قوم کا ہو جرعہ خوار دل!

زخ - خوشی سے کرتی فدا ملک و قوم پر
پہلو میں اس کے ہوتے اگر صد ہزار دل

ز ۔ رخ بخش ۔

نہ نکلیں حسرت و ارماں تو یارب میرا دم نکلے
نہ کھاؤں ٹھوکریں در در جو جانِ پُر الم نکلے

ادا پہ جنکی مرتے تھے - وفا پہ جان دیتے تھے
نہ وہ اہلِ وفا نکلے نہ وہ اہلِ کرم نکلے

ستم ڈھاتا ہے او ظالم ترا جھنجھلا کے یہ کہنا
کوئی اہلِ کرم ڈھونڈھو جو ہم اہلِ ستم نکلے

وہ ہیں لاچار عادت سے میں ہوں مجبور دل سے
نہ وہ جور و جفا چھوڑیں نہ میرے دل سے غم نکلے

جو اک ساغر بھی دے رشکِ قمر اپنے ہاتھ سے
تو پھر دل سے میرے ساقی تمنا جام جم نکلے

لگے تھے کوئے جاناں میں جو ہر جا ڈھیر نعشوں کے — اُنہیں جب غور سے دیکھا تو زوّار حرم نکلے

حزیں بیمار ہے تیرا - چھپا مت اب رُخِ زیبا
نشانہ تیرِ مژگاں کا لگا جلدی کہ دم نکلے

اختر علی - عزیز -

از حضرت [illegible] مدظلہ

قید ہستی سے چھٹے سارے اسیرانِ قفس — ہم بھی دو چار گھڑی اور ہیں مہمانِ قفس
مجھے کس پیار سے کہتے ہیں نگہبانِ قفس — دل اُڑے جاتے ہیں نالے نہ کرو جانِ قفس
ہاتھ کھینچے ہوئے جاتے ہیں اسیرانِ قفس — کہ نہ دامانِ قفس ہے نہ گریبانِ قفس
ہم گئے گلشنِ ہستی سے عدم کی جانب — آج آرام سے بیٹھے ہیں نگہبانِ قفس
ہر تن چشم رہا میری حفاظت کے لیے — تا دمِ مرگ نہ بھولونگا یہ احسانِ قفس
تیلیاں توڑ کے بیکار کیئے جاتے ہیں — کہ نہ بعد ہمارے کوئی خواہانِ قفس -
ہمصفیرانِ چمن نے نہ کیا استقبال - — در تک آ کر مجھے پہونچا گئے یارانِ قفس
ہمصفیرانِ چمن کا تھا مجھے قید میں دھیان — اب ہوں گلشن میں تو یاد آتے ہیں یارانِ قفس
بعد مدت جو کوئی چھوٹ کے آ جاتا ہے — پوچھتا ہوں کہو اچھے تو ہیں یارانِ قفس
عار تھی آپ کو بیکار جناب صیّاد — قید ہونے سے مرے گھٹ گئی کیا شانِ قفس
دھیان آیا کہیں اس حال سے کل دیکھ لیں — بن گئے آہ مرے پردۂ ایوانِ قفس
کب رہا ہو کے اسیری کا مزا دل سے گیا — آشیاں بھی جو بنایا تو بعنوانِ قفس

دونوں عالم جنھیں کہتے ہیں وہ یہ عالم ہیں
صبح مرغانِ چمن شام غریبانِ قفس

ڈاکٹر برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوائیں

ستائیس برس سے ہندوستان میں استعمال میں آ رہی ہیں۔

(۱) دمہ جیسے زور سے اچھلتا ہو اس دوا کے دو ایک موتا دہی سے دب جاتا ہے۔

(۲) نیا ہو اور اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دما جڑ سے جاتا رہتا ہے۔

(۳) پرانے دمہ والے یا جن کا دما دم کا ساتھی ہو گیا ہے وہ بھی اس دوا سے بہت صحت پاتے ہیں

دمہ کی دوا محصول ڈاک ایک سے تین شیشی تک ۵ آنہ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنہ (عہ)

مقوی گولیاں ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دوائیوں میں مشہور دوائیں فاسفورس اسٹرکنیا اور ڈمیانا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں۔ مغز ریڑھ رگ۔ ماس اور خون کو یہ طاقت دیتی ہے اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئی معمولی کمزوری ہول دل یاد بھولنا۔ ہاتھ پیر کا نپنا لقوہ۔ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہوتے ہیں دو ہفتہ کی خوراک تیس گولیوں کی شیشی قیمت ایک روپیہ (عہ) ڈاک محصول ڈاک ایک سے چار شیشی تک پانچ آنے۔

امراض مستورات کی دوا یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے ہر طرح کا رحم کی بیماری پر و۔ روگ حمل کی کمزوری پیٹ جانگ میں درد وغیرہ کو مٹا کر اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی تمام دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے ایک دفعہ اس دوا کی بھی آزمائش کیجئے۔ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ (عہ) (۱۴) خوراک ڈاک محصول ۵ر

ان دوائیوں کی مفصل حالت معہ سرٹیفکیٹوں کی پوری کتاب بلا قیمت ملتی ہے منگا کر پڑھئے

ڈاکٹر ایس کے۔ برمن

نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایجنٹ آغا منصب علی کشمیری دروازہ دہلی میں ہیں۔

فرمائش کے ساتھ اخبار کا حوالہ ضرور دیں

جلد (۱) جون سنہ ۱۹۱۲ء نمبر (۲)

تمدن

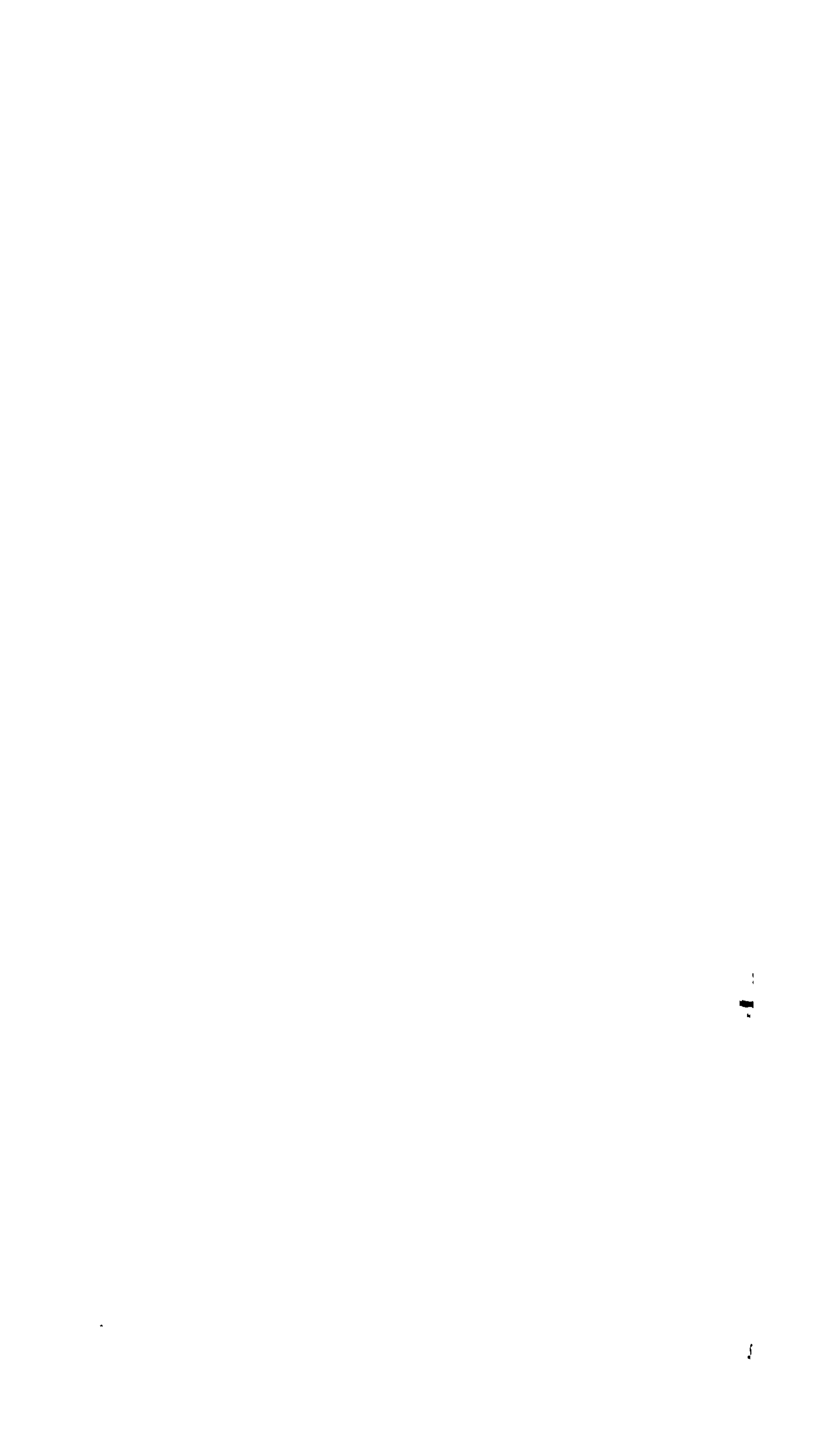
معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا
مخزن

ایڈیٹرز۔ محمد عبدالراشد الخیری۔ شیخ محمد اکرام

فہرست مضامین

باہتمام محمد عبدالراشد الخیری دہلوی

قیمت سالانہ قسم اول ۲؍ قسم دوم ... تمدن پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا سنہ ۱۳۳۰ھ قیمت فی پرچہ ۲؍ کتبہ احقر ابوالمظفر حامد میرزا دہلوی



خاک کی چٹکی

فقیری ٹوٹکا کیوں زیادہ مؤثر اور معتبر مانا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ ریاکاری سے پاک اور اصلی اثرات کا مظہر ہے، دنیا کو روزمرہ اس کا تجربہ ہے کہ فقیری خاک کی چٹکی بھی اکسیر اعظم ہے چنانچہ ہمیں بھی ایک مرد باخدا نے نہایت الطاف کیساتھ **آفتابی سرمہ** کا نسخہ عنایت فرمایا اور اس سے عام فائدہ رسانی کی اجازت دی۔

تعریفی الفاظ نہ اس کے لیے ممکن ہیں نہ ہم طولانی تقریر سے کام لینا چاہتے ہیں صرف اس قدر کہتے ہیں کہ یہ سرمہ تمام امراض چشم کا کامل اور نہایت مجرب علاج ہے اس کے استعمال سے ایک ایسی نظر قایمہ پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی خوفناک مرض میں مبتلا نہیں ہوتی۔ کم سے کم چالیس دن کا تجربہ اچھی طرح اس کی خوبیوں کا یقین دلا دیتا ہے۔ اور ایک سال کا استعمال گویا زندگی بھر صحت چشم کا ضامن ہے۔ یہ سرمہ محض خاک کی چٹکی نہیں ہے بلکہ اجزا جواہرات اور نباتات سے بنایا جاتا ہے اور سیارگان کی گردش کے موافق آفتاب کے اثرات اسمیں شامل ہیں اس لیے اسکا رنگ بھی سفید ہے۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت بہت کم ہے فی شیشی چھ ماشہ والی دو روپے، فی شیشی یکتولہ والی برائے ایک مع نقرہ سلائی (دستے) چھ روپے۔

نوٹ پوڑیہ بغرض آزمایش چالیس یوم۔ صرف ایک روپیہ (عہ)

المشتہر

منشی جواد حسین جنٹ و مالک کارخانہ آفتابی سرمہ کمبوہ دروازہ میرٹھ



تمدن

اُمّہاتُ الاُمّہ

از شمس العلما مولوی حافظ محمد نذیر احمد صاحب ایل۔ ایل۔ ڈی۔ مرحوم و مغفور

ہم تو "ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد" کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ایک وقت کا ایک تقاضا ہوتا ہے خاص یعنی ہر ایک وقت کے لوگ سب نہیں تو اکثر ایک خاص خیال کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں موسےٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا چرچا تھا۔ عیسےٰ کے طب کا ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں زبان عربی کی فصاحت بلاغت کا ہم نے اپنے ابتداے شباب میں بہت سے چرچے دیکھے۔ ناچ رنگ کے۔ گانے بجانے کے۔ شعر۔ شاعری کے پتنگ بازی بٹیر بازی شطرنج بازی۔ بنتیری بازیوں کے اکھاڑوں میلے تماشوں کے۔ یا اب انگریزی عملداری۔ انگریزی تعلیم کی بدولت دیکھ رہے ہیں۔ آزادی کے۔ رفارم (اصلاح) کے۔ اخبار اور رسالوں کے۔ انجمنوں کے کانگرسوں۔ اور کانفرنسوں کی کمیٹیوں اور سوسائٹیوں کے اشتہاروں اور

تعلیم گاہوں کے۔ مذہبی مناظرات کے اور بالآخر سودیشی کے بائی کاٹ کے
سوراج کے یہ جتنے چرچے ہیں سب انڈے بچے ہیں آزادی کے ان سب
چرچوں میں سے ہم کو صرف اس آزادی پر کچھ لکھنا ہے۔ جو مذہبی مناظرات میں
برتی جاتی ہے۔ انسان کی بناوٹ پر نظر کرتے ہیں تو وہ ایک تو جسم رکھتا ہے قریب
قریب اسی طرح کا جسم اور جانوروں کے پاس بھی ہے۔ جسم کے علاوہ ایک خاص طرح
کی روح ہے وہ مغز ہے اور جسم پوست وہ مخدوم ہے اور جسم خادم۔ وہ کارفرما
ہے اور جسم کارکن وہ سوار ہے اور جسم سواری۔ وہ مثلاً بڑھئی کی جگہ ہے اور
جسم کلہاڑی بسولے۔ آرے کی جگہ پہلے آدمی کے دل سے ارادہ پیدا ہوتا ہے
اور پھر وہ ارادہ اعضا و جوارح کے ذریعے سے عمل میں لایا جاتا ہے یعنے

ف سودیشی اور سوراج ہندی لفظ ہیں زبان سنسکرت سے ماخوذ۔ سودیشی کے معنے یہ ہیں کہ اپنے
دیس یعنی ملک کا بنا ہوا ساز و سامان زندگی استعمال کیا جائے سوراج کے معنے ہیں اپنی
حکومت کہ ہم آپس کے رگڑے جھگڑے انگریزی عدالتوں میں نہ لیجائیں بلکہ خود فیصلہ
کر لیا کریں یعنے ہندوستان میں ہمارا راج ہو اور ہماری حکومت۔ بائی کاٹ انگریزی
زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنے ہیں کہ غیر ملکوں کے بنائے ہوئے ساز و سامان
زندگی کے استعمال کو روکا جائے۔ چند روز سے یہ شورش انگریزی کی مخالفت میں بنگالے
سے شروع ہوئی کہ انگریزوں نے صوبہ بنگالہ کو تقسیم کر کے مشرقی بنگالے کا علاقہ جداگانہ
قرار دیا۔ بنگال کے بیرسٹروں اور وکیلوں نے تقسیم بنگالہ میں اپنا مالی نقصان دیکھ کر ہندوستان
سے لیکر ولایت تک اس کی مخالفت کی مگر کہیں شنوائی نہیں ہوتی۔ اس ناکامی
کے انتقام کے طور پر ہنود بنگالہ نے سودیشی اور بائی کاٹ اور سوراج کی شورش بپا
کی اور اس شورش میں ہندوستان کے اور صوبے بھی کم و بیش شامل ہوتے گئے اور ابھی
تک بھی یہ شورش برسر ترقی ہے۔ انگریزی گورنمنٹ اور حکومت سے بڑھ کر بدمزہ نئی
شورش کے دماغی اس سلسلے میں شورش اگر بالکل فرو نہ ہوگی تو بغاوت کا رنگ آخر کار ضرور پکڑ جائے گا۔

ارادہ عمل کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے اب آزادی کے اعتبار سے دیکھتے ہیں
کہ ارادہ اور عمل کہاں تک آزاد ہو سکتے ہیں تو عمل کو تو کسی طرح آزاد کہہ ہی نہیں
سکتے وہ شروع ہی سے محکوم ارادہ ہے اور چونکہ اعضا و جوارح کے ذریعے سے
وقوع پذیر ہوتا ہے اور اعضاو جوارح بجائے خود جسم ہیں بہت سے اسباب خارجی
اس کے وقوع کو روک دے سکتے ہیں آدمی پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنا چاہے
تو اڑ نہیں سکتا چوری کرنا چاہے تو لوگ اسکو چوری نہیں کرنے دیں گے پس
عمل کو صرف ایک محدود حلقے میں آزاد کہہ سکتے ہیں رہا ارادہ وہ البتہ بنظر ظاہر
آزاد معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اختیار رکھتا ہے جو چاہے خیال کرے جو چاہے
سوچے مگر نہیں عمل کا پیرایہ اختیار کرنے کے علاوہ وہ محکوم ہے صحبت کا تعلیم
تربیت کا آب وہوا کا تقاضائے عمر کا۔ مذہب کا رسم ورواج کا بڑوں کی
تقلید کا غرض مطلق آزادی ارادے اور خیال کو بھی نصیب نہیں لوگ ان قیود
اور شرائط کا لحاظ تو کرتے نہیں ستر باندھ مطلق آزادی کے پیچھے پڑی
ہیں اور اسی سے دنیا میں بدمنی پھیلتی ہے حاکم وقت ارادے اور خیال تک قو
دست رس نہیں رکھتا ہاں نقض امن کا اندیشہ ہو تو خیال کو عملی صورت اختیار کرنے
سے روک سکتا ہے اور قانون اور کچہریاں اور عدالتیں اسی مرض کی دوا ہیں کئی
برس ہوئے گوڑگانوہ کے ایک پادری صاحب مذہبی مناظرے کے پیرایے
میں حد اعتدال سے بڑھی ہوئی آزادی عمل میں لائے کہ اپنے ایک رسالے
میں پیغمبر صاحب آخر الزماں صلعم کی نسبتہ ان کی بیبیوں کے بارے میں بڑی
زبان درازی کی جس سے جمہور مسلمین کی بڑی دل آزاری ہوئی۔ مسلمان جگہ
جگہ استغاثہ فوجداری کی تیاریاں کرنے لگے اور جگہوں کا حال تو معلوم نہیں
دلی سے کچھ لوگ فریاد لیکر شملے گئے بارے پادری صاحب کی کتاب کی اشاعت

حکماً بند کردی گئی۔ اسی اثنا میں سید احمد خاں مرحوم مغفور بھی پادری صاحب کی کتاب کا جواب لکھ رہے تھے مگر وہ پورا نہیں ہونے پایا تھا کہ سید صاحب انتقال فرما گئے ہم نے تو نہ پادری صاحب کی کتاب دیکھی اور نہ سید صاحب کا ادھورا جواب مگر اتنی بات پہلے سے معلوم ہے کہ پادری صاحب نے سخت زبانی کے سوائے اعتراض میں کوئی نئی بات اپنی طبیعت سے تو ایجاد کی نہ ہوگی اعتراض تو نہیں مگر جواب تو خود قرآن میں موجود ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً جواب کا ہونا دلالت کرتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت بھی پیغمبر صاحب کی زندگی میں بعض لوگ زن و فرزند کے تعلقات کو خلاف شان پیغمبر سمجھتے اور ان ہی تعلقات کی وجہ سے جناب رسالت مآب کی رسالت کے منکر تھے۔ غرض پرانا اعتراض ہے اور علماء اسلام نے اس کے دنداں شکن جواب بھی دیے ہیں مگر مسلمان ہو کر اپنے پیغمبر کے تقدس کی اپنے مقدور بھر اور اپنے طور پر واجبی حمایت کیے بدون ہم سے نہیں رہا جاتا اور یہ بات بھی ہے کہ اعتراض کسی مسلمان کے کان میں پڑے اور اسکو جواب نہ آتا ہو اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کی نسبت خیال فاسد موہم سوء ادب دل میں بیٹھ جائے تو ایمان کے جاتے رہنے کا خوف ہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا

پیغمبر صاحب کے کثیر الازواج ہونے سے ہمکو انکار نہیں۔ اس کو سب مانتے ہیں کہ پیغمبر صاحب کے انتقال کے وقت بی بی عائشہؓ۔ سودہؓ حفصہؓ۔ ام سلمہؓ۔ زینبؓ بنت جحش۔ ام حبیبہؓ۔ جویریہؓ۔ صفیہؓ۔ میمونہؓ۔ نو بیبیاں ان کے نکاح میں تھیں توالد و تناسل کی قوت کو لوگوں نے کچھ آج سے نہیں

۱؎ اور (اے پیغمبر) تم سے پہلے بھی ہم نے (بہتیرے) پیغمبر بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں بھی دیں اور اولاد بھی دی)۔ ۱۲

قدیم الایام سے بُری طرح استعمال کرکے اس قدر شرمناک چیز بنا دیا ہے
کہ جائز طور پر بھی بڑی پردہ داری کے ساتھ اس سے کام لیا جاتا ہے حالانکہ
بقائے نوع انسانی اسی قوت پر موقوف ہے جتنے آدمی ہو گذرے ہیں
اسی قوۃ سے پیدا ہوئے اور جو آیندہ ہوں گے وہ بھی اسی قوۃ سے پیدا
ہوں گے پردہ تو اس قدر کیا جاتا ہے اور کوئی فرد بشر اس سے خالی ہی
نہیں۔ زناشوئی کے جتنے تعلقات ہیں سب اسی غرض سے کیے جاتے ہیں
اور پردے کی پوچھو تو وحشی سے وحشی قومیں بھی آگا پیچھا چھپائے رکھتی ہیں
کپڑا میسر نہیں تو پتے ہی سہی یہ پردہ تو اس وقت سے ہی کہ مذہبی روایت کی
رو سے جب خدا نے آدم اور حوّا کو بہشت سے نکالا تو ان کی اس وقت کی حالت
کا بیان قرآن میں ہے بدت لهما سواتهما وطفقا یخصفٰن علیهما من ورق
الجنة[1] بایں ہمہ توالد تناسل کی قوۃ فی حد ذاتہا ہرگز بری نہیں اور جو اس کو بُرا
سمجھے وہ حکمۃ بالغہ الٰہی پر اعتراض کرتا ہے خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اِنَّ[2]
مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون خدا
چاہتا تو مرد اور عورت کو ایسی قابلیت دیتا کہ مرد کھانستا اور مونہہ سے بیٹے اگل دیتے
عورت چھینکتی اور ناک سے بیٹیاں جھڑ پڑیں مگر اس نے جو توالد تناسل کا قاعدہ
جاری کیا ہے تو اسکی مصلحت کو وہی خوب جانتا ہے۔ الا یعلم من خلق وهو
اللطیف الخبیر۔[3] پس مناکحت حقیقت میں خدائے تعالیٰ کے ارادے کا نافذ کرنا اور

---

[1] جوں ہی آدم و حوّا نے درخت ممنوع کے پھل کو چکھا تو دونوں کی پردہ کرنے کی چیزیں انکو
دکھائی دینے لگیں اور لگے بہشت کے پتوں کو اپنے اوپر چپکانے [2] اللہ کے ہاں جیسے آدم ویسے
عیسےٰ ذکر خدا نے مٹی سے آدم (آدم کے پتلے کو بنا کر اسکو حکم کیا کہ آدمی بن اور وہ آدم) بن گیا [3] بھلا
ہو سکتا ہے کہ خدا) جو پیدا کرے وہی مخلوقات کے حال سے ناواقف ہو حالانکہ وہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے ۱۲

اس کی مرضی کی تکمیل ہو اور اسی سے پیغمبر صاحب نے فرمایا لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ[1] اور اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ[2] اور جو لوگ اس سے اعراض کرتے یا اسکو فعل قبیح سمجھتے وہ ابطال حکمۃ الٰہی کے درپے ہیں اور چاہتے ہیں توالد تناسل موقوف ہو کر دنیا آخر کو اجڑ جائے۔ بانگی دیکھکر اناج کے ڈھیر کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ اچھا ہے یا برا نہ ہب بھی احکام کا انبار ہے اور رہبانیۃ بانگی۔ اسلام اور عیسائیۃ میں محاکمہ کرنے کا اچھا ذریعہ ہے اچھا پھر ایسی ضروری اور عالمگیر قوۃ کس وجہ سے شرمناک قرار پائی اور اس میں کیا برائی دیکھی کہ لوگ چار و ناچار اس سے کام بھی لیتے ہیں اور بلی کے ... کی طرح چھپاتے بھی ہیں آؤ ذرا اس قوۃ کی تشریح کریں جس سے فہم مدعا میں سہولۃ ہو پہلی بات یہ ہے کہ خلاق عالم نے یہ قوۃ نر و مادہ مرد و زن دونوں میں ودیعۃ رکھی ہے مردوں میں بشکل قوۃ فاعلہ اور عورتوں میں بصورۃ منفعلہ یعنے مرد و زن دونوں اس قوۃ سے متمتع ہونے کے حقدار ہیں پس آزادی استعمال قوۃ میں پاس حق فریق ثانی کی ایک ضروری قید بڑھی اور اَلْاِنْسَانُ حَرِيْصٌ عَلٰى مَا مُنِعَ[3] کی رو سے فتنہ فساد کی جڑ قایم ہوئی مشارکۃ ایسی بد چیز ہے کہ خدا تک کو گوارا نہیں جتنے رگڑے جھگڑے لوگوں میں ہوتے ہیں تحلیل کرکے دیکھو تو مشارکۃ پر جا کر منتہی ہوں گے۔ زید خالد کے گھر میں چوری کرتا ہے اس کے یہی معنے ہیں کہ زید زبردستی خالد کے مال میں شریک بننا چاہتا ہے خالد اسکو جائز نہیں رکھتا۔ زید نے خالد سے میعادی قرض

---

[1] اسلام میں رہبانیت یعنے ترک دنیا نہیں ہے۔

[2] پیغمبر صاحب نے فرمایا نکاح میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے مونہہ موڑے وہ مجھ سے نہیں

[3] آدمی جس چیز سے روکا جاتا ہے اس کے کرنے پر زیادہ حریص ہوتا ہے ۱۲

لیا اور وقت پر ادا نہ کیا خالد نے عدالت میں جا دعویٰ دائر کیا اس صورت میں زید
خالد کے مال سے اس کے تمتع میں ناجائز طور پر شرکت کرنی چاہتا تھا جو وجہ
مخاصمت قرار پائی اسی طرح مرد اور عورت کے معاملے میں خدا نے اس تمتع میں
جو توالد تناسل کی قوت سے حاصل ہوتا ہے مرد اور عورت دونوں کو شریک
یکدیگر ٹھیرا دیا ہے مرد عورت کو اس کے تمتع سے محروم کرنا چاہے
یا عورت مرد کو متمتع نہ ہونے دے تو اس کا ضروری نتیجہ ہی بگاڑ لیکن اس کے
ساتھ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ دنیا میں کروڑوں مرد ہیں اور کروڑوں ہی عورتیں
ہیں تو پہلی ضروری شرط اس قوت میں ساجھا کرنے کی رضائے فریقین
یعنے ایجاب و قبول یعنے نکاح - متعارف ہے - اب ہماری زمین ہے
کہ اسمیں کروڑوں بیگہ جوتنے بونے کے قابل ہے اور کروڑوں ہی کاشتکار
ہیں تو لوگوں نے زمین کو آپسمیں بانٹ رکھا ہے زمینداروں نے
گانوں گانوں کی حد بندی کر رکھی ہے اور ان کے ذیل میں کاشتکاروں
نے کھیت کھیت کی - اس باہمی تقسیم کی بدولت ملک آباد ہے نہ دنگا ہے
نہ فساد ہے یہی مثال خدا نے قرآن میں عورتوں کی بھی دی ہے -
نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم[1] دنیا بھر کی عورتیں مردوں
میں تقسیم ہیں کھیتوں کی جتائی بوائی ہو رہی ہے پندرھویں بیسویں برس
مردم شماری کیجاتی ہے پیدا اور آبادی سوائی ڈیوڑھی بڑھتی جاتی ہے
تمام جہان کے لوگ اس قاعدے کے تو پابند ہیں کہ جو عورت جس مرد کے
نکاح میں ہے کوئی دوسرا اس میں ساجھا نہیں کر سکتا یعنے عورت ایک وقت
میں ایک مرد سے زیادہ کی جورو ہو نہیں سکتی مگر مسلمانوں میں ایک مرد

[1] تمہاری بیبیاں (گویا) تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتی میں جسطرح چاہو آؤ ۱۲ -

وقت واحد میں چار تک کرسکتا ہے بظاہر اس قاعدے میں مردوں کے ساتھ بے جا رعایۃ ہی اور معترض کہہ سکتا ہے کہ جب مرد اور عورۃ دونوں توالدتناسل کی قوۃ سے متمتع ہوتے ہیں یعنے قوۃ میں دونوں حصے دار ہیں تو کیوں مرد کو وقت واحد میں چار بیبیوں سے جمع کرنے کا اختیار دیا جاے اور عورۃ زن لہ برعضو ضعیف ایک ہی کی ہو کر رہے۔ جن لوگوں کی نظر غائر نہیں ہے اس اعتراض کو سنکر بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ متمتع ہونے کے اعتبار سے مرد اور عورت دونوں توالدتناسل کی قوۃ میں فی الواقع ایک دوسرے کے شریک تو ہیں مگر برابر شریک نہیں مرد کا حصہ غالب ہی اور وہ زیادہ کا حصہ دار ہے اور اسی لیے اس کے ساتھ بجا رعایتہ کی گئی ہے اور وہ اسکا حق ہے اور معاوضہ ہے اس کے حصہ زائد کا جس طرح کاشتکاروں کو تقاوی دیکر کاشتکاری کی ترغیب دی جاتی ہے تاکہ کوئی قابل زراعت زمین افتادہ نہ رہے اور جس قدر پیداوار کا زمین سے حاصل کرنا ممکن ہے حاصل کی جائے اسیطرح اس حکیم علی الاطلاق نے تمتع کو موجب ترغیب نکاح قرار دیا کاشتکاری سے مقصود اصلی پیداوار اراضی کا حاصل کرنا ہے نکاح سے اولاد کا۔ لوگوں نے کوتاہ نظری سے تمتع ہی کو نکاح کی غرض وغایۃ سمجھ لیا ہے تو یہ خود انکی غلط فہمی ہے جس طرح غذا سے مقصود تغذیہ جسم ہے اور ذائقہ بیش برین نیست کہ ترغیب ہی تمتع میں جو ہم نے مرد کو شریک غالب کہا اسکی وجہ یہ ہے کہ عورت کے پیچھے حمل اور ارضاع وغیرہ کے عوارض بھی لگے ہیں اور وہ ان وقتوں میں فطرۃً تمتع سے محروم رہتی ہے اور اسکو خود تمتع کی خواہش نہیں ہوتی +

خلاصہ نظم اقبال

ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں سرمہ چشم دشت میں گردِ رم آہو ہوا
رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا بحر تھا صحرا میں تو گلشن میں آیا جو ہوا
اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا
زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات یہ کبھی گوہر کبھی شبنم کبھی آنسو ہوا
پھر کہیں سے اس کو پیدا کر بڑی دولت ہے یہ زندگی کیسی جو دل بیگانۂ پہلو ہوا
آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

پردۂ دل میں محبت کو ابھی مستور رکھ یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر
خیمہ زن ہو وادیٔ سینا میں مانندِ کلیم شعلۂ تحقیق کو غارت گرِ کاشانہ کر
شمع کو بھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم صرفِ تعمیرِ سحر خاکستر پروانہ کر
تو اگر خوددار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر
کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
خاک میں تجھ کو مقدر نے ملایا ہے اگر تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ دانہ کر
ہاں اسی شاخِ کہن پر پھر بنا لے آشیاں اہلِ گلشن کا شہیدِ نغمۂ مستانہ کر
اس چمن میں پیروِ بلبل ہو یا تلمیذِ گل یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے تو
لب کشا ہو جا سرودِ بربطِ عالم ہے تو

اقبال

کیا مذہب بنی نوع انسان کے لیئے مُفید ثابت ہُوا؟

ایک مغربی کا خیال

ہم اپنے معزز گریجوایٹ دوست کے اس مضمون پر سرِ دست کوئی رائے دینی نہیں چاہتے اور ہسکو نہایت خوشی سے اس لیے درج کرتے ہیں کہ تمدن کے معزز نامہ نگاروں میں سے کوئی صاحب اس مسئلہ پر قلم اٹھائیں تاکہ مذہب کے متعلق جو خیالات آجکل کے نوجوانوں میں راسخ ہوتے جاتے ہیں ان کی روک تھام ہو۔

اس سلسلہ میں بہترین مضمون پر تمدن ایک اشرفی نذر کرے گا +

مذہب کے متعلق عام طور پر دو خیال ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب صرف ایک فضول چیز ہے بلکہ اس سے انسان کو سخت نقصان پہنچا۔ برخلاف اس کے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے دنیا کو بے انتہا فائدہ پہنچا۔ اور اگر مذہب نہوتا تو نہ دنیا میں امن قایم رہتا اور نہ نیکی و بھلائی کا نام باقی رہتا ان لوگوں کے خیال کے موافق انسان کو بُرے کام سے روکنے کے لیے سوائے مذہب کے اور کوئی طاقت نہیں ہے۔ اس بات کو وہ لوگ بھی مانتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مذہب دماغ کا سدِّراہ ہوا۔ ساتھ ہی اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ خدا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں یا یہ کہ ہر چیز میں کوئی نہ کوئی وصف ضرور ہے اور خدا نے جو چیز بھی پیدا کی ہے انسان کے فائدے کے لیے کی ہے

چنانچہ زہر جہاں قاتل ثابت ہوتا ہے وہیں تریاق کا بھی کام دیتا ہے۔ بہت سی چیزیں پہلے از قسم خس و خاشاک معلوم ہوتی تھیں لیکن تجربے سے انسان کے مفید مطلب ثابت ہوئیں حتیٰ کہ پلیگ و وبا بھی اس خیال سے مفید ہیں کہ بہت سے آدمیوں کے مرنے سے آبادی اس قدر نہیں بڑھنے پاتی کہ دنیا میں انسان کے رہنے کو جگہ ہی باقی نہ رہے بہت سے لوگ جہالت میں بھی ایک بات نکالتے ہیں اور یہ جاہل رہنے کی بڑی شد و مد سے طرفداری کرتے ہیں تو اگر اس قسم کی دلیل کو مد نظر رکھا جائے تو مذہب کے متعلق بھی بغیر بحث کئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی انسان کے فائدے ہی کی ایک چیز ہوگی کیونکہ ہر شے میں انسان کا فائدہ منصور ہے جس طرح صوفی سے ہمہ اوست کے مسئلہ پر بحث کرنی عبث ہے اسیطرح اس خیال والوں کے سامنے مذہب کے خلاف دلائل پیش کرنے فضول ہیں۔ جہاں ثبوت دار و مدار قیاس پر ہو وہاں بحث کرنی لاحاصل ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ مذہب نے اپنی مختلف صورتوں میں انسان سے کیا کیا کارنمایاں کرائے۔ اول ہم کو وحشی قوموں کے مذاہب کا تماشہ دیکھنا چاہیئے۔ ایشیا اور افریقہ میں مذہب کے بدولت ہزاروں لوگوں کا خون ہوتا ہے۔ اے۔ جی۔ لیونرڈ صاحب اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ مغربی افریقہ میں دریائے نائیجر کے دہانے کے قریب جب کسی قبیلے کا کوئی سردار مر جاتا ہے تو وہاں کے مذہب کا یہ حکم ہے کہ اس سردار کے ساتھ چار اور آدمیوں کو مار کر دفن کیا جاتا ہے تاکہ قیامت کے دن یہ لوگ اس کو قبر سے اٹھائیں۔ جب وہاں کے بادشاہ ایامبو نے وفات پائی تو اس کے ساتھ تیس رانیاں جلادی گئیں اور کئی سو مردوں کو قتل کیا گیا تاکہ دوسری دنیا میں

جانے تو شخص مذکورہ کے ساتھ عزت و احترام سے جائے ورنہ وہاں رہنے والے اسکو حقارت کی نگاہ سے دیکھتیں اور یہ کہتیں کہ یہ کوئی بڑا ہی غریب شخص ہوگا کہ جو اس کے ساتھ ایک غلام بھی نہیں

جے - میکڈانلڈ صاحب اپنی کتاب ریلیجن اینڈ متھ میں لکھتے ہیں کہ افریقہ میں جب کسی بزرگوں کے قدیم مکان کی مرمت کیجاتی ہے تو بعض موقعوں پر دو ہزار آدمیوں تک کی قربانی کی جاتی ہے۔ ایک یہ بھی مذہبی رسم ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسپر کسی نے جادو کردیا چنانچہ جن لوگوں پر شبہ ہوتا ہے ان کو ایک قسم کا پڑھا ہوا زہر دیا جاتا ہے اور اعتقاد یہ ہے کہ اگر انہوں نے جادو نہیں کیا ہوگا تو اُن پر زہر کا اثر ہوگا۔ اس میں ہمیشہ ایک شخص کے ساتھ اور کئی آدمیوں کی جانیں جاتی ہیں چنانچہ ڈیوک ٹاؤن کے سردار کے مرنے کے موقعہ پر پچاس غلاموں اور ملازموں کو پڑھا ہوا زہر دیا گیا۔ جس میں سے چالیس مرگئے (بقول لیونارڈ صاحب) اس جگہ اس بات کی تصریح کی چنداں ضرورت نہیں کہ انسان کی قربانی قدیم زمانے سے چلی آتی ہے اور اس کا دارومدار محض مذہبی احکام پر ہے۔ قدیم مصر میں پہلوٹی کے بیٹے کی قربانی ہوتی تھی اس سے پہلے زمانے میں انسان کی قربانی مصر میں عام تھی۔ ہندوستان میں بھی مختلف صورتوں میں پائی جاتی تھی۔ چنانچہ ستی کی رسم اب تک موجود ہے۔

یونانیوں - یہودیوں - عیسائیوں مسلمانوں غرضیکہ جملہ قدیم اور جدید مذاہب میں انسان کی قربانی ایک نہ ایک شکل میں موجود رہی۔ صرف اتنا فرق ہوگیا کہ جدید مذاہب نے قربانی کی صورت بدل دی۔ مسلمانوں کے ہاں اگرچہ حضرت اسحٰق کے باپ نے اپنے بیٹے کی قربانی کرنی چاہی اور اپنی طرف سے کی لیکن مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا نے حضرت اسحٰق کو بچالیا اور ان کی بجائے

ایک بھیڑ کی قربانی منظور فرمائی۔ اس کے علاوہ بعض قومیں ایسے مہلک جانوروں کی پرستش کرتے ہیں جو بنی نوع انسان کے دشمن ہیں۔ مثلاً افریقہ اور ہندوستان میں سانپ کی پوجا کی جاتی ہے۔ ہندوؤں کے مذہب میں کسی جانور کا مارنا بھی گناہ ہے خواہ وہ شیر ہی کیوں نہو۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا انسان کی جان لینا خاصکر بے گناہ کی جان لینا بنی نوع انسان کے لیے فائدے کی چیز ہے۔

مندرجہ بالا امثال سے یہ ظاہر ہے کہ بہت سے مذاہب نے بے گناہ انسانوں کی جان لینے کی تلقین کی۔ تو گویا مذہب انسان کو بچانے پناہ دینے کے اسکی جان کا لینے والا ثابت ہوا*

یہ تو خیر نیچے طبقے کے مذاہب کا ذکر ہے۔ اب ترقی یافتہ مذاہب پر غور کیجئے۔ مذہب عیسوی کو لیجئے۔ اس مذہب کے پیرو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس سے دنیا کو بے حد فائدہ ہوا۔ لیکن تاریخی واقعات اس دعوے کے خلاف شہادت دیتے ہیں۔ انگلستان کا مشہور مورخ لیکی لکھتا ہے کہ سینٹ گرے گری کے زمانے میں عراق و شام فسق و فجور کا ملجا و ماوا تھا۔ یورپ میں مذہب کا زور ۱۲۴۲ء سے لیکر ۱۷۴۲ء تک بہت رہا۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جو تاریخ میں یورپ کی گمراہی کا زمانہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس زمانے کی توہم پرستی اور مذہبی مظالم کا اگر ذکر کیا جائے تو آسانی سے یقین نہ آئے گا۔ مذہبی خانقاہوں میں جو بدکاریاں ہوتی تھیں اور مذہبی پیشوا جن حرام کاریوں کی مذہبی احکام کی رو سے اجازت دیتے تھے ان کا خیال کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ مذہبی مظالم کی کوئی حد نہ تھی اگر کوئی شخص لینٹ (عیسائیوں کا رمضان) کے مہینے میں گوشت کھانے تو اس کے لیے سزائے موت کا حکم ہوتا تھا۔ ہزاروں

مرد و عورت اس شبہ میں زندہ جلا دیئے گئے کہ وہ جادو کرتے تھے۔ ایک پندرہ برس کے لڑکے نے ایک صلیب کو توڑ دیا۔ تو بغیر تحقیقات کئے اسکو قتل کر ڈالا گیا۔ فرانس میں دو پادری یکے بعد دیگرے وزیر اعظم تھے اور انہوں نے اس قسم کی حکومت کی کہ ان کے بعد آخر ایک ایسی زبردست طوائف الملوکی اور شورش ہوئی کہ جس میں کروڑوں بے گناہوں کا برسوں خون ہوتا رہا اور سارے یورپ میں ایک تہلکا مچ گیا۔ صلیبی جنگ میں ہزاروں جانیں تلف ہوئیں سینکڑوں عورتیں بیوہ ہوگئیں اور ہزاروں بچے یتیم ہوگئے مگر مذہبی خونیوں کی پیاس نہ بجھی پر نہ بجھی۔ عیسائی مسلمانوں کو قتل کرنا باعث نجات خیال کرتے تھے اور مسلمان عیسائیوں کی جان لینے میں جنت کے خواب دیکھتے تھے۔ غرضیکہ جوں جوں دنیا میں مذہب کا خیال ترقی کرتا گیا بجائے بنی نوع انسان میں آپس میں محبت و اتحاد بڑھنے کے مخاصمت و کشت و خون کا بازار گرم ہوتا گیا۔ اگر کسی طرح یہ ممکن ہو کہ مذہب کے رواج سے ماقبل و مابعد کے اقتال کا حساب ہو سکے تو امید ہے کہ مذہب کے زمانے کے خون کا سمندر غیر مذہبی زمانے کے مقابلے میں ناپیدا کنار ثابت ہوگا اور پھر داعیان مذہب بڑی شد و مد سے دن رات یہی راگنی الاپتے رہتے ہیں کہ مذہب نے دنیا میں امن قایم کیا مذہب غصے و غضب کی آگ پر پانی ڈالنے والا ہے مذہب جذبات انسانی کا محافظ ہے۔ اور اگر مذہب نہو تو آدمی آدمی کو کچا چبا جائے اور ایک دوسرے کو زندہ نہ رہنے دے اور کسی قسم کا دنیوی کاروبار صلاحیت و سہولت سے طے ہونا ناممکن ہو جا

اب یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ مذہب کے رائج ہونے سے پہلے دنیا کا کیا ایسا ہی حال تھا۔ جیساکہ حامیان مذہب بیان کرتے ہیں اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت تک دنیا کے ترقی کا چکر اچھی طرح گردش میں نہ آیا تھا لیکن جانتک

معلوم ہوا ہے مذہب سے بے بہرہ انسان اُن انسانی صفات سے جنھیں محبت رحم۔ وعدل سے تعبیر کرتے ہیں بالکل معرا نہ تھا نہ ہر وقت اُس کے سر پر خون سوار رہتا تھا۔ انسانی جذبات کا دورہ دورہ مذہبی زمانے سے کسی طرح زیادہ نہ تھا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ بطل وکذب کا راج ہوتا۔ مکر وفریب دغا غضب۔ قتل وغیرہ وغیرہ دنیا بھر کے عیوب کی لشکر کشی ہوتی۔ نہ کہیں شہر ہوتے نہ کہیں آبادی ہوتی۔ نہ کسی قسم کا تمدن ہوتا۔ نہ کوئی تہذیب ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

گزشتہ زمانے کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت کی تاریخ معلوم نہیں۔ لیکن اب بھی بعض بعض حصے دنیا کے ایسے موجود ہیں جہاں کے باشندے ابھی تک مذہب سے نابلد ہیں چنانچہ مسٹر ہوایٹ اپنے سفرنامہ اسٹریلیا میں لکھتے ہیں کہ یہاں کے اصلی باشندے کسی قسم کے خدا یا دیوتا کو نہیں مانتے نہ کسی قسم کی پرستش کرتے ہیں۔ ایک اور سیاح لکھتا ہے کہ اس ملک میں کشت وخون کی افراط نہیں ہے۔ ڈاکٹر گرے گری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ یہاں کے لوگ بہت فیاض طبیعت کے ہیں مسٹر ہال صاحب اسکیمو قوم کا حال تحریر فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ وہاں کے باشندے چوری اور قتل کے نام تک سے واقف نہیں۔ رنک صاحب اسی قوم کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی زبان میں گالی دینے یا کوسنے کے کوئی الفاظ نہیں +

اسی طرح قدیم زمانے میں سوئیزرلینڈ کے جھیل میں رہنے والے باشندے اگرچہ مذہب سے بالکل بے بہرہ تھے تاہم مل جل کر گاؤں میں رہتے تھے کاتنے اور بُننے کے فن سے واقف تھے اور کلبہ رانی کرتے تھے۔

انسان کو چھوڑ دیجے۔ حیوان کو لیجئے۔ یہ ظاہر ہے کہ حیوان مذہب سے متمتع نہیں ہو سکتے۔ تاہم بہت سی قسم کے جانور ایسے ہیں جو آپس میں مل جل کر رہتے ہیں اپنی قوم والے کی مدد کرتے ہیں چنانچہ ایک تیندوے کا قصہ مشہور ہے کہ اس نے لنگوروں کی بستی پر حملہ کیا اور ایک لنگور کو پکڑ لیا۔ اسکی چیخ پکار سے اور بہت سے لنگور جمع ہو گئے اور سب نے مل کر تیندوے پر یورش کر دی آخر تیندوے کو لنگور چھوڑتے ہی بن پڑی اور اپنی جان بچا کر بھاگا۔ ایک کوّے کو مار کر لٹکا دو پھر دیکھو کتنے کوّے کائیں کائیں کرکے منڈلانے لگتے ہیں اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جہاں ایک کوا پکڑا گیا اور اس نے ایک آواز لگائی کہ ہزاروں کوّے جمع ہو جاتے ہیں اس حیوانوں کے ایکے کا نام کچھ ہی رکھو اور اسکی وجہ کچھ ہی قرار دی جائے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس اتفاق اور آپس میں مل جل کر رہنے کی وجہ مذہب ہے۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ بغیر مذہب کے بھی انسان آپس میں مل جل کر اتفاق سے رہ سکتے ہیں اور تمام وہ خوبیاں جو حیوان مطلق میں پائی جاتی ہیں ان میں بغیر کسی مذہب کی پیروی کیئے بھی قایم رہ سکتی ہیں لہذا حامیان مذہب کا یہ دعوےٰ صحیح نہیں ہے کہ بغیر مذہب کے انسان انسان ہی نہیں رہ سکتا۔

اب یہ ہی دیکھنا چاہیئے کہ کیا مذہب کسی اور صورت میں انسان کے لیے مفید ہوا۔

اکثر یہ مغالطہ ہو جایا کرتا ہے کہ ہم سبب اور مسبب میں غلطی کر جاتے ہیں ایک شخص سگار پیتا ہوا بائسکل پر جا رہا ہے۔ دوسرا شخص جس نے آجتک بائسکل نہیں دیکھی ہے مگر انجن دیکھ چکا ہے یہ قیاس کرتا ہے کہ بائسکل اس

دھوئیں کی وجہ سے چل رہی ہے جو اصل میں سگار سے نکل رہا ہے یا بعض وقت یہ بھی ممکن ہے کہ ایک انجان آدمی موٹر کار کی خاک اڑاتے ہوئے تیز رفتاری کو اس خاک کے اڑنے پر محمول کرے۔ اسی قسم کی رائے لوگ مذہب کے متعلق بنا لیتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جس طرح ایک مشین کے چلنے کا غُل اس کے چلنے کی وجہ سے ہے نہ کہ مشین اس غُل کی وجہ سے چل رہی ہے۔ اسی طرح مذہب نتیجہ ہو دنیا کے دن بدن ترقی کرنے کا برخلاف اس خطرناک خیال کے کہ دنیا کی ترقی نتیجہ ہے مذہب کا۔ مثلاً خیال کرنا چاہیئے کہ مذہب کی بنا کس طرح ہوئی۔ نامعلوم کے معلوم کرنے کی خواہش کا نام مذہب ہوا۔ جانور درخت دریا پہاڑ آسمان بادل بجلی آگ چاند سورج وغیرہ وغیرہ دیوتا مانے گئے ہیں۔ مگر کس زمانے میں۔ اس زمانے میں جب کہ انسان ان کی ماہیت سے واقف نہ تھا جوں جوں ان کی اصلیت معلوم ہوتی گئی ان کا تقدس کم ہوتا گیا۔ غرضیکہ اس نامعلوم کے معلوم کرنے کی تلاش تو انسان کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی لیکن انسان اس تلاش میں غلط راستے پر چلا یعنے انسان نے شروع میں مشکل سے مشکل مسائل کو حل کرنا چاہا جس کے لیے اس کا دماغ تیار نہ تھا لہذا اس تلاش کی بدولت انسان نے بہت سی غلطیاں کیں بہت ٹھوکر کھائی۔ ایک آدمی کیچڑ میں پھسل پھسل کر گرتا جاتا ہے۔ پاؤں رکھتا کہیں ہے اور پھسل کر پہنچتا کہیں ہے۔ اس کا یہ گرنا اسکی کشمکش کے لیے کسی طرح مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے نقش قدم سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ آدمی آگے ہی بڑھتا چلا گیا یعنے اس نے ترقی کی حالانکہ وہ اپنے پاؤں پر سیدھا کھڑا ہی نہ ہو سکا۔ یہی حال مذہب کی کیچڑ میں پھسلنے والوں کا ہے ہر نیا مذہب پرانے مذہب کی خرابیاں

بتاتا ہے اور اکثر ٹھیک بتاتا ہے۔ تو گویا انسان کا وقت گزشتہ غلطیوں کے ٹھیک کرنے ہی میں صرف ہوتا رہا۔ جو شخص پہلی غلطیوں سے درست کرنے میں لگا رہے وہ ترقی کیا کر سکیگا۔ اور جب مذہب ہم کو ایسی اُلٹ پھیر میں پھنسانے والا ثابت ہوا تو کس طرح انسان کے لیے مفید ہو سکتا ہے +

لیکن ہاں مذہب کا ایک فائدہ ہے۔ ہماری بہت سی خوشی کا دارومدار خیال پر ہے۔ خیال ایک لا انتہا چیز ہے یہی وجہ ہے کہ جھوٹی اُمید سے بھی انسان کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ اسی قسم کی جھوٹی امیدوں پر عقائد و اعتقاد و مذہب کی بنا ہے اور اس سے قدرتاً بعض صورتوں میں انسان کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ مذہبی خیال کا آدمی بعض تکالیف میں بھی راحت پاتا ہے۔ اگرچہ یہ راحت خیالی ہی ہوتی ہے۔ لیکن یہ خیالی راحت سچائی کا معیار نہیں ہے۔ شراب پینے کی خیالی تعریف قدیم آریہ لوگوں کے زمانے سے عمر خیام تک برابر گائی جاتی رہی۔ لیکن اس سے شراب کا مفید ہونا عائد نہیں ہوتا۔

یہ خیال ہی غلط ہے کہ مذہب کا اثر ہمارے اخلاق پر اچھا ہوا۔ ازمنہ وسطیٰ میں مذہب کا زور تھا۔ مگر اخلاق میں بجائے ترقی کے تنزل ہی پیدا ہوا دوزخ کی دھمکی اور جنت کی رشوت اخلاق پیدا کرنے میں بیکار ثابت ہوئی۔ یہ ایک معمولی تجربے کی بات ہے۔ کہ جس زمانے میں چوری کی سزا موت تھی اُس زمانے میں بھی چوری نہ بند ہوئی۔ تو جب ایسی سزا برائی کو نہ روک سکی تو محض دوزخ کی دھمکی کیا کارگر ہوگی۔ مذہب نے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچایا کہ بُرائی کو بحیثیت بُرائی کے نہ سمجھنے دیا جس طرح ایک بچے کو بی شادی یا بیچا سے ڈرانا اُسکے لیے

مُضر ہے اسی طرح مذہب کی دھمکی نے انسان کو آیندہ ترقی کے راستے پر پڑنے سے روک دیا۔ جس چیز کا نام کیریکٹر ہے وہ نہ بننے دیا۔ کوئی نیکی نیکی کے لیے نہیں کیجاتی تھی بلکہ خدا کے خوش کرنے کے لیے۔ بھروسہ اپنے اوپر کرنا نہ سکھایا جاتا تھا۔ بلکہ ایک نامعلوم چیز پر۔ غرضیکہ انسان کی اپنی ذاتی قوتوں کو بڑھانے اور اُن سے فائدہ اُٹھانے کی کبھی مذہب نے تعلیم نہ دی بلکہ ہمیشہ اُس کے خلاف عمل رہا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ انسان کی دماغی ترقی میں مذہب کا ساتھ رہا ہے تاہم انسان کی اخلاقی اور سوشل ترقی کا سبب مذہب کبھی نہیں ہوا۔

زمزم[1]

یاسمین - پروفیسر سید محمد سعید صاحب ایم۔ اے مصنف خواب ہستی کا یہ لاجواب و نتیجہ خیز ناول اور تمدن ایجنسی کی پہلی کتاب جس کا عرصہ سے ملک کو انتظار تھا تیار ہو گئی ہے یہ کتاب جو درحقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے۔ قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلبا کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے۔

یاسمین جو اس تمام قصہ کی جان اور بنگالہ کی ایک مشہور نازنین ہے۔ اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفۂ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے۔ قابل مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونے کی کافی ضمانت ہے۔ قیمت عہ

منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجئے

[1] حضرت زمزم اس مضمون کا جواب جولائی کے پرچہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہاتف کی صدا

سونے والے اُٹھ کھڑا ہو ذوقِ راحت کب تلک　　خود فراموشی کہاں تک خوابِ غفلت کب تلک
دل ترا بیگانۂ دردِ مصیبت کب تلک　　روئیگی بالیں پہ تجھکو تیری قسمت کب تلک

نافہ مستی میں رہے گی سر پہ پینی کب تلک
بے خبر! نا آشنائے رازِ ہستی کب تلک

خوابِ عشرت میں تیرے دل کی تمنا اور ہے　　اور ہی پیمانہ ساقی اور مینا اور ہے
ہوش میں آ کھول آنکھیں دیکھ دنیا اور ہے　　بزمِ شب کچھ اور ہنگامہ سحر کا اور ہے

مجھکو ڈر ہے ہو نہ مدہوشی سے رسوائی تیری
صبح کے ہوتے ہی خلقت ہو تماشائی تیری

ہو کے بیدار انقلابِ چرخِ کج رفتار دیکھ　　چال چلتا ہے زمانہ کیسی! یہ رفتار دیکھ
سمتِ مغرب سے طلوعِ شمس کے آثار دیکھ　　دیکھ مشرق کا ذرا اُجڑا ہوا گلزار دیکھ

ہمصفیرانِ چمن کی غور سے گفتار سن
نالۂ قمری، فغانِ عندلیبِ زار سن

کارواں نکہتِ گلشن رواں ہونے کو ہے　　دشمن اب صیاد و گلچیں باغباں ہونے کو ہے
غنچۂ خاموش کی پیدا زباں ہونے کو ہے　　ہمنوائے بلبلِ بے خانماں ہونے کو ہے

بے زبانوں کو تو فریاد و فغاں کا جوش ہے
تو گرفتارِ مصیبت ہو کے بھی خاموش ہے

رنگ بدلا ہے چمن نے گل کھلانے کے لیے　　چھا گئیں کالی گھٹائیں خوں رلانے کے لیے
آسماں گردش میں ہے تیرے مٹانے کیلئے　　برق پہونچی آشیاں تیرا جلانے کے لیے

جل اٹھا جب گھر ترا تو پھر خس و خاشاک ہے
جب ہوا گلزار صحرا - زندگانی خاک ہے

فائدہ ہستی کا تیری کیا جو ویراں ہو گیا تنگ ہو گا اور بھی جب دم پریشاں ہو گیا
کیوں ہے غافل اسقدر کیا تجکو نادان ہو گیا؟ تیری آسائش کا ساماں آفت جاں ہو گیا

خواب میں ہے گرانمایہ کا کھونا چھوڑ دے
جان من کسیر بنتا ہے تو سونا چھوڑ دے

انقلاب دہر نے - ہے شور شش محشر بپا شمع کے شعلے نے پروانے کو خاکستر کیا
تیر جلاد فلک نے ہاتھ میں خنجر لیا دمبدم ارشد یہی آتی ہے ہاتف کی صدا

"ہے تیری ہستی کا دنیا سے سفر ہشیار ہو"
سر پہ آپہونچی قیامت بے خبر ! ہشیار ہو!!

آغا غلام حسین - ارشد

عصمت جس طرح یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ قوم کی ترقی کا انحصار تعلیم النسواں پر ہے اسیطرح اس میں بھی کلام نہیں کہ رسالہ عصمت لڑکیوں کے واسطے ایک بیش بہا نعمت ہے جس میں خانہ داری تعلیم و تربیت - مذہب وغیرہ پر منتخب اہل قلم کے مضامین نکل رہے ہیں

عصمت کواری لڑکیوں کو فرمانبردار بیویاں - اور بیویوں کو سلیقہ شعار گھروالیاں اور سگھڑ مائیں بنانے کے واسطے ایک لاجواب چیز ہے جو بیش قیمت اعلیٰ درجہ کی لکھائی چھپائی رنگین ٹائٹیل سنہری بیل اور تصویر سے مزین ہو کر ہر مہینہ شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ ۳ روپے -

منیجر عصمت و تمدن دہلی -

ملکی کفایت

تمہید

دنیا میں کوئی امیر ہوتا ہے کوئی غریب۔ امیروں کے پاس جو مال و دولت
ہوتی ہے وہ بالعموم یا تو اپنی ذاتی محنت، سلیقہ شعاری اور عقلمندی کا
نتیجہ ہوتی ہے اور یا اُن کو ورثے میں ملتی ہے اور اس حالت میں وہ در حقیقت
اُن کے باپ دادا کی کمائی ہوتی ہے جسکو وہ اپنا خون پسینا ایک کرکے
جمع کرتے ہیں اور دور اندیشی کو مدنظر رکھکر اپنی اولاد کی بہبودی کے
لیے چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے دولتمند
نہیں پیدا ہوتا مگر عموماً غریب آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کی دین ہے
جسکو چاہتا ہے دیتا ہے کچھ محنت اور عقل کی رسائی پر منحصر نہیں اور
سوچکر کہ خدا نے ہماری قسمت ہی میں غریبی لکھدی ہے وہ اپنی
حالت بہتر کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور اپنی ساری زندگی یونہی
تنگدستی میں رہ کر گزار دیتے ہیں بلکہ اس ناگوار ہستی پر قناعت
کرنیکو ایک نیکی اور ذریعہ نجات تصور کرتے ہیں۔ برخلاف اسکے
امیر آدمی کے پاس جو دولت موجود ہوتی ہے وہ اس پر اکتفا نہیں
کرتا بلکہ دن بدن اور دولت جمع کرنے کی آرزو اُس کے دل میں بڑھتی
جاتی ہے اور ہمیشہ ننانوے کے پھیر میں رہتا ہے۔ یہی حال دنیا کی
مختلف قوموں کا ہے مثلاً براعظم ایشیا میں جو لوگ آباد ہیں انمیں سے

اکثر بحیثیت مجموعی اپنی موجودہ حالت پر قانع اور یہ سمجھے ہوئے
ہیں کہ ہماری زندگانی کا سب سے بڑا مقصد اپنے موجودہ سرمایے پر
قناعت کے ساتھ بسر اوقات کرنا ہے۔ اس کے برعکس مغربی
قومیں جو اسوقت دنیا کے بڑے حصے پر قابض و حکمران ہیں برابر
ترقی کر رہی ہیں اور حالانکہ بلحاظ امارت و طاقت اور قومیں اُن کا
مقابلہ نہیں کر سکتیں مگر اُن کو اپنی موجودہ دولت و ثروت پر اکتفا
نہیں بلکہ ہر لحظہ اضافہ کرنے میں کوشاں ہیں۔ چنانچہ اس کوشش
میں کہ ہم اور زیادہ اقبالمند ہوں انھوں نے علوم و فنون کے
ہر صیغے میں نہایت حیرت انگیز ایجادیں کیں اور اُن کے ذریعے
سے قدرتی عناصر کو اپنے زیر نگین کیا۔ وہ علوم جو قدیم زمانے
میں محض ابتدائی درجے پر کہتے تھے اُن کو کمال پر پہونچایا۔ مثلاً علم کیمیا
جو درحقیقت عربوں کی ایجاد ہے اُس میں اہل فرنگ نے ایسی
نمایاں ترقی کر لی ہے کہ انسان کو عربوں کی موجودہ تہذیب دیکھکر
یقین کرنے میں تامل ہوتا ہے کہ علم کیمیا کے موجد ایسے لوگ
تھے جو اب تک پستی کے گڑھے میں بے خبر سو رہے ہیں اور اپنے
ایجاد کردہ علم کا مقصد یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ رانگ اور پیتل سے چاندی
سونا بن سکتا ہے۔ اہل فرنگ نے اسکا اصلی مفہوم سمجھکر کالے کلوٹے
کوئلوں میں سے خوبصورت خوبصورت رنگ نکالے۔ کوڑے
کرکٹ میں سے جوہر پیدا کیے۔ بدبودار چیزوں میں سے
خوشبوئیں کھینچیں اور اس طرح اپنی چاندی بنائی۔ یہی حال علم ہندسہ
کا ہے کہ اگرچہ اس نے ہمارے ملک ہندوستان میں جنم لیا اور

دنیا نے ہمارے ملک سے فائدہ اٹھایا مگر فرنگی زمین پر اس نے وہ نشوونما پائی کہ آج میدان ترقی میں اہل فرنگ کے تیر ہدف کا وسیلہ بنا ہوا ہے۔ قدیم علوم کو زمانۂ حال کے سانچے میں ڈھالنے کے علاوہ یورپ والوں نے زمانے کی ضرورت کے مطابق اور بہت سے نئے علم ایجاد کیے جن کا متقدمین کے دہم و گمان بھی نہ گزرا تھا۔ اُن میں سے نہایت اہم اور پیچیدہ ملکی کفایت کا علم ہے جسکی بنا انگلستان میں ایک انگریز آدم سمتھ نے "دولت اقوام" کتاب لکھکر سنہ ۱۷۷۶ء میں ڈالی۔ اول اول لوگوں نے اس علم کی بڑی مخالفت کی کسی نے کہا کہ یہ ہرگز اس قابل نہیں کہ معقول آدمی اس کے مطالعہ میں اپنا قیمتی وقت صرف کریں دنیا میں مال و زر کے علاوہ اور بہت سے ایسے اعلیٰ مضامین ہیں مثلاً علم اخلاق علم دین علم فلسفہ۔ جو ہم کو نیکی سکھاتے ہیں اور برائی سے بچنے کی طرف مائل کرتے ہیں اس لیے اسکی بجائے انکو پڑھنا چاہیئے کسی نے یہ اعتراض کیا کہ اس علم کا فقط یہ مقصد ہے کہ امیروں کے پاس اور دولت آئے اور غریب بیچارے بھوکے مریں۔ غرض اسیطرح اور سینکڑوں قسم کے اعتراضات کیے گئے جن کی اصل بنا یہ تھی کہ اسکی رُو سے عالموں نے دنیا میں پہلی مرتبہ یہ ثابت کر دیا کہ بیجا خیرات کرنی یعنی ہر ایک فقیر کو جس نے سوال کیا بغیر اس کا استحقاق دریافت کیے خیرات دینے سے نہ تو اُس کا بھلا ہوتا ہے اور نہ وہ مقصد پورا ہوتا ہے جس کے لیے خیرات محض ایک ذریعہ ہے یعنی خلائق عامہ کی بہبودی۔ بلکہ اُسکا اُلٹا اثر پڑتا ہے یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں بھیک منگوں کی تعداد روز بروز

بڑھتی جاتی ہے اور افلاس اور فاقہ مستی عوام الناس میں زیادہ ہوتی جاتی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے بے جا خیرات کر کرکے آبادی کے ایک بڑے حصے کو کاہل وجود اور بےکار بنا دیا ہے جن میں دوسروں کی کمائی پر اپنا پیٹ پالنے کا مرض پیدا ہو گیا ہے اور چونکہ اب تک اس قسم کی نامعقول خیرات کا سلسلہ جاری ہے بلکہ روز افزوں ہے اس لیے ان لوگوں کو بھی بھیک مانگنے کا چسکا پڑ گیا ہے جبکہ اگر یہ خیرات دہندگان اس بے غیرت پیشے کی طرف اپنی بے جا دریا دلی سے ترغیب نہ دلاتے تو خود محنت کرکے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکتے ملکی کفایت کی تعلیم ان عیوب کا کافی انسداد کرنا بتاتی ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں کو تعلیم دینا اُن کے فائدے کے لیے کتب خانے کھولنا اور رفاہ عام کی خاطر صنعت وحرفت کے مدرسے جاری کرنا سب سے بہتر خیرات ہے اور ایک فقیر کو پیسہ دو پیسے دینے کے بجائے اگر اُسکو روزی کمانے کا طریقہ سکھا دیا جائے تو نہ صرف اُس کے حق میں مفید ہو گا بلکہ ملک کی اخلاقی اور مالی حالت پر اچھا اثر پڑے گا۔

اگرچہ اس علم کی عمر بمقابلہ دیگر علوم بہت تھوڑی ہے لیکن اس چھوٹی سی عمر میں اس نے تعجب انگیز ترقی کر لی ہے اور اس کا جاننا ہر مہذب ملک کے باشندوں کے لیے ضروری ہو گیا ہے چونکہ اس مضمون کا تعلق اُن باتوں سے ہے جو ہماری روزمرّہ کے تجربے میں آتی ہیں اور سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ دولت کی ماہیّت

اُسکی پیداوار-استعمال-اور تقسیم کے اصولوں کی تشریح
علمی پیرایے میں کرے اس لیے ظاہر ہے کہ موجودہ زمانے میں
جبکہ تجارت کا بازار گرم ہے ہر تاجر اور کام پیشہ شخص کو اس سے
واقفیت پیدا کرنی لازمی ہے تاکہ اپنے کاروبار میں ایسی غلطیاں
نہ کرے جو نقصان کا باعث ہوں-علاوہ تجارت پیشہ اشخاص کے
اس علم کا جاننا ان نوجوانوں پر بھی فرض ہے جو اپنی قومی بہتری کے
وسائل سوچنے میں اپنے قیمتی وقت کا بہت سا حصہ صرف کرتے ہیں
اور جنمیں سے اکثر کو آیندہ زندگی میں غالباً اسبات کا موقع ملے گا کہ قوم
کے تمدنی معاملات پر اپنی رائے سے خاطر خواہ اثر ڈال سکیں اس لیے
اگر انکی رائے سیاسی اصول سے بے بہرہ رہی تو بہت سی ایسی غلطیوں
کے مرتکب ہوں گے جن کا اثر انکی ذات تک محدود نہیں رہیگا
بلکہ ملک کی عام حالت میں خلل انداز ہوگا اور جن کے درست کرنے
کے واسطے آینوالی نسلوں کو محنت شاقہ اٹھانی پڑے گی لہذا اس
علم سے واقف ہونے کی جتنی سخت ضرورت اہل ہند کو ہے اس کا
بیان کرنا احاطہ امکان سے باہر ہے-ہندوستان کی موجودہ روش
میں ہمارے استقبال کا راز پنہاں ہے اور ہماری قومی تاریخ میں
زمانہ حال ایک ایسا درجہ ہے جسکو ہم انقلاب کہیں تو بیجا نہ ہوگا
اگر اسوقت سیاسی عمارت کی بنیاد ملکی کفایت کے سچے اور سنگلاخ اصولوں
پر پڑ گئی تو نتیجہ پایدار ثابت ہونے کے علاوہ خوش آیند ہوگا-لیکن اگر لوگ
مدنی علوم سے تاریکی میں رہے تو اُن کی جہالت نہ صرف اُن کے حق
میں مضر ہوگی بلکہ خود اس علم کے مقابل میں ایک ایسا طاقتور

مخالفت کھڑا کر دیگی کہ جس کا زیر کرنا مشکل ہو جائیگا کیونکہ یہ بالکل سچا مقولہ ہے کہ اگر لوگ تمدن کے اصلی علوم سے ناواقف رہیں گے تو وہ ضرور اپنے ملکی کفایت شعاری کا ایک جھوٹا علم گھڑ کر اسکی پیروی کریں گے اور اخیر میں بار ان جھوٹے علم کا عوام کے دلوں سے دور کرنا ایک اہم اور دشوار کام ثابت ہوگا۔ برعکس اس کے اگر اول سے خاص عام میں اس کے سچے اصولوں کی تعلیم و تلقین کی جائے گی تو آیندہ کے لیے بہت مرحلے طے ہو جائیں گے بہت سی اور موجودہ غلطیاں رفع ہو جائیں گی مزید براں ہمکو یہ معلوم کرنے میں مدد ملے گی کہ قومی عروج کی منزل مقصود تک پہونچنے کا کونسا آسان اور بہترین راستہ ہے اور ہم کو کیا کیا طریقے اختیار کرنے چاہئیں جن سے قوم میں خوشحالی بڑھے دولت زیادہ ہو اور ہمارے مفلس قوم فاقہ کشی کی تکلیف سے نجات پائیں۔

پہلا باب

دولت

تمہید میں ہم کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ ملکی کفایت کا علم دولت سے بحث کرتا ہے اب ہم کو یہ دریافت کرنا ہے کہ درحقیقت دولت کس کو کہتے ہیں؟ اس کا جواب غالباً بہت سے اشخاص یہ دیں گے کہ میاں دولت کے معنی تو ہم خوب جانتے ہیں مگر ساری دقت تو اس کے حاصل کرنے میں ہے مگر ان کا یہ خیال غلط ہے کیونکہ دولت ایسی چیز نہیں جس کی ہم جلدی سے تعریف

کر سکیں۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روپے پیسے کو دولت کہتے ہیں۔ جس کے
پاس بہت سے روپے اور اشرفیاں ہوں وہی دولتمند ہے۔ چنانچہ ہمارے
ملک میں اس غلط خیال نے لوگوں کے دلوں میں ایسی جڑ پکڑی ہوئی ہے۔
کہ ابتک بعض مالدار آدمی تجارتی کاروبار میں روپیہ لگانے کے بجائے روپئوں
کی تھیلیاں اپنے گھروں میں بند کرکے رکھ چھوڑتے ہیں۔ اور پہلے زمانے
میں تو یہ قاعدہ عام تھا کہ غریب سے غریب کے پاس بھی اگر دس بیس روپے
جمع ہوئے تو اس نے کوئی چاندی کی چیز بنوا کر بیوی کے گلے میں ڈالدی۔
اسی طرح امیر لوگ سونے جواہر کے زیورات بنوا کر اپنی دولت کو جمع رکھتے تھے
مگر اس زمانے میں فرنگی ممالک کے امیر باشندوں کے پاس بہت کم نقدی
ہوتی ہے۔ اشرفیوں کی تھیلیوں کے بجائے وہ اپنے بنک میں ہزاروں
لاکھوں روپے کا حساب رکھتے ہیں۔ مگر اس سے ہمکو یہ پتہ نہیں چلتا کہ دولت
کیا چیز ہے۔ اگر نقد جواہرات کو دولت کہیں تو سعدی کی حکایت کا خیال کرکے
اس کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سعدی اثنائے سفر میں
ایک جنگل بیابان میں جا نکلے۔ زاد راہ ان کے پاس ختم ہو چکی تھی اور بھوک کے
مارے برا حال تھا۔ خوراک کی تلاش میں انکی نظر ایک تھیلی پر پڑی جس میں کچھ دانے
سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کو امید بندھی کہ شاید چنے ہوں اس لیے پاس
جا کر اٹھالیا۔ مگر کھول کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ تھیلی میں موتی ہیں۔ اس پر سخت
ناامیدی ہوئی اور حقیقت کھلی کہ موتی اور بتا اگرچہ قیمتی چیزیں ہیں مگر ایسے وقت
پر کسی کام کی نہیں۔ اس حکایت سے صاف پایا جاتا ہے کہ اصل دولت
کی تعریف فقط سونا چاندی یا ہیرے جواہر نہیں۔ کوئی یہ کہے گا کہ جس کے
پاس بہت سی زمین ہو وہ نہایت امیر آدمی ہوگا مگر اس کا انحصار زمین کے

موقع اور محل پر ہے۔ مثلاً ایک زمیندار ہے جس کے پاس ایک بہت بڑا گاؤں موجود ہے۔ مگر وہ نہر سے بہت فاصلہ پر واقع ہے اور اس لیے پانی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اُس سے وہ زمیندار جس کے قبضے میں نہر کے قریب کی زمین ہے زیادہ مالدار ہوگا اگرچہ وسعت میں اُس بڑے گاؤں سے یہ قطعہ زمین بہت چھوٹا ہو۔ علاوہ ازیں ہمارے ملک میں آریاؤں کے حملے سے پہلے نیم وحشی آباد تھے اور اگرچہ اُن کے قبضے میں ہندوستان کے نہایت زرخیز خطے تھے۔ لیکن وہ خود از حد مفلس اور قلاش تھے اور اپنا گزارا بڑی مشکل سے کرتے تھے اس لیے زمین کے بڑے بڑے قطعوں پر قابض ہو سکنا دولتمندی کی نشانی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم فقط اپنے ہی ملک کی قدیم حالت ہی میں یہ نہیں دیکھتے بلکہ فی زمانہ اور ملکوں میں جہاں وحشی آباد ہیں وہاں افلاس بدترین صورت میں نظر آتا ہے۔ آریاؤں نے ہند کے ان خطوں کو لے کر قدرت کے پوشیدہ خزانوں سے پورا فائدہ حاصل کیا اور اپنی اقبالمندی کے زمانے میں ایک تہذیب کی بنیاد ڈالی جو باوجود کئی ہزار برس گزرنے کے اب تک قایم ہے۔ اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ ایسا ملک جہاں کی زمین زرخیز ہو۔ دریاؤں میں بیشمار مچھلیاں ہوں۔ جنگلوں میں اونچے اونچے درختوں کی افراط ہو جن میں سے اچھی لکڑی نکل سکے۔ زمین کے اندر کوئلے۔ لوہے۔ تانبے۔ سونے اور چاندی کی کانیں ہوں اور اس کے ساتھ ہی آب و ہوا خوشگوار ہو اور پانی کی کمیابی نہ ہو تو وہ ملک بیشک مالدار کہا جائیگا۔ لیکن یہ ساری خوبیاں از خود دولت نہیں کہی جا سکتیں۔ کیونکہ ایسے ملک کے باشندے سالہا سال تک اس میں بود و باش رکھیں لیکن اگر وہ ان قدرتی خزانوں کو اپنے کام میں لانے کی قابلیت

نہیں رکھتے تو ساری عمر غریب اور محتاج رہیں گے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دولت
پیدا کرنے کے لیے محنت۔ ہنر اور علم کی ضرورت ہے۔ بلکہ اچھی زرخیز زمین کے
مقابلہ میں حصول دولت کے لیے اِن تین باتوں کی زیادہ ضرورت ہے۔ لہذا
وہ قومیں جو یہ چاہتی ہیں کہ ہم اہل فرنگ کی طرح دولتمند ہو جائیں اُن کو محنت اور
ہنر کے ساتھ علم کا بھی پورا استعمال کرنا چاہیئے۔ یہاں علم سے مُراد فقط جاننے
سے نہیں بلکہ کسی چیز کے اصول اور اسباب کی واقفیت سے ہے۔ مثلاً ہم
ایک گنوار کو عالم نہیں کہتے اگرچہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر ہوا پچھوا ہو گی تو
اُسکا ایک خاص اثر ہوگا۔ اور اگر پُروا تو اُس کے برعکس مگر اسکو یہ خبر نہیں ہوتی
کہ پچھوا ہونے سے وہ خاص اثر کیوں پیدا ہوتا ہے اور وہ کون سے اسباب
ہیں جو ہوا کا رُخ بدل کر اس کی تاثیر بھی بدل دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس
مفہوم میں ہم اسکو عالم نہیں کہتے مگر وہ شخص جو مظاہر قدرت کے تغیر و تبدل کی
وجوہات سے واقف ہے اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ اُسکی اصولی
واقفیت کو علم کہا جائے۔ لہذا دولت کی ماہیت دریافت کرنے اور اُس کے
پیدا کرنے کے لیے ہم کو صرف سطحی باتوں کا جاننا ضروری نہیں بلکہ اُس کے
متعلق ہر ایک شے کی علّت غائی کا علم ہونا لازمی ہے چنانچہ ملکی کفایت کے
علم میں بھی اول ہمکو دولت کی علمی رُو سے تعریف کرنی ہے جس طرح حکمائے
فرنگ نے اسکی تعریف کی ہے اگر اُس کا لفظ بلفظ ترجمہ کریں تو یہ ہو گا کہ
اصطلاح دولت میں تمام وہ اشیاء مشتمل ہیں جو منتقل ہو سکیں۔ جن کی فراہمی
محدود ہو اور جو براہ راست یا بالواسطہ انسانی خوشی کا باعث ہوتی ہیں یا تکلیف
کو رفع کرتی ہیں"۔ لیکن یہاں ہم مختصر الفاظ میں یوں کہیں گے کہ وہ چیزیں
جو منتقل ہو سکیں۔ جن کی فراہمی محدود ہو اور جو ہمارے کام کی ہوں اُن کو

اصطلاح میں دولت کہتے ہیں۔ اب اگر دولت کی یہ تعریف صحیح ہے تو ہر ایک شے جس میں یہ تین باتیں پائی جائیں دولت کا جُزو ہونی چاہئیں۔ اور اگر ایسا نہیں تو وہ دولت نہیں ور نہ یہ تعریف ٹھیک نہیں۔ مگر ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ دولت صرف وہی چیز ہوسکتی ہے جس میں یہ تینوں باتیں موجود ہوں۔ فی الحال اس تعریف کے اچھی طرح سمجھنے کے لیے ہم ایک ایک صفت کو لے کر یہ دیکھتے ہیں کہ کہاں تک درست ہے۔

محمد ثروت علی بیرسٹرایٹ لا

ایک گولڈ فنچ پر جو قفس میں بھوک سے مر گیا

اک زمانہ تھا کہ میں تھا شاد میں | جوں صبا ہر خطہ تھا آزاد میں

تخم ہائے حسک تھے میری غذا | جن سے رغبت تھی مجھے بے انتہا

تھے ملایم بیج وہ کچھ اس قدر | گویا تھے چھاتی کے میری چند پر

صبح کی شبنم کے قطرے پیتا تھا | تھے مری حق میں وہی آب بقا

وادی و صحرا میں اڑتا پھرتا تھا | ہر شجر کی شاخ پر جا سکتا تھا

خوشنمائی نے بس مجھکو ناز تھا | اپنے ہم جنسوں میں ممتاز تھا

پر مرے چمکیلے اور خوشرنگ تھے | میرے بازو تھے سنہری رنگ کے

خوش گلوئی سے میں گاتا پھرتا تھا | ہر شجر پر چہچہاتا پھرتا تھا

گیت گاتا تھا ہمیشہ میں نئے | دل لبھانے والی خوش آواز کے

لیکن افسوس آپہ آتا ہے مجھے | میرے پر جو تھے نرالے رنگ کے

خوبصورت خوشنما جو بازو تھے | ہائے وہ کیا تھے کہ گویا تحفے تھے

میرا رنگ اور روپ اور میرا شباب | تو تھا چند روزہ مانند حباب

آئی آفت مجھ پہ ٹوٹا کوہ غم | اس فلک نے اک نیا ڈھایا ستم

آن پکڑا مجھکو اک صیاد نے | بند پنجرے میں کیا صیاد نے

کچھ نہ کی پروا آب و دانہ کی مری | یوں ہی غم کھا کھا کے گذری زندگی

گر پڑے نیچے مرے جھڑ جھڑ کے پر | توڑ ڈالی میری صدموں نے کمر

زندگی اک بار مجھکو ہو گئی | تھی تمنا مجھکو ہر دم موت کی

موت ہی نے آخرش کی تو یہ بات | مجھکو اس اندوہ و غم سے دی نجات

۱ ایک خوشنما انگریزی طائر ۱۲ ۲ ایک خودرو پودا ۱۲

کلفتیں سب غیر محسوس ہوگئیں جتنی تکلیفیں تھیں ساری مٹ گئیں
غم کے طوفاں سے بچایا موت نے قید ہستی سے چھڑایا موت نے
باقی ظلم و ستم جور و جفا شکر کرتا ہوں نہایت میں ادا
تو نہ کرتا مجھ پہ گر یہ سختیاں مجھ سے کب چھٹتیں قفس کی تیلیاں
کب مجھے آتی اجل یوں بے محل کب مجھے ان آفتوں سے ملتی کل

بس ہمیشہ تیرا رہتا صید میں
زندگی بھر تک قفس کی قید میں

سراج احمد صاحب
فہیمؔ اکبرآبادی

غزل

چہ شد ار بہ ہند فتادہ ام خبرش صبا بمن آورد بمن اہتزازِ بشارتے کہ نسیم در قرن آورد
کہ رساندش بہ مرادِ او بجز از مروت باغباں ؟ چہ عجب کہ بلبلِ خستہ را تصدقِ چمن آورد
ز طپیدنِ رگِ آرزو سخنِ امید شنیدہ ام من و شوق وادیٔ غربتے کہ برونم از وطن آورد
سخنے بغیر حدیثِ او نرود بہ محفل اہل دل ز حلاوتِ سخنش شبے چو سخنورے سخن آورد
شد خلوتم ہمہ انجمن ز ہجوم شوقِ تصورش سر و برگِ صحبتِ کس کجا کہ مرا بہ انجمن آورد
بہوائے سیر جمال او شدہ حالتِ دل من چناں کہ چو بوئے پیرہنے رسد بدرم ز پیرہن آورد

نگری شکوہ تحملش بہ بساطِ بزم ستمکشاں
غم عشق وحشتِ خستہ را چو برائے سوختن آورد

رضا علی وحشتؔ

تاریخ گزیدہ

تصنیف ملا حمد اللہ مستوفی قزوینی

آٹھویں صدی کے اوائل میں حمد اللہ مستوفی زبان فارسی کا ایک مشہور و معروف مصنف اور مورخ گذرا ہے۔ مرحوم ڈاکٹر چارلس ریو۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ Dr Charles Rieu نے برٹش میوزیم کے فارسی کتابوں کی فہرست میں اس کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ جن کا ماحصل یہ ہے کہ حمد اللہ شہر قزوین کا باشندہ تھا، اور اس کے آبا و اجداد سلاطین ایران کے دربار میں صاحب عزوجاہ مانے جاتے تھے اور انہیں سلطنت کی طرف سے مختلف ولایات میں مستوفیت کا عہدہ تفویض تھا۔ اسی وجہ سے وہ اور اوس کے تمام اہل خاندان "مستوفی" کہلاتے تھے ✢

حمد اللہ نے تاریخ و جغرافیہ میں تین مفید اور کارآمد کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں تاریخ گزیدہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس کے بعد ظفرنامہ لکھا اور اس میں شاہنامہ کی طرز پر ظہور اسلام سے لیکر اپنے زمانہ (سنہ ۷۳۵ھ) تک شاہان عرب و ایران کے تمام و کمال واقعات درج کیے۔ تیسری کتاب نزہۃ القلوب سنہ ۷۴۰ھ میں تصنیف اور اوس میں مسالک و ممالک (علم جغرافیہ) کے متعلق ہمہ قسم کے معلومات جمع کر دیے ✢

ساتویں صدی کے خاتمہ پر اقوام مغول کی تاخت و تاراج سے وسط ایشیا میں جو بدامنی پھیلی ہوئی تھی اوس کی وجہ سے علم و فن کا چراغ گل ہونے کے

قریب ہوگیا تھا۔ مگر اس آپرشوب زمانہ میں فارسی زبان میں چند تاریخیں ایسی تصنیف ہوئی ہیں کہ اُن پر اہل عجم جس قدر فخر و ناز کریں بجا ہے۔ ۶۵۸ھ میں وزیر عطار الملک ملا علاء الدین جوینی نے تاریخ جہاں کشائی تصنیف کی جس میں اقوام مغول کی اصل و نسل اور اون کے خروج کے مفصل حالات درج ہیں۔ ۷۱۰ھ میں ملا رشید الدین بن فضل اللہ نے جو کہ غازان خاں کا وزیر تھا جامع التواریخ قلم بند کیا۔ اس کے اٹھارہ سال بعد ۷۲۸ھ میں ملا عبد اللہ بن فضل اللہ شیرازی نے تجزیۃ الامصار و تزجیۃ الاعصار لکھی جو تاریخ وصاف کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کتاب اصل میں تاریخ جہاں کشائی کا تکملہ ہے کیونکہ اس میں صرف مغولیہ فتوحات کے حالات مذکور ہیں۔ جامع التواریخ عام تاریخ ہے اور اُس میں ابتدار تخلیق عالم و آدم سے لیکر مصنف نے اپنے زمانہ تک تمام سلاطین عالم اور خلفار اسلام کے حالات فراہم کیے ہیں۔ اِن تینوں کتابوں سے صرف تاریخ وصاف ۱۲۶۹ھ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے۔ باقی دونوں کتابیں سلسلہ اوقاف مشر گب میں چھپ رہی ہیں +

تاریخ گزیدہ وصاف کے دو سال بعد یعنے ۷۳۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے مصنف نے اس کتاب کو اگرچہ جامع التواریخ سے انتخاب کیا ہے لیکن دیگر کتابوں سے اخذ کر کے بعض متفرق معلومات ایسی بھی جمع کر دی ہیں کہ اُنکی وجہ سے تاریخ ایران اور واقعات سلاطین عہد اسلام کے متعلق بہت عمدہ اور کار آمد کتاب ہوگئی ہے +

تاریخ گزیدہ کے دیباچہ میں اُن کتابوں کی بھی فہرست درج ہے جنکی اسکی تصنیف میں امداد لی گئی ہے اور اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) سیر النبی لابن ہشام

۲۔ قصص الانبیاء للثعلبی۔
۳۔ رسالہ امام قشیری۔
۴۔ تذکرۃ الاولیا مصنفہ شیخ فریدالدین عطار۔
۵۔ روضۃ الریاحین للیافعی۔
۶۔ تجارب الامم۔ لابن مسکویہ۔
۷۔ مشارب التجارب (کشف الظنون نمبر ۳۳۴ ۱۲۰)
۸۔ دیوان النسب۔
۹۔ تاریخ طبری۔
۱۰۔ تاریخ حمزہ اصفہانی۔
۱۱۔ تاریخ ابن اثیر۔
۱۲۔ زبدۃ التواریخ مصنفہ ابوالقاسم جمال کاشانی۔
۱۳۔ نظام التواریخ مصنفہ امام بیضاوی۔
۱۴۔ عیون التواریخ لابوطالب علی الخازن البغدادی۔
۱۵۔ کتاب المعارف لابن قتیبہ۔
۱۶۔ تاریخ جہاں کشا مصنفہ علاء الدین جوینی۔
۱۷۔ تاریخ یمینی ترجمہ ابی شرف جربادقانی۔
۱۸۔ سیر الملوک لنظام الملک طوسی (جس کا دوسرا نام سیاست نامہ ہے دیکھو Journal of the Royal Asiatic Society،
۱۹۔ شاہنامہ فردوسی۔
۲۰۔ سلجوق نامہ ظہیری۔ نیشاپوری +

۲۱۔ مجمع ارباب الملوک مصنفہ قاضی رکن الدین کوہی۔

۲۲۔ استظہار الاخبار مصنفہ قاضی احمد دامغانی

۲۳۔ جامع التواریخ مصنفہ ملا رشید الدین۔

تاریخ گزیدہ میں مفصلہ ذیل ابواب وفصول میں +

مقدمہ

باب اوّل۔ در ذکر پیغمبران وحکما کہ قبل از اسلام بودہ اند۔

فصل اوّل۔ در ذکر انبیا و پیغمبران و مرسل اولوالعزم

فصل دوئم۔ در ذکر حلما ر۔

باب دوم۔ در ذکر بادشاہان پیش از اسلام۔

فصل اول۔ در ذکر پیشدادیان۔

فصل دوئم۔ در ذکر کیانیان۔

فصل سوئم۔ در ذکر احوال ملوک الطوائف۔

فصل چہارم۔ در احوال ساسانیان

باب سوئم۔ در ذکر محمد مصطفٰے و خلفائے او۔

فصل اول۔ نسب پیغمبر و کیفیت او۔

فصل دوئم۔ خلفائے راشدین۔

فصل سوئم۔ آئمہ اثنا عشر۔

فصل چہارم۔ بعضے از صحابہ تابعین

فصل پنجم۔ خلفائے بنی امیہ۔

فصل ششم۔ خلفائے بنی عباس۔

باب چہارم۔ بادشاہان بعد از اسلام۔

فصل اول - در ذکر صفاریان سنہ ۲۵۳ھ - سنہ ۲۸۷ھ -

فصل دوئم - در ذکر سامانیان سنہ ۲۸۷ھ - سنہ ۳۸۹ھ -

فصل سوئم - در ذکر غزنویان سنہ ۳۹ھ - سنہ ۳۸۹ھ -

فصل چہارم - در ذکر غوریان سنہ ۵۴۵ھ - سنہ ۶۰۹ھ -

فصل پنجم - در ذکر آل بویہ سنہ ۳۲۱ھ - سنہ ۴۴۸ھ -

فصل ششم - در ذکر سلجوقیان -

(۱) - سلجوقیان ایران سنہ ۴۲۹ھ - سنہ ۵۹۰ھ -

(۲) سلجوقیان کرمان سنہ ۴۳۳ھ - سنہ ۵۸۳ھ -

(۳) سلجوقیان روم سنہ ۴۸۰ھ - سنہ ۶۷۹ھ -

فصل ہفتم - در ذکر خوارزم شاہیان سنہ ۴۹۱ھ - سنہ ۶۲۸ھ -

فصل ہشتم - در ذکر آتابکان -

(۱) آتابکان دیار بکر و شام سنہ ۴۸۱ھ - سنہ ۶۰۱ھ -

(۲) آتابکان فارس سنہ ۵۴۳ھ - سنہ ۶۶۳ھ -

فصل نہم - در ذکر اسمعیلیاں -

(۱) اسمعیلیاں مصر و مغرب سنہ ۲۹۶ھ - سنہ ۵۵۶ھ -

(۲) اسمعیلیاں ایران سنہ ۴۸۳ھ - سنہ ۶۵۴ھ -

فصل دہم - در ذکر قراختائیان کرمان سنہ ۶۲۱ھ - سنہ ۷۰۶ھ

فصل یازدہم - در ذکر آتابکان - لرستان -

(۱) آتابکان لر بزرگ سنہ ۵۵۰ھ - سنہ ۷۳۰ھ -

(۲) آتابکان لر کوچک سنہ ۵۸۰ھ - سنہ ۷۳۰ھ -

فصل دوازدہم - بادشاہان مغول ایران سنہ ۵۹۹ھ - سنہ ۷۳۰ھ -

باب پنجم - در ذکر آئمہ و قرار و مشائخ و علماء اسلام -

فصل اول - در احوال ائمہ و مجتہدین -

فصل دوئم - در احوال قرار

فصل سوئم - در احوال محدثان -

فصل چہارم - در احوال مشائخ -

فصل پنجم - در احوال علمار -

فصل ششم - در احوال شعرار

(۱) شعرائے عرب -

(۲) شعرائے عجم -

باب ششم - در ذکر شہر قزوین کہ مولد و منشار مولف است -

فصل اول - کیفیت نام قزوین -

فصل دوئم - عمارات و ابنیۂ قزوین -

فصل سوئم - فتح شہر قزوین و اہل اسلام آن -

فصل چہارم - نواحی در و دخانہا و قنوات و مساجد و مقابر آں -

فصل پنجم - صحابہ و تابعین و آئمہ و خلفار و علمأ و بادشاہان کہ بہ قزوین رسیدہ اند

فصل ششم - حکام قزوین -

فصل ہفتم - قبائل و خانوادہائے قزوین -

تاریخ گزیدہ کے مختلف حصّوں کو یورپ کے بعض مستشرقین نے فرانسیسی اور انگریزی میں ترجمہ کیا ہے - باب چہارم کو جس میں شاہان ایران کا تذکرہ ہے موسیو یولس گانٹن M. J. Gonton نے فرنچ میں ترجمہ کر کے سنہ ۱۹۰۳ء میں بمقام پیرس چھپوایا - موسیو باربی دی مینارڈ

M. Barbier de Meynard نے فرانس کے مشہور رسالہ ایشیا Journal Asiatique بابتہ ۱۸۵۷ء سلسلہ پنجم جلد دہم میں باب ششم کا ترجمہ شائع کرایا جس میں شہر قزوین کی تاریخ اور وہاں کے آثار و ابنیہ وغیرہ کے حالات مذکور ہیں۔ مسٹر اے۔ جی۔ برون۔ ایم۔ اے۔ E. G. Browne نے انگریزی میں فارسی شعراء کے حالات ترجمہ کئے جو باب پنجم کی فصل ششم میں شامل ہیں۔ اور وہ اکتوبر ۱۹۰۰ء اور جنوری ۱۹۰۱ء کے رسالہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی Royal Asiatic Society میں شائع ہوئے ہیں +

تاریخ گزیدہ کے قلمی نسخے دنیا میں بہت سے موجود ہیں۔ یورپ کے مشرقی کتب خانوں میں (۱۳) نفیس نسخوں کا پتہ چلتا ہے (۱) ایک قدیم نسخہ جس کی ۸۵۷ء میں کتابت ہوئی تھی ایران میں معتمد والدولہ حاجی فرہاد میرزا مصنف جام جم کے یہاں موجود تھا۔ مشہور عالم شرقیات مسٹر اے۔ جی۔ برن۔ E. G. Browne نے جو کیمبرج یونیورسٹی میں فارسی پروفیسر ہیں اس نسخہ کو حاجی میرزا عبدالحسین کاشانی کے توسط سے منگوایا اور عکس میں چھپوا کر اوقاف مسٹر گب "کیطرف سے" ۱۹۱۰ء میں شائع کرایا +

اب ہم کتاب مذکور کے چند صفحات ذیل میں بطور نمونہ درج کرتے ہیں۔

بادشاہان بنی صفار

فصل اول ۔ از باب چہارم

لیث کر بچہ سیستانی بود۔ در خود نخوتی میدید و ذکر تلطف فشد از صلاح

درہاے بعیاری و راہزنی افتاد - اما دران راہ طریق انصاف سپردی و مال کس بیکبارہ نبردی و بودی کہ از بردہ بعضی باز دادی - شبی خزانہ درہم بن نصر بن لیث بن سیار کہ والی سیستان بود برید و مال بے قیاس بیرون برد، پس چیزے شفاف یافت تصور گوہری کرد برداشت و زبان امتحان برآورد نمک بود - چون حق نمک پیش او بر قبض مال غالب آمد - مالہا بگذاشت و برفت - شبگیر خازن ازان متعجب شد - بدرہم بن نصر باز نمود - درہم منادی کرد و دزد را امان داد تا حاضر شود - لیث صفار پیش او رفت درہم پرسید کہ چون بر اموال قادر شدی - موجود نابردی چہ بود لیث حکایت نمک و حق آن یاد کرد - درہم را پسندیدہ آمد او را بر درگاہ سرراہ چاوشی داد - پیش او مرتبہ جاہ دریافت و امیر لشکر شد بعد از و پسرش یعقوب بن لیث صفار پس از وفات درہم بن نصر بر پسرانش خروج کرد - از ۲۳۷ھ سبع و ثلثین و مأتین ۔ کار او ترقی گرفت امرا و ارکان دولت درہم بن نصر با و متفق شدند - تا ۲۵۳ھ ثلث و خمسین و مأتین بر تمامت ولایت سیستان مستولی شد نصر و صالح بگریختند و پناہ بہ بادشاہان کابل بردند - بعد از ایشان با سی[۳] ہزار مرد بہ جنگ یعقوب آمد - یعقوب با سہ ہزار مرد برابر رفت - یعقوب از حیلت با تنبل بادشاہ کابل مکر کرد او را بہ فریفت و پیغام داد کہ از کردہ پشیمان ست و آرزوی مخدوم زادگان شرمسار اگر عذر و ر پذیرد و چون دران طرف امیدامان یا ہم و عہد و میثاق آید دسعادت آیم و ملک بسپارم - تنبل این فریب بخورد و بحجت تمہید عہد و میثاق با نصر و صالح در نوشت - و سی[۳] صد سوار از لشکر بہ گوشہ و در رفت یعقوب نیز با ہمیں مردم برفت و بر ایشان غلا کرد و تمامت لشکر را بکشت و با لشکر بر سر کابلیان تاخت و از ایشان شش ہزار آدمی بہ تیغ گزرانید و کار سیستان باقرار گرفت بعد از دو سال بر ملک ہری مستولی شد - محمد بن احمد

بن طاہر بن عبد اللہ طاہر ذو الیمین حاکم خراسان بود در خود قدرۃ مقاومت او نیافت۔ خواست کہ بہ حیلہ باو چیرہ شد۔ آن معنی خود سبب نیکوی دولت یعقوب بن لیث گشت بدوستی پیغام فرستاد و حکومت کرمان باو داد۔ تا در غیبت یعقوب کرسیستان مستخلص کند۔ یعقوب ازاین معنی خورم شد چہ اندیش ناک بود کہ اگر قصد خراسان کند لشکر کرمان از پشت رو در آیند برفت و کرمان مستخلص گرد۔ محمد طاہر در غیبت یعقوب امیرے قاسم نام باسپاہی کرمان باستخلاص سیستان فرستاد۔ غلام یعقوب بغیان نام بایشان حرب کرد قاسم کشتہ شد و لشکرش شکستہ گشت۔ یعقوب بہ لطف و مہر امراء خراسان را پیغامہا فرستاد و بہ بیم و امید ایشان را مطیع خود گردانید۔ محمد طاہر در ہراس افتاد و ملک بگذاشت و بہ بغداد رفت۔ یعقوب بہ تمامت خراسان مستولی شد و عزیمت فارس کرد۔ علی بن حسین بہ جنگ او با مردم شہر بیرون رفت وطوق بن قیس۔ را اسیر کرد و بہ شیراز رفت و بعد از محاربہ اسیر شد و ملک فارس بہ دست یعقوب آمد۔ معتز خلیفہ او را بادشاہی داد و منشور و خلعت فرستاد تا علی بن حسین و طوق بن قیس از و خلاص شدند۔ یعقوب لیث مدت دو سال و شش ماہ بادشاہی کرد۔ ہر جا کہ نشان مال یافت بزور ظلم بستد مالہا بجہاں باو گرویدہ ہوس عراق کرد و مازندران بہ جنگ الداعی الی الحق حسین و بک الباقر رفت و مظفر شد۔ پس از این ہوائے بغداد کرد و روئے بہ جنگ معتمد خلیفہ نہاد۔ خلیفہ برادر خود موفق را بہ جنگ او فرستاد۔ در حلوان جنگ کردند یعقوب شکستہ بہ خوزستان رفت باز معاودت کرد و در رابع عشر شوال سنہ ۲۶۵ خمس و ستین و مائتین انجا در گذشت چنانکہ ذکر رفت +

عمر بن لیث الصفار۔ بعد از برادر بادشاہی باز تعلق باو گرفت و

بیست و دو سال حکم کرد و کار او عروج تمام یافت بر خراسان و عراق و فارس و
کرمان و سیستان و قہستان و ماژندران و غزنہ مستولی شد۔ رافع بن ہرثمہ با و
مخالفت کرد و با حکام طبرستان و ماژندران اما بوقت حرب مخالفت نمودند و معاونت
رافع نکردند۔ رافع منہزم شد و بہ باورگیرنحت آہنگ تحشب کرد۔ عمرو لیث راہش
گرفت بشیتر لشکر بزینہار عمرو لیث رفتند۔ رافع پناہ بہ بادشاہ خوارزم۔ بردو
او بر رافع عذر کرد و بہ کشت و سرش بہ عمرو لیث فرستاد۔ کار عمرو لیث قوی
شد و طمع در خوزستان و عراق عرب کرد با معتمد خلیفہ طریق مخالف سپرد
و خلیفہ اسمٰعیل سامانی را الفرمود تا با او جنگ کند۔ در ربیع الاخر سنہ سبع و ثمانین
و مائتین با دوازدہ ہزار مرد جنگی بہ جنگ عمرو لیث رفت گذر بہ ہری داست
در کوچہ باغی درختی سیب سر بر راہ داشت۔ اسمٰعیل غلامی را نہاں برو گماشت
تا خود کسے از آن نصر میخواہد کرد یا نہ ہمہ لشکر براں گذشتند و بہ یک سیب
تصرف نہ کردند۔ اسمٰعیل خدائے تعالیٰ را سجدہ شکر گزارد کہ سیاست و عدل
او در لشکر بدیں مرتبہ رسیدہ است و امید و ظفر بست۔ عمرو لیث با ہشتاد
ہزار مرد برابر آمد چون فریقین صف بیاراستند و طبل فروکوفتند اسپ عمرو لیث
نشاط کرد و او را در ربود و بہ میان لشکر اسمٰعیلیاں آورد تا بے جنگ گرفتار
شد و آن ہمہ بہ بانگ طبلے منہزم شدند۔ عمرو لیث را در خزانہ محبوس کردند
از فراشاں او یکے آنجا یکہ بگذشت عمرو او را بخواند و گفت جہت من چیزے
خوردنی ترتیب کن فراشی پارہ گوشت بدست آورد و در دیغلاوے
قلید ساخت در خوابچی رفت سگے سر در دیغلاوے کرد و استخوانی برگرفت
و دہانش بسوخت سر بہ تعجیل بیروں آورد۔ حلقہ دیغلاوے بہ گردنش افتاد
و میدوید و دیغلاوے میبرد۔ عمرو بخندید موکلاں کہ ملازم بودند سوال کردند

کہ موجب خندہ چیست گفت ہم امروز بامداد خوالیکرم شکایت میکرد کہ
مطبخ سی صد شتر بدشواری مے برند زیادت ازین باید کرد شب هنگام مشاہدہ میکنم
کہ سگے باسانی میبرد۔

اسمٰعیل سامانی حاجب را پیش عمرو لیث فرستاد و استمالت داد کہ انشاء اللہ
ترا از خشم خلیفہ خلاص کنم عمرو با اسمٰعیل آفرین کرد و گفت میدانم کہ مرا از خلیفہ رہائے
خلاص نخواہد بود۔ اما امیر اسمٰعیل انچہ طریقہ مردی بود گفت بازو بندی بران حاجب
داد گفت این نسخہائے گنجہائے من و برادر من است ہمان بہتر کہ این مال
بہ بندگان تو عاید گردد تا ایشان سالہا ازین اسبتے باشد از بندگی امیر توقع آن ست کہ
کردار موافق گفتار فرمائے و از خون من دست کوتہ کنی و مرا بہ حضرت خلیفہ فرستی
حاجب تصور آنکہ جہت امیر اسمٰعیل تحفہ آوردہ بشاش مے آمد حال باز گفت
اسمٰعیل بانگ برزد و گفت برو و این نسخہ باز دہ و بگوئے اسمٰعیل مے گوید از
غایت دانش میخواہی کہ برخود فزونی جوئی تو و برادرت را گنج کجا بود و ہمہ جہان را
معلوم است کہ شمار و زرگر بچگانید و دستہ روزی سادتی کہ بحقیقت عین شقاوت
ست مساعد شما گشت و در جہان استیلا یافتند بزور ظلم و جبر اموال حاصل
گردید مظلمہ کہ ازان اموال در گردن شما ست می خواہی کہ بصنعت در گردن
من کنی و امن از آنہا نیستم و انچہ گفتہ ام قصد خورش نہ کنم چوں مرا با دحق
خون نیست چرا دست بخونش بیالایم و انچہ گفتہ او را بہ خلیفہ فرستم بغیر ازین ہیچ نہ
تواں کرد۔ حاجب برفت و گنج نامہ باو رسانید با جواب ہزار آفریں برروان
واعتقاد اسمٰعیل باد۔ امروز بزمانی افتادہ ایم کہ برادر خون برادر جہت اندک فائدہ
روا میدارد و غنیمت میشمارد۔ اسمٰعیل سامانی عمرو لیث را بحضرت خلیفہ فرستاد
چوں چشم خلیفہ بر عمرو لیث آمد گفت الحمد للہ الذی کفنی منک وکفی شغلک

واو را محبوس کرد۔ در عہد معتضد دو سال محبوس بود۔ بوقت وفات معتضد برای خادمی بہ فرستادن او را بکشتند او را فراموش کردند۔ و خوردنی ندادند از گرسنگی بجر و کار او از اعتبار جہانیان ست باآنکہ از پادشاہان ہیچکس اجہان او سفرہ نبود از گرسنگی مرد۔ آز آثار عمرو لیث جامع عتیق شیراز است۔

طاہر بن محمد بن عمرو لیث الصفار۔ چوں جدش اسیر گشت ارکان دولت او را بہ بادشاہی بہ نشاندند یک سال و چند ماہ کروفری کرد۔ وسر انجام اسمٰعیل سامانی باو غلبہ کرد و بادشاہی بستد بعد از مدتی حکومت سیستان نبیرہ اش احمد داد و از وی بہ پسرش رسید بعد از و بہ نبیرہ او نصر بن احمد بن طاہر بن خلف حاکم شد و تا ۵۵۵ھ ثمان وخمسین وخمسمائۃ حکم کرد و عمرش از صد سال گزشتہ بود۔ این زمان نسل بہ نسل حکومت ایشان سیستان تعلق دارد۔

(از صفحہ ۳۷۳ تا ۳۷۸)

حکیم سید شمس اللہ قادری۔ آنریری سکریٹری
آرکیولوجیکل سوسائٹی

یاسمین۔ پروفیسر میرزا احمد سعید صاحب۔ ایم۔ اے مصنف خواب ہستی کا یہ لاجواب نتیجہ خیز ناول اور تمدن مکنیسی کی پہلی کتاب جس کا عرصہ سے ملک کو انتظار تھا تیار ہوگئی ہے۔ یہ کتاب جو حقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے۔ قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلبا، کیواسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے۔ یاسمی جو اس تمام قصہ کی جان ہے او بنگالہ کی ایک مشہور نازنین ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفہ جات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے۔ قابل مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونے کی کافی ضمانت ہے قیمت فی جلد عہ، ایک روپیہ منیجر عصمت و تمدن دہلی۔

روضۂ امام رضا کی تباہی

وہ مرقد جس کے گنبد کی طلاکاری سکھاتی ہے
فلک پر قرص خورشید درخشاں کو زر افشانی

قسم مامونِ عباسی نے کھائی جس کی حرمت کی
نگہباں جس کی تھی عباسِ اعظم کی جہاں بانی

جہاں جاروب کش پلکیں ہوئی ہیں کجکلاہوں کی
ادب سے چومتے ہیں جس کو ایرانی و تورانی

اُسی مرقد کو ڈھانے آئے ہیں واحسرتا روسی
فنا گستر ہے جنکی توپ کے گولوں کی غلطانی

نکل کر اشقیا کا لشکر آیا ہے جہنم سے
ہے بھرتی سسکیاں ایران میں مسلم کی گرانجانی

جوان و پیر و طفل و زن ہوئے سب قتل مشہد میں
کہ گذرا سر سے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ کا پانی

وہ روضہ جس کے خادم تھے ملائک آ کے کل شب تک
سپرد ابلیس کے ہوتی ہے اُس کی آج دربانی

برادر آپ کو اسلامیوں کی کیوں نہیں پروا
پریشاں کیوں نہیں کرتی تمہیں اُنکی پریشانی

مسلماں ایک ہیں اسواسطے غم ایک ہے اُن کا
حقیقت کس لیے اب تک نہیں تم نے یہ پہچانی

لگایا روس نے پہلوئے مسلم میں وہاں چرکا
یہاں لائی ہے رنگ اس زخم کی خوں نابہ افشانی

ضعیفوں پر نہیں جو رحم کرتا برملا سن لے
یہ نکتہ جس میں مضمر ہے حقیقت ایک نورانی

عجب ناداں ہیں جنکو ہے عُجبِ تاجِ سلطانی
فلک بالِ ہما کو پل میں بخشے ہے مگس رانی

شیدا۔

رملہ بنت زبیر

نمبر ۴

طویس تنہائی کا نام آتے ہی وہاں سے بلا کسی انتظار کے کھسک آیا اور آتے ہوئے دروازہ بھی بند کر دیا، اس کے بعد لیلیٰ مسند سے اُٹھ کے عزہ کے پہلو میں جا بیٹھی اور خفیف آواز میں عزہ سے پوچھنے لگی "رملہ بنت زبیر سے تو آپ واقف ہوں گی:

عزہ۔ رملہ سے کون واقف نہیں۔ جو عبد اللہ ابن زبیر کی بہن ہے، وہ عبد اللہ جو اس وقت شریعت اسلام کا سچا حامی اور جان نثار ہے اور اُمویوں نے جسے عبد الملک خلیفہ دمشق کی بیعت کا انکار کرنے سے محصور فی الکعبہ کر رکھا ہے۔

لیلیٰ۔ اس اجمال کی ذرا تفصیل کیجئے +

عزہ۔ یہ تو ایک مشہور واقعہ ہے کہ بعد وفات امیر معاویہؓ عبد اللہ ابن زبیر نے حرمین کو مستقر قرار دیکر اپنی بیعت طلبی کا اعلان کیا تھا جسمیں اُنھیں سید الشہداء کی شہادت کے بعد کچھ آثار کامیابی نظر آئے اور یزید کے مرنے سے اُن کے دعوے کو خاطر خواہ، تقویت اور اُن کے گروہ میں معتدبہ اضافہ ہوا تھا، مگر پھر عبد الملک کے نیر اقبال نے اُن کے طالع بخت کو ماند کر دیا، اور آجکل اسی اپنے دعوے پر قایم رہنے، اور عبد الملک سے مصالحت پر راضی نہونے کی وجہہ سے وہ اور اُس کی جماعت عبد الملک کے لشکر کے محاصرہ میں گھری ہے۔

لیلی - اس کا علم تو مجھے بھی ہے کہ اہل حجاز نے عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اسی عصبیت کی وجہ سے بنی امیہ اس کے قتل کی اور اس کی بیعت کا رُخ اپنی طرف پھیرنے کی گھات میں عرصہ سے لگ رہے تھے۔ مگر میرا سوال محض اُس نازک معاملہ کی تفصیل کے متعلق تھا، جو آجکل عبداللہ ابن زبیر کو درپیش ہے۔

عزہ - کیا تمہیں اس کی خبر نہیں کہ حجاج ابن یوسف ثقفی حسب فرمان عبدالملک معہ لشکر کے مکہ پر آکر اس لیے خیمہ زن ہوا ہے کہ عبداللہ ابن زبیر کو قتل کر کے حجاز میں بھی عبدالملک کا پورا تسلط بٹھا دے،

لیلی - مجھے ضرور کچھ یاد پڑتا ہے کہ شام سے نکلتے ہوئے یہ خبر میرے گوش گذار ہوئی تھی،

عزہ - حجاج کے ظلم و ستم کی یوں ہی کیا کم دھاک تھی، مگر آجکل تو اس نے عبداللہ ابن زبیر پر عرصۂ دنیا تنگ کر رکھا ہے،

یہ سنکر لیلی چپ ہو گئی، اور فکر و حیرت کے آثار اس کے چہرہ سے نمایاں ہونے لگے، مگر عزہ نے فوری ہی اُس سے پوچھا "کیوں خاموشی کی وجہ؟ تمھارے بلیں جو کچھ ہے اُسے تو کہو،"

لیلی - میں مدینہ سے ایک ایسے کام کے لیئے نکلی تھی جس کا تعلق رملہ سے تھا، لیکن عبداللہ بن زبیر کے مصائب اور شدائد کو سنتے ہوئے اب اس کا موقع ہی کیا ہے، کہ ان اغراض کا ذکر زبان پر لایا جائے۔ تاہم یہ تو کہیئے کہ رملہ کیا عبداللہ بن زبیر کے ساتھ مکہ ہی میں ہے +

عزہ - بے شک مکہ ہی میں ہے۔ اور کمی قوت وغیرہ کی وجہ سے وہ شب

اسوقت ناقابل برداشت مصائب کا شکار بن رہے ہیں،

یہ سنکر پھر لیلیٰ بحرِ تفکر میں غوطہ زن ہوئی اور اُس کی نظریں سامنے کے حصّہ مسند پر اس طرح گڑ گئیں، گویا اُس کے سوزن کاری، اور بناوٹ کے تار تار وہ علٰحدہ کر رہی ہے،

عزہ نے پھر کہا، "لیلیٰ تمھارا مافی ضمیر کیا تھا؟ اُسے تم نے ابتک نہ ظاہر کیا، تمھارے سکوت سے مجھے سخت بے چینی ہو رہی ہے، آخر وہ معاملہ کیا ہے جس کا تعلق رملہ اور عبداللہ ابن زبیر سے ہے؟"

لیلیٰ آپ سے پوشیدہ رکھنے کی کوئی بات نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ ہمارے امیر کا جو خاندان بنی امیہ کا ایک ممتاز رکن ہے رملہ کو خطبہ دینے کا منشا ہے اس لیے اُس نے مجھے رملہ کے صحیح حالات کی اطلاع اور خبر لانے کے لیے بھیجا ہے۔ آپا تو کہیے کہ رملہ کے بارہ میں آپ کی رائے کیا ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ رملہ سے آپ کا سابقہ بہت رہ چکا ہے۔ ایسی صورت میں آپ سے بہتر اُس کے حالات کی صحیح اور معتبر اطلاع دینے والا ہی مجھے کوئی نہیں نظر آتا۔

عزہ ۔ سبحان اللہ! رملہ کیا بحیثیت اپنے حسن و جمال ظاہری کے کیا اپنے خلق خصائل کی خوبیوں کے اعتبار سے، اور کیا فہم و فراست شائستگی اور سنجیدگی میں زنانِ مکہ کے لیے سرمایۂ صد نازش و افتخار ہے۔ لیکن مجھے تمہارے امیر کے اس طرفہ آرزو پر تعجب ہی نہیں بلکہ حیرت ہے، کہ بنی امیہ اور رملہ کے بھائی عبداللہ ابن زبیر میں کہاں تو یہ کشمکش اور معرکہ آرائیاں درپیش ہیں، اور کہاں ایک امیر خاندان جو بنی امیہ سے ہے رملہ بنت زبیر کو خطبہ دینے کا خیال قائم کر رہا ہے۔

اسپر لیلی تہوڑی دیر تو ساکت رہی، پہر بولی "یہ عقدہ نام کے ظاہر ہو جانے پر بہ آسانی حل ہو سکتا ہے۔ مگر نام کے اظہار میں مجھے صرف یہ خیال مانع ہے کہ بات دوسرے کانوں میں کہیں نہ جا رہے، اور مجہپر قانون امانت اور راز داری کی خلاف ورزی کی سنگین دفعہ عائد نہ کیجاسے۔

عزّہ۔ تمہیں میری ذات سے متعلق اس کی امید نہ رکہنی چاہیئے، کیا جو سینہ اعیان و شرافت مدینہ کے اسرار کا حامل ہے، وہ ایک تمہارے راز کا متحمل نہ ہوگا اپنی تنگ ظرفی کا ثبوت دیدے گا،

لیلی۔ رملہ کو خطبہ دینے کا خواہشمند وہ امیر ابن امیر ہے، جو اپنی محاسن ذاتی اعتبار سے خاندان بنی امیہ میں آفتاب ہے، جس کی عقل و فراست جسکی تحقیق اور وسعت معلومات، جس کی قدرت کلام اور فصاحت، اور خاصکر جس کی کیمیا دانی کا اسوقت شہرہ ہے۔

چہوٹتے ہی عزہ نے کہا "میں سمجھہ گئی" خالد ابن یزید" کہو کیسا سمجھی!۔

لیلی۔ بے شک خوب سمجہیں، پہر اب کیا مشورہ ہے۔

عزہ کی بھوؤں پر غور و فکر کے بل پڑگئے، اور تہوڑی دیر کے بعد بولی کہ "اب میں اسبات کی تہ کو پاگئی کہ خالد کو رملہ کے خطبہ دینے پر آمادہ کرنے والے اسباب کیا ہیں؟۔

لیلی۔ بے شک آپ کا ذہن اسکی کنہ کو پہونچا ہوگا، مگر مناسب ہے کہ دل کی بات دل ہی میں رہے، اور لیجئے تحفہ یہ خالد نے اس مسئلہ کی تکمیل کے لیے آپ کو بہیجا ہے، یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی آستین سے ایک آبدار موتیوں کا ہار ڈالا نکالکر اس کی طرف بڑھایا، جسے عزہ نے لیکر رکہہ لیا۔ سلسلہ کلام میں رملہ کی اوصاف اور خوبیوں کا

ذکر بہت تفصیل سے آیا جس پر عزہ نے اپنے ذاتی تجربہ اور سابقہ سے
بہت کچھہ روشنی ڈالی- اس کے بعد لیلیٰ نے پہران سب باتوں کی
رازداری کے اہتمام کے متعلق مکرر عزہ سے کہا- عزہ نے کہا" لیلیٰ! تم
ٹھنڈے دل رہو- تمھارا راز میرے سر اور آنکھوں پر" اخفار راز کا عہد
لینے کی لیلیٰ نے رخصت چاہی عزہ نے یہیں شب گزاری کی
اُس سے درخواست کی" لیلیٰ نے معذرت کی کہ اُس کے دوسرے
رفیق سفر اُس کا انتظار کر رہے ہوں گے- اور اب اُس کا یہاں
زیادہ ٹھیرنا مصلحت کے لحاظ سے نامناسب ہوگا-
عزہ کو تسلیم کرنا پڑا- اور وہ رخصت ہوئی- جاتے ہوئے راستہ میں
باغ کے اندر طویس ملا- اور اُس کا سلام لیتی ہوئی وہ وہاں سے روانہ ہوئی
یہ بات اوپر بیان ہو چکی ہے کہ لیلیٰ عرب کی نامور شاعرہ عورتوں میں
شمار ہوتی تھی اکثر اُمرا اور سلاطین کے درباروں میں البطریق و قدم حاضر ہوتی
مدحیہ قصائد اُن کی شان میں پڑھتی اور صلہ و جائزہ حاصل کیا کرتی تھی- اسی عادت
کے مطابق اس سال وہ عبد الملک ابن مروان کی خدمت میں باریاب ہوئی
تھی اور اُس کی شان میں قصیدہ پیش کیا تہا- اس کے بعد وہ خالد کے
یہاں بھی حاضر ہوئی جہاں رملہ کا ذکر ہو رہا تہا جب یہ گئی تو عزہ کے توسط سے
رملہ کے حالات وغیرہ کی دریافت کی خدمت اس کے سپرد کی گئی- اور جب
وہ وہاں سے اس مرحلہ کے لیے روانہ ہوئی تو حسن نامی ایک سجیلا جوان سال
شخص بطور امداد اُس کے ساتہہ کیا گیا- جو خاص خالد کا انیس صحبت تہا-
حسن کی شان نزول یہ ہے کہ عبد الملک عراق میں مصعب برادر عبد اللہ
ابن زبیر کو قتل کر کے اُس کے لشکر کو ہزیمت دے چکا- اور عراق

پھر اپنا پورا تسلط بٹھا کے اپنے دار الخلافہ شام کو واپس آیا تو حسن بھی قیدیان جنگ کے زمرہ میں اس کے ساتھ آیا تھا۔

حسن عراق میں عبداللہ ابن زبیر کی خلافت کے نقیبوں میں تھا سیدھے مختار ابن عبید ثقفی سے مصعب کو جو صف آرائی عراق کی مہم کے متعلق کرنی پڑی تھی اس میں حسن نے بڑی جانبازی سے جوہر دکھائے تھے جسکا انجام یہ ہوا تھا کہ مختار قتل ہوا۔ اور مصعب کو عراق کی نمایاں فتح حاصل ہوئی پھر اس جنگ کے پیچھے عبدالملک کے مقابلہ کی جنگ میں مصعب کو جو گھمسان کی لڑائی پیش آئی اوس میں بھی اگرچہ حسن نے اپنی مردانہ شجاعت کی خوب داد دی، مگر عبدالملک کے لشکر کے سامنے مصعب اور اس کے ساتھیوں کی بساط ہی کیا تھی۔ نتیجہ وہی ہوا جو ایسے مواقع پر چھوٹی فوجوں کو بڑے اور آراستہ لشکروں کے مقابلہ میں پیش آتا ہے

اس جنگ میں حسن کا باپ کام آیا۔ اور وہ خود بطور ایک قیدی کی فوج شام میں گرفتار ہوا۔ فوج کی واپسی پر خالد نے اُسے دیکھا تو پسند کیا اور اپنے ہمراہیوں میں لے لیا، اس کے بعد حسن کے حُسنِ خدمت رہنمائی اور آقا پرستی نے قدر شناس خالد پر جو اثر کیا اُسی کا یہ ظہور تھا کہ وہ خالد کے تمام جزئی و کلی اسرار کا مالک، اور اس کا مشیرِ خاص بن گیا اس کے تمام اسرار کا حتی کہ عبدالملک اور اس کے درمیان رنجش اور کشیدگی کے سر بمہر راز کا باب بھی اس کے لیے مفتوح تھا۔

خالد رملہ کے اوصاف وحسن کا شہرہ سنکر عرصہ سے اس کے حسن کا فریفتہ ہو رہا تھا۔ اور رملہ کے خطبہ دینے کی آرزوئے پنہاں اس کے دل میں تھی۔ اب جب لیلی اس کی مجلس میں گئی تو بخیال واقفیت اس سے رملہ کے حالات پوچھے گئے۔ مگر لیلی نے

جب اپنی ناواقفیت محض کا اظہار کیا تو عزہ کے توسط سے دریافت حال کی خدمت
تو اس کے سپرد ہوئی اور عبد اللہ ابن زبیر کے نام ایک خط لکھا گیا جس میں
رملہ کا پیام ان کو دیا گیا تھا اور وہ خط حسن کے حوالہ ہوا کہ مدینہ سے لیلی کے
استمزاج کرکے وہ مکہ جائے تو خط عبد اللہ ابن زبیر کو پہونچائے۔ اور اس کے ہموار
کرنے اور موافق بنانے میں اپنی شفقی بخش جادو سے تقریر کو پوری طرح کام میں لائے
حسن جس کا شریف دل خالہ کے حسن سلوک کا ممنون تھا، اور جو ہمیشہ جان
نثاری پر تیار رہتا تھا ظاہر ہے کہ جب اس مقصد کے لیے وہ خالہ کے پاس سے
روانہ ہوا ہوگا کوشش اور سعی کے کیسے کیسے بلند عزائم اور ارادے کرکے
نہ چلا ہوگا۔ لیکن چلنے کے وقت اسکی قلبی کیفیات اور اندرونی جذبات کا
یہ وفور تھا کہ بے ساختہ مسرت اور بشاشت اوس کے چہرہ سے پھوٹی نکلتی تھی
یہ کہنا کہ اوس کا ظاہری مقصد سفر اس کی ان بے اختیاریوں کا محرک تھا۔
گویا تلاش و جستجو سے جی چرانا ہے۔ کیونکہ سفر کا آغاز تھا انجام نہ تھا۔
واقفان اسرار قلوب، اور قیافہ شناسان بعلامات الوجوہ یوں انکشاف
حال کرتے ہیں۔ کہ حسن کو ذوق و شوق کی بے چینی محبت کی وارفتگی تھی
اسکا قیافہ بولتا تھا کہ عشق صادق کو حسن دلفروز کا شوق نظارہ باعث حیرانی ہے۔
غرض بعد طے منازل جب وہ لیلی کے ساتھ گذشتہ روز شام کو مدینہ پہونچا جس کا
ذکر اوپر آچکا ہے۔ تو حسن ایک مقام پر عزہ کے مکان سے لیلی کی واپسی کی انتظار میں ٹھیر گیا
لیلی نے عزہ کے یہاں سے واپسی میں ملازم کو تو حکم دیا کہ اونٹ وغیرہ ..... کے مکان
کو لیجائے اور خود حسن کے پاس گئی۔ جہاں اسکو انتظار کرتے ہوئے پایا اپنی
اور عزہ کی درمیانی گفتگو اوس سے نقل کی۔ پھر اسے سفر مکہ میں تعجیل کرنے کی صلاح دی اور
کامیابی کو دعائیہ الفاظ کہکر خود وہاں سے روانہ ہوگئی۔ نقطہ (باقی) (عالی)

دنیائے اسلام

لہو روتا ہوں نقشہ دیکھکر دنیائے ملت کا — جدھر دیکھو اودھر چھائی ہوئی ہے اک گھٹا غم کی
نہالِ آرزو خشک ہیں اِس باغ میں لیکن — گلے مل مل کے شاخیں رو رہی ہیں نخلِ ماتم کی
خدا ہی اب محافظ ہے ان اپنے بھولے بھالوں کا — کہ سفّاکانہ پڑتی ہیں نگاہیں ایک عالم کی
کہاں تک کوئی روکے، ہر گھڑی ہر ایک جانب سے — چلی آتی ہیں بوچھاریں مصیبتہائے پیہم کی

بہت کچھ سن رہے تھے غلغلہ تہذیب یورپ کا — حقیقت کھل گئی پر دشمنی سے صرف روم[ع] کی
ہوا اٹلی کے کرتوتوں سے یہ اندھیر عالم میں — کہ بے تقصیر لاکھوں کٹ گئی اولادِ آدمؑ کی
ہزاروں عورتیں بیوہ ہیں، لاکھوں بے زباں بچے — ہوئے نذرِ اجل جب سر پہ شمشیرِ ستم چمکی

کلیجا مونہہ کو آتا ہے خیالِ حالِ ایراں سے — کہاں تک روئے اب ابتر ہے حالت چشمِ پُرنم کی
اُدھر گلیوں میں بہتے ہیں لہو اعیانِ دولت کے — اِدھر سڑکوں پہ لاشیں ہیں بزرگانِ مکرّم کی
نہ کوئی عورتوں کو امن دیتا ہے نہ بچوں کو — ہے قتلِ عام کا بازار، بکری گردن خم کی

دہائی ہے دہائی ہے خبر لو یا رسول اللہ!
کمائی لٹ رہی ہے حضرت فاروق اعظمؓ کی

تمنائے عمادیؒ پھلواری عظیم آبادی

[ع] روم سے مراد روم اور ایران ہیں۔ ۱۲۔ تمنا عمادیؒ غفرلہ۔

عہد واجد علی شاہ کے نامدار شعراء

حضرت بادشاہ سلامت خود بہت بڑے شاعر تھے - اختر تخلص تھا اور وقت کا زیادہ حصہ مضامین آفرینی ہی میں گذرتا تھا قدردانی کی وجہ سے دار السلطنت لکھنؤ میں شعرائے نازک خیال و سخنوران شیریں مقال ہر جگہ سے امنڈ آئے تھے ذیل میں اُن حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس وقت میں نامدار شعراء کہلاتے تھے اور دربار شاہی میں انکا وقار رہا۔

بطور تبرک حضرت بادشاہ کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں بعد ازاں اور حضرات کا کلام درج ہوگا۔ فرماتے ہیں۔

جب کبھی بہار کی فصل آگئی یاں گھٹا الفت کی دلپر چھاگئی
خضر دل تو چھوڑ دی الفت کی راہ اب طبیعت عشق سے گھبراگئی

دیگر

شراب عشق سے ہے دل کے جام کی رونق کہ جیسے شعر و سخن سے کلام کی رونق
اسی طرح صف عشاق کی نمایش ہے نماز جمعہ میں جیسے امام کی رونق

نواب سید محمد خان رند } خلف نواب سراج الدولہ غیاث الدین محمد خاں بہادر نصرت جنگ نیشاپوری تلمیذ رشید حضرت آتش فصیح و بلیغ صاحب کلام تھے فرماتے ہیں۔

کھلی ہے کنج قفس میں مری زبان صیاد میں ماجرے چمن کیا کروں بیان صیاد
اُجاڑا موسم گل ہی میں آشیاں میرا الٰہی ٹوٹ پڑے تجھپہ آسمان صیاد

رند کے دیوان میں شکوۂ صیاد نہایت پُر درد اور نفیس نظم ہے اوسی کے

چند اشعار یہ ہیں۔ ایک غزل کے اشعار ہیں کس قدر منجھا ہوا کلام ہے۔

زیبا ہیں جو گیسوئے خمدار کے لیے　　ہیں پیچ و خم ازل سے بنے مار کے لیے
تسبیح کے لیے ہے نہ زنار کے لیے　　گردوں ہے میرے ابروئے خمدار کے لیے
قطرے عرق کے ابرو پہ ہیں پونچھ ڈالیے　　چھالوں کا ہونا عیب ہے تلوار کے لیے

ایک مرتبہ مشاعرہ میں نواب صاحب نے غزل پڑھی جس کے ایک شعر پر عجب مزا ہوا۔ وہ یہ ہے۔

راستہ روک کے کہہ لونگا جو کہنا ہے مجھے　　کیا ملوگے نہ کبھی راہ میں آتے جاتے

غالباً پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار مرحوم نے (میں اس وقت بھولتا ہوں) نے فرمایا کہ نواب صاحب مصرعۂ دویم کو یوں پڑھ دیجے۔

کیا ملوگی نہ کبھی راہ میں آتی جاتی

اسمیں کنایہ یہ ہے کہ نواب صاحب عاشق مزاج بزرگ تھے۔ پنڈت صاحب پر بہت ناراض ہوئے

تدبیر الدولہ منشی مظفر علیخان بہادر اسیر تلمیذ رشید مصحفی حضرت بادشاہ سلامت کے دربار میں منشی تھے۔ عالم و فاضل اور بڑے پایہ کے شاعر گذرے ہیں۔ ہز ہائی نس نواب یوسف علی خانصاحب والی رام پور و ہز ہائنس نواب کلب علی خاں صاحب والی رامپور نے بہت دنوں تک جناب اسیر سے استفادہ حاصل کیا۔ ملک الشعرا منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی اسیر ہی کے شاگرد تھے۔ آپ کا خاندان اب تک لکھنو میں موجود ہے۔

کلام

ہوں میں زخمی تیغ ابروئے ستم ایجاد کا　　چاہیئے زخموں کو مرہم بیضۂ فولاد کا
چشم مست یار میری فکر میں ہے مائل ہنر　　الحذر اے مرغ دل یہ خواب ہے صیاد کا

آفتاب الدولہ خواجہ اسد علی خاں قلق خواجہ وزیر لکھنوی کے ہمشیر زادے اور

اور شاگرد ہیں۔ ان کی مثنوی طلسم الفت بہت مشہور معروف ہی۔ سلطان عالم واجد علیشاہ کے مصاحبوں اور مقربین میں سے تھے۔ میرزا ولی عہد بہادر کے جشن شادی میں جب حسب معمول ان کو بھی خلعت ملا تو فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

خلعت دیجے تو سب کچھ میں سنوار جاؤں — ایسی شادی میں ننگ کہکے پکار جاؤں

بادشاہ سلامت بہت خوش ہوئے اور خطاب آفتاب الدولہ مرحمت فرمایا۔

فتح الدولہ میرزا محمد رضا خاں برقؔ سلطان عالم واجد علیشاہ کے معزز مصاحبین میں سے تھے اور بخشی الملک کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ انتزاع سلطنت کے وقت میں بادشاہ سلامت کے ساتھ رہے اور ۱۸۵۷ء میں بمقام مٹیابرج کلکتہ انتقال کیا۔ میرزا برق کا کلام بہت پرمغز و بلیغ ہے فرماتے ہیں ؎

قیس کا نام نہ لو ذکر جنوں جانے دو — دیکھ لینا مجھے تم موسم گل آنے دو

دیگر

ہم تو اپنوں سے بھی بیگانہ ہوئے الفت میں — تم جو غیروں سے ملے تم کو نہ غیرت آئی

منشی بست علی خلیلؔ بادشاہ کے ہاں بعہدہ نظامت مامور تھے۔ ملک الشعراء خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد رشید اور اجل شعرا میں سے تھے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

بتوں کا سبزہ خط خال کا نہیں محتاج — بغیر مہر یہ خط اعتبار رکھتا ہے

دیگر

رونے پہ باندھے جو میری چشم تر کمر — کیا فلک زمین پہ باندھی کمر کمر

میر وزیر علی صباؔ مشہور استاد ملک الشعراء آتش کے شاگرد رشید ہیں کلام فصیح اور نازک ہے۔ فرماتے ہیں ؎

خدا کے فضل سے یوسف جمال ہو صاحب — اب اور چاہتے کیا ہو جو میری ہو جائے

کلام

ظلمت جہاں جہاں تھی وہاں نور ہو گیا — پھر مشک شب جلن سے کافور ہو گیا
گویا کہ زنگ آئینہ سے دور ہو گیا — باطل بیاضِ شبِ دیجور ہو گیا
کیا نکتہ روشنائی تھی قدرت کے خانہ میں
مضمون تھا آفتاب کا ذروں کے خانہ میں

کھولے ہوا میں طائر زریں نے بال و پر — بیٹھا وہ آکے چرخ چہارم کے بام پر
دانے ستاروں کے جو پڑے تھے ادھر ادھر — منقار زر سے چن لیے اس نے وہ سر بسر
پھر میہمان چشمۂ مہتاب ہو گیا
چشمہ تو خشک اور وہ سیراب ہو گیا



میر ببر علی انیس تین چار پشت سے میر صاحب کے خاندان میں مرثیہ گوئی و شاعری موجود تھی۔ میر حسن آپ کے والد بڑے مشہور شاعر اور مثنوی گلزار ارم و بے نظیر کے مصنف ہیں حقیقت میں میر انیس فردوسی اردو تھے جس طرح فارسی میں شاہنامہ لاجواب کتاب ہے اوسی طرح اردو میں میر صاحب کی مراثی۔ میرزا دبیر اگر بلاغت کے بادشاہ ہیں تو میر صاحب فصاحت کے شہنشاہ۔

میر انیس و میرزا دبیر کی شہرت ہندوستان سے نکل کر یورپ تک بھی پہونچگئی ہے۔ اور ہندوستان میں بھی تین قابل اشخاص نے دونوں صاحبوں

کے تذکرے لکھے ہیں سب سے اول اس میدان میں شمس العلما علامہ شبلی نعمانی مدظلہ
آئے اور موازنہ انیس و دبیر کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی مگر مجھے تعجب ہے
کہ علامہ ممدوح نے میرزا دبیر کے کلام میں سو اشعار بھی ایسے نہ پائے جو
میرانیس کی برابری کرتے۔ خیر یہ اپنا اپنا خیال ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے
کہ میرزا دبیر کا نمبر میر صاحب سے دوسرا ضرور ہے اور یہ صدا دادبات ہے کہ قبولیت
میر صاحب کو حاصل ہو گئی البتہ یہ بالکل بے انصافی ہے کہ میرزا دبیر کے کلام
کو کلیۃً میر صاحب کے مقابلہ میں پامال بنایا جائے۔

دوسری کتاب حیات انیس مولوی سید محمد علی صاحب اشہری مرحوم نے لکھی ہے۔ یہ کتاب کوئی
معقول سوانح عمری و تنقید نہیں ہے۔ معمولی ہے۔ تیسری واقعات انیس کے نام سے سید مہدی حسن صاحب
احسن لکھنوی نے تالیف کی ہے۔ میں نے اوسکو دیکھا نہیں۔ اسلئے ٹھیک سے نہیں دے سکتا مگر خیال ہے
کہ جناب احسن نے جو لکھا ہوگا اچھا ہوگا۔ وہ تمام حالات سے واقف اور اُن کے ذرائع
معلومات وسیع ہیں میر صاحب کا خاندان لکھنو میں ابتک موجود ہے۔ اور لوگ ان افراد کو سر
آنکھوں پر جگہہ دیتے ہیں۔

کلام

یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر
اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر
گمنام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر

جب تک یہ چمک مہر کی پرتو سے بجا سے
اقلیم سخن میری قلمرو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں تری فیض کے جاری
بلبل کی زباں پہ ہے تری شکر گذاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری
پھل ہمکو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری

وہ گل ہوں عنایت چمن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہو جن پھولوں کے بو کو

منعم النسا بیگم
بدایونی

گرمی کی رُت

گرمی کی ہر طرف دُھائی ہے — جانِ عالم لبوں پہ آئی ہے
العطش العطش زباں پر ہے — سب نے رٹ ایک ہی لگائی ہے
دُھوپ سے ہوگئے ہرن کالے — اور بٹیری پہ شامت آئی ہے
طوطوں کی ہوگئی ہیں ٹیں فش — چیل بھی انڈے چھوڑ آئی ہے
شیر بھی جاگھسے کچھاروں میں — اِک ذرا واں جو ٹھنڈ پائی ہے
پانی پر مکھی اور مچھر وسب — ایک خلقت اُمڈ کے آئی ہے
ہے مُنوں اُڑتی دُھول شہر کو نہر — راہ گیروں نے خاک کھائی ہے
جھلسے دیتی ہے مُنہ کو بادِ سموم — ایسی تیزی سے تلملائی ہے
جس نے اس تند خو لپٹ سے ذرا — مُنہ ملایا تو مُنہ کی کھائی ہے
آندھیوں کے ہیں اُٹھ رہے طوفاں — خس و خاشاک کی چڑھائی ہے
مرے جاتے ہیں پالی بھر بھر کر — سقّوں کی جان پہ بن آئی ہے
ٹپکی پڑتی ہے رال شربت پر — برف کی اب بہار آئی ہے
ہیں پسینہ میں تر بتر کپڑے — دل میں اِک آگ سی سمائی ہے
اُٹھ رہا ہے دُھواں سمندر سے — آگ پانی میں کیا لگائی ہے
میلہ سا اِک لگا ہے دریا پر — پانی بھرنے کو خلقت آئی ہے
کچھ نہاتے ہیں لوگ مل جل کر — ہوتی آپس میں ہاتھا پائی ہے
دن بڑا ہوگیا ہے چھوٹی رات — واہ کیا شانِ کبریائی ہے
دِن تو بس جیسے تیسے کرکے کٹا — رات اِک اور تحفہ لائی ہے

کھٹملوں کا شروع ہوا تانتا + مچھروں کی بھی رُونمائی ہے + الغرض اک غضب ہے دل کو + گرمی کیا آئی موت آئی ہے + سید لطیف علی۔ بلگرامی

حسنِ تلافی

ایک دن جنگل میں دوپہر کے وقت جب سورج آفتاب محشر کی گرمیاں دکھا رہا تھا - اور لو باد سموم کا مزا چکھا رہی تھی - ایک ہرنی بچے کو لیے ایک ہرے بھرے پھولے کے درخت کے نیچے بیٹھی تھی - اسی درخت کی شاخوں میں ایک کبوتر نے بھی آفتاب کی جلانے والی کرنوں سے پناہ لی تھی - اور وہیں اس کے سر پر ہرے ہرے پتوں کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھکر خوشی سے غوں غوں کر رہا تھا - ہرنی نے سر اٹھایا اور ایک حسرت بھری نظر سے کبوتر کو دیکھکر کہا "واہ واہ کیا خوش نصیب پرندہ ہے ہوا اسکو ورثے میں ملی ہے کہ جہاں جی چاہے جائے - اور جدھر جی میں آئے اڑے - اس کی سرعت پرواز نسیم اور صرصر کے جھونکوں کو گرد کی طرح پیچھے چھوڑ جاتی ہے - اور اس کی قوت بازو اسے دوڑتے ہوئے بادلوں کے اوپر لیجاکر آسمانوں کی سیر کراتی ہے - ایک میں ہوں کہ اس تودۂ خاک سے وابستہ ہوں - میری عمر تلاش معاش ادھر سے اُدھر رینگتے ہی رینگتے تمام ہو جاتی ہے - شیر و پلنگ کے دندان آ ابھی مجھ پر تیز ہیں - آدمیوں کے تیر و تفنگ کا نشانہ بھی میں ہی ہوں - عجب زندگی ہے کہ نہ جائے اقامت ہے نہ پائے گریز"

کبوتر نے ہرنی کی یہ باتیں سنکر ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا "ہمیں شک نہیں کہ ہوا میں اڑنا اور آسمان کی سیر کرنا بہت دلچسپ ہے - مگر نہ اتنا جتنا کہ تو سمجھتی ہے - ہرنی - ہرنی - اگرچہ میں درخت کی ٹہنیوں پر بیٹھا ہوں مگر

میں حسرت سے تیرے بچے کو دیکھ رہا ہوں جس کو تو محبت سے اپنی چھاتی
سے لپٹائے ہوئے ہے۔ اور جسکو تو اپنا خون جگر پلا پلا کر پرورش کر رہی
ہے۔ کاش اگر اختیار ہوتا تو میں اپنے بال و پر نوچ کھسوٹ کر پھینک دیتا
اور اپنی ساری آزادی اور بے فکری کو ایک دم کے لیے اپنے بچے کو
اس طرح گلے لگانے کے عوض میں قربان کر دیتا۔ تو کیا جانے کہ میں تیری
اس پابندی کی حالت پر کتنا رشک کرتا ہوں۔ میرا دل ان مشفقانہ جذبات
اور مادرانہ خیالات کے احساس کے لیے کیسا تڑپتا ہے۔ جن کی تیرے
نزدیک کچھ قدر ہی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کیا تو مجھکو ہوا میں اڑنے
کی وجہ سے اپنی نسبت زیادہ محفوظ گمان کرتی ہے۔ افسوس۔ میں بھی
یہاں شکرے اور شاہین کا شکار ہوں۔ مجھ پر بھی انسانی صیاد نے اپنا دام
بلا پھیلا رکھا ہے۔ یہ سچ ہے کہ تو ایک حد تک پابند ہے۔ اور میں آزاد لیکن
اگر تجھے میری آزادی پر رشک ہے تو مجھے تیری پابندی پر۔"

ہوا کے ایک جھونکے سے درخت کی شاخوں میں سائیں سائیں ہوئی۔
اور اس کے پتوں نے تھرتھراتے ہوئے زبانِ حال سے کہا "اگر ہرنی کو اپنی
پابندی پر افسوس ہے تو میں تو جس قدر افسوس کروں بجا ہے۔ یہ
ہرنی جو روئے زمین پر سب سے زیادہ سریع السیر اور تیز رفتار جانور ہے
جو صبح کو یہاں اٹھے تو شام کو یہاں سے سیکڑوں میل دور ہو جس کے
پاؤں تلے زمین اڑتی جاتی ہے۔ جس کی رفتار کے سامنے قدرت زمین کی
کی طنابیں کھینچ دیتی ہے۔ اسکو اپنی پابستگی کی شکایت۔ اپنی سست
رفتاری کا گلہ؟

اے جرس اینہمہ فریاد ز دلتنگی چیست — شکر ہا کن کہ دلت جائے طپیدن دارد

مجھ کو دیکھو کہ جس حصۂ زمین نے میرے بیج کو اپنے پیٹ میں پالا تھا۔ جس کے دامن شفقت میں میں بڑھا پھولا اور پھلا۔ اس بڑھاپے میں بھی اس جگہ کھڑا ہوں موسم آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ گرمی۔ سردی۔ بہار۔ خزاں۔ دھوپ۔ چھاؤں سب اپنے بندھے ہوئے وقتوں پر آتے ہیں۔ اور مجھے رہیں پاتے ہیں۔ اور آخر سب چلے جاتے ہیں۔ اور مجھے وہیں چھوڑ جاتے ہیں ہوا کے جھونکوں سے میری ہری شاخیں جھومتی ہیں۔ میرے پتے ہلتے ہیں۔ گویا وہ بھی ان کے ساتھ ہی دنیا کی سیر کے شوق میں مست ہو کر آگے بڑھنا چاہتے ہیں لیکن ہوائیں چلی جاتی ہیں اور وہ وہیں رہ جاتے ہیں پرندے آکر میری ٹہنیوں پر بسیرا لیتے ہیں اور اڑ جاتے ہیں۔ جانور آکر میرے سایے میں آرام کرتے ہیں۔ اور چلے جاتے ہیں۔ مگر ایک میں ہوں کہ زمین نے میرے پاؤں پکڑ رکھے ہیں۔ جہاں اُگا تھا وہیں لگا ہوا ہوں۔ اور وہیں کھڑا رہونگا۔ یہاں تک کہ آخر ایک دن سوکھ کر گر جاؤں گا۔ اور میرا زادبوم ہی میرا مرقد ہوگا۔ میرا وطن ہی میری قبر بنے گا۔"

یکایک درخت کی جڑ سے دبی ہوئی ایک آواز آئی۔ جسکو نہ درخت پہچانتا تھا۔ نہ ہرنی جانتی تھی اور نہ کبوتر اس سے آشنا تھا یہ ایک ہیرے کی صدا تھی جو ایک چٹان میں چھپا ہوا تھا۔ اور اپنی آب و تاب اور اپنے رنگ روپ کو پتھر کے پردے میں چھپائے ہوئے کسی قدردان جوہرشناس کے انتظار میں پڑا تھا۔ اس نے اپنے سنگین قید خانے میں سے ہرنی کبوتر اور پودے کی یہ باتیں سنی تھیں اور آخر جب اس سے نہ رہا گیا تو اس نے بھی کہا۔ "جب تم سب چیزیں اپنی حالت پر افسوس کر رہے ہو تو پھر میری حالت تو قابل بیان ہی نہیں ہے۔ تم سب زندہ تو ہو۔ تم سب میں جان تو ہے

اے درخت مجھ میں بھی - تیری شاخیں ہر سال پھلتی پھولتی ہیں - تیری کونپلیں
ہر برس نکلتی ہیں اور پھوٹتی ہیں - تو اپنی بے شمار زبانوں سے پانی پیتا
ہے - اور اپنے لاانتہا منہ سے سانس لیتا ہے - نسیم سحری تیری
کلیوں کو کھلاتی ہے - باد بہاری تیرے پھولوں کو جھولا جھلاتی ہے
تو نے وحشی پرندوں کے لیے اپنی آغوش محبت کھول رکھی ہے - انسان
وحیوان کے لیے اپنے پھل پتوں کا خوان عام بچھا رکھا ہے - جس پر دوست
دشمن کی تمیز نہیں - جہاں اپنے بیگانے میں فرق نہیں -

شکوۂ تنگدلی غنچہ بہ ناطق بہ گزار شکر ہا کن دلت امید شگفتن دارد

اس پر بھی تجھے اپنی حالت پر قناعت نہیں - الٹی شکایت ہے مجھے
دیکھ اور شرما - سچ یہ ہے کہ اگر کسی کا شکوہ درست ہے تو میرا - اور کسی کی
شکایت بجا ہے تو میری - اور صرف میری "

درخت نے جواب دیا آہ افسوس - یہ سچ ہے کہ ہم میں جان ہے
جو تجھ میں نہیں ہے - مگر ساتھ ہی ہمارے لیے ایک اور چیز بھی ہے
جو تیرے لیے نہیں ہے - اور وہ زندگی کا سایہ ہے - یعنی موت - میرے
خوبصورت دلربا پتے - میرے پھل پھول - جنکو ہر سال میں ایسی محبت
اور محنت سے پالتا ہوں - وہ اس لیے کھلتے ہیں کہ مرجھائیں - وہ
اسی لیے شگفتہ ہوتے ہیں کہ کھلا جائیں - ان کے پیدا ہونیکا
نتیجہ کیا ہے ؟ - فنا - جہاں وہ گئے ہیں وہیں عنقریب میں بھی جانے
والا ہوں - مگر تو - اے میرے - تو تو جیسا ہے ویسا ہی رہے گا
تیری آب وتاب - تیری چمک دمک ہمیشہ یونہی رہیگی - اور تو آخری دن کے سورج
کی کرن سے بھی اسی طرح چمکیگا - جیسا کہ آج چمک رہا ہے - (ترجمہ) مفتی انوار الحق حقی

انتہائے حمیت

مظلوم سے ہمدردی عطیۂ فطرت نہیں ورنہ ظالم بھی اس نعمت سے محروم نہ ہوتا البتہ شیوۂ انسانیت ضرور ہے۔ مگر یہ فیصلہ کہ فاعل کے اس فعل پر ظلم کا اطلاق ہو سکتا ہے یقیناً اُس وقت قابل اعتبار نہیں جب مظلوم کے ساتھ فیصلہ سے قبل ہمدردی موجود ہو۔ اسی سبب سے کافی یا ناکافی اگر ہم کو ان واقعات میں جو ہمارے پیش نظر ہیں ذرا بھی فضول معقول نامعقول ایک وجہ بھی خواہ وہ اصلیت پر مبنی ہوتی یا برائے نام میسر آجاتی تو ہم ابن جمیرہ کیا اس کے معزز ہمعصر علامۂ بیرونی تک سے اس اشتداد بدظن ہونے میں نہ چوکتے مگر اسکا کیا علاج کہ ازابتدا تا انتہا کہیں پاؤں ٹکانے کی بھی جگہ نہیں ملتی اور مجبور یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ صادقہ اور یوسفی دونوں بہنیں ایک سے ایک بڑھ کر کرموں جلی اور نصیبوں پھوٹی نکلیں حاشا وکلّا اگر ہم نے مولانا یوسف کے تقدس میں قصداً تساہل کیا ہو ہم ایسے بزرگوں کا احترام جو ہمارے پیشوا اور امام ہوں عام اس سے کہ وہ مستحق و لعنت ہوں یا نمک حرام نصب العین تصور کرتے ہیں مگر علمائے اکرام یہ دیکھکر ناخوش نہ ہوں گے کہ آج کامل تین صدیاں گذر جانے پر بھی ایک شخص ابن جمیرہ کے ان چند واقعات کا جو وہ قلمبند کر گیا بطلان نہ کر سکا +

مسئلہ تقدیر حیات انسانی کی پاٹریا مذہب کی ایک آڑ ہی مگر خالق و مخلوق کا

اصل مابہ الامتیاز وجہ ہے اس حق الیقین کی کہ صادقہ اور یوسفی کی مصائب سے قدرت کو اس کے سوا کوئی فائدہ نہ تھا۔ کہ دونوں بہنوں کی داستان بنی نوع انسان کے واسطے ایک عبرت ہو۔

مقدرات پر یقین ہمیشہ عقدۂ لاینحل رہا اور گو یقین جز و مذہب سہی تاہم مذہب چونکہ بعض دائرہ محدود ہے اس لیے کسی خاص مذہب کے احکام اصول مسلمہ نہیں ہو سکتی اور ہمارا یہ عقیدہ کہ انسان اپنے قول افعال حرکات سکنات حتی کہ ترقی و تنزل کا خود ذمہ دار ہے گو یقین مذہب سہی مگر ہم اس معاملۂ خاص کی کسی بحث کو مذہب سے متعلق کرنا نہیں چاہتے اسی وجہ سے ہمکو مولانا یوسف کی اس حرکت پر مطلق اعتراض نہیں کہ انہوں نے مذہب کو نظر انداز کر دیا۔ ہاں انسانی دنیا کے ساتھ ان کے تعلقات پر رائے زنی کا استحقاق ہر شخص کو تھا اور ہے اور رہے گا۔

قیاس میں نہیں آتا کہ وہ شخص جس کے تقدس کی یہ کیفیت ہو کہ نہی ایک عالم جس کا معتقد اور ایک دنیا جسکی مرید آخر وقت آکر اسکی ایسی مٹی پلید ہو کہ کامل دو پہر اس قہر کی گرمی میں جنازہ پر مکھیاں بھنکیں اور کوئی اٹھانے والا نصیب نہو جنگل میں مرا نہیں کنبہ میں گرا پڑا نہیں نگوڑا ناٹھا غریب نہیں زندگی میں بدنصیب نہیں بیٹے موجود بیٹیاں موجود۔ بچوں کے بچے موجود۔ رہنے کی محلسرا نگین حسینی درگاہ کا سجادہ نشین۔ پانسو کا وظیفہ خوار اور دو گاؤں کا معافیدار اپنا شہر اور پھر مسلمانوں کا مردہ کہ رستہ چلتے اور بوجھ ڈھوتے اپنے اپنے کام چھوڑ کر کندھا دیں کسی نے یہ تک نہ پوچھا کہ مولانا کب مرے کہاں مرے اور کسوقت مرے غضب یہ کہ چھ بجے صبح سے مردہ پڑا سڑا کیا اور دن ڈھلے محلہ اور پڑوس تو در کنار سگے بیٹے اور بیٹیوں نے ٹھٹھے مار مار کر تواضع اڑائے اور مردے کو کلمہ اور درود کس کا جھانکا تک نہیں

ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ مولانا آنکھوں کے تھے اندھے غرض کے تھے
بندے ماباپ سے لگاؤ نہ بہن بھائیوں سے مس کنبہ سے واسطہ نہ
پڑوس سے غرض زعم حکومت میں چور نشۂ دولت میں بیہوش جہیز میں
گئی انسانیت اور بھاڑ میں گیا خون کا جوش ہانکے پکارے کہتا اور علی
رؤس الاشہاد کہتا کہ دنیا واسطے اس کے اور وہ واسطے اپنے حق الامر
یہ ہے کہ نفس پروری کا مادہ موجود تھا اور تریری میجسٹریٹی نے اور بھی دودو بنا دیا۔
اب اسپر طرہ آزادی ولاپروائی دنیا کا خوف نہ خدا کا ڈر شراب بنی
رفیق بیوی بنیں شفیق، دوست نصیب ہوئے تو ایسے جو خلق کو کہیں گناہ
سلوک کو بتائیں حرام بیوی میسر ہوئیں تو ایسی جو محلہ بھر کو سمجھیں فقیر
کنبہ بھر کو جانیں غلام اپنی عادت وہ بیوی کی حقیقت یہ۔ دوستوں کی
صحبت سونے پر سہاگہ اس کینڈے کا آدمی جتنا بنڈا ہوتا جائز و درست
ہیں صادقہ اور یوسفی دونوں سے زیادہ ان کے جدامجد مولانا یوسف
سے ہمدردی ہے مگر ایمان نہیں نگلا جاتا واقعات چیخ چیخ کر پکار رہے
ہیں کہ باایں ہمہ نخوت و رعونت مولانا کی بیبیاں خاوند کے ہاتھوں مجبور رہیں۔
وہ کٹھ پتلی کی طرح سُتلی سے بندھی اس کے اشارہ پر ناچتی تھیں ورنہ پہلی
دوسری۔تیسری۔چوتھی چاروں میں سے ایک تو انسان نکلتی مولانا کے بعد
چوتھی بیوی اٹھارہ برس کے قریب زندہ رہی وہی گھر تھا وہی محلہ اور محلہ والے
مالدار تھی اور خودمختار۔ مگر وہی بیوی جو میاں کے جیتے جی کسی سے بات تک
کرنے کی روادار نہ تھی۔ پڑوسیوں تک کی دکھ بیماری میں ساری ساری
رات بیٹھ کر گذار دیتی۔
مولانا یوسف کو دنیا سے اُٹھے تین صدیاں ہوچکیں مگر ان کے کارنامے

زندہ ہیں اور دو یتیم بچیوں کی روح جنپر اس شقی ازلی نے مصیبت توڑی آج تک لعنت برسا رہی ہے +

(۱)

ماں کی موت یا سوت کا سانحہ ہماری طرز معاشرت میں معصوم بچوں کے واسطے قیامت کا سامنا ہے مگر حسرت نصیب نہیں وہ دو بچیاں جن کو حقیقی دادا کی بدولت زندگی سوہان روح ہوگئی یہ مصیبتوں کے پہاڑ اگر باپ کے ہاتھوں ٹوٹتے تو پھر صبر آجاتا۔ مگر رونا تو یہ ہے کہ وہ دادا جس سے یہ توقع تھی کہ مرے ہوئے لڑکے کی ان نشانیوں کو کلیجہ سے لگائیگا جان کا دشمن ہوگیا۔ مفصل داستان کے بیان سے بات کہیں کی کہیں پونہچ جائے گی مختصر یہہ ہے کہ مولانا یوسف کا بڑا لڑکا یامین پی۔ ایچ ڈی۔ ہوتے ہی چھہ سو روپیہ کا پرنسپل ہوا عاشق زار ما زندہ تھی مولانا کا ارمان جی میں تہا جس تزک احتشام سے یہ شادی رچائی گئی اس کے بیان میں ابن حمیرہ پورے بس صفحے رنگ ما سے باجے گاجے ناچ رنگ کہانہ دانہ یامین کی برات نے نوابوں اور رئیسوں کو بھی مات کیا ہر چیز کی افراط اتنی تھی کہ دیکھنے والے اش اش کرتے تھے۔ آتشبازی اور چراغاں سے شہر جگمگا اٹھا یوسفی اور صادقہ اسی شادی کی یادگار ہیں مگر افسوس بدنصیب ما کو پوتیوں کی بہار دیکھنی نصیب نہوئی۔ اگر اسکی عمر وفا کرتی تو وہ بن باپ کی بچیوں کو سر پر بٹھاتی اور آنکھوں پر رکھتی اس کی زندگی میں یہ وقت نہ آتا کہ یامین کی بچیاں دوسروں کے پیروں میں رلتی پھریں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ یامین کی اور یامین اپنی بچیوں کا دیوانہ تھا مگر اس کے سامنے یامین کی اتنی مجال نہ تھی کہ وہ بچیوں کو ٹیڑھی آنکھہ سے دیکھے صرف اتنی سی بات پر کہ چھوٹی بچی صادقہ ایک دفعہ باپ کے ہاتھ میں

اشرفیاں دیکھ مچل گئی اور باپ اشرفیاں بند کر صندوقچہ میں رکھ باہر چلدیا وہ
بیاسے تمہارے جوان صاحب اولاد لڑکے کو گھر سے نکالنے کھڑی ہوگئی
اور جب تک پانچوں اشرفیاں اس چار برس کی جان کو دلوا دیں جس میں سے
ایک آخر کار کھوئی گئی ماں نے یامین سے سیدھے منہ بات نہ کی +

ان بچیوں کے ناز بردار آبا دا اور دادی تینوں قبروں میں جاسوئے
اور جن آنکھوں نے انکی ہٹیں اور ہٹوں کی کھیل دیکھی وہ بھی ہمیشہ کو بند ہوگئیں
لیکن یہ سونے والی آنکھیں کاغذ کے صفحوں پر وہ واقعات چھوڑ گئیں جو یامین یعقوب
کے پہلو میں ابھار رہے ہیں۔

مولانا یوسف کی حقیقی چچا زاد بہن راحیل ایک رات کے واقعات اسطرح
بیان کرتی ہے۔عشا کی اذان ہوچکی تھی صادقہ باپ کے گلے میں بانہیں ڈالے
بیخبر پڑی سوتی تھی ۔ ماں فرضوں کی نیت باندھ چکی ہی تھی کہ دفعتہً صادقہ نے استغراق
کیا گھر بھر میں کھلبلی مچ گئی گرمی کا موسم ضرور تھا مگر یامین جیسے معقول آدمی کے
رونے پر ہنسی آتی تھی چیخیں مارنے لگا اور اگر خود بچی کی حالت اس کو یقین
نہ دلادے تو وہ یہ سمجھ اسکی زندگی سے ناامید ہو ہی چکا تھا۔ ماں کیا جنون
تھا کہ ایک ساعت میں ڈیڑھ ہزار روپیہ نقد خیرات ہوگیا۔بچی اچھی بھلی پڑی
سوتی ہے اور دونوں ماں باپ اس کے سانس گن رہے ہیں۔ ماں کی مامتا ضرور
تھی مگر باپ باپ نہیں دیوانہ تھا جو بچیوں کے قدم قدم پر آنکھیں بچھاتا مجال
نہیں کہ دم بھر کو ایک بھی آنکھ سے اوجھل ہوجائے ۔ ایمان اگر کوئی چیز ہے
تو بالآخر یہ کہنا پڑے گا کہ یوسفی اور صادقہ ماں کی گود میں بیٹھیں باپ کی آنکھوں میں
رہیں دادی کے سینہ پر لوٹیں اور بیسیوں خوشامدیوں کے سر پر
بیٹھیں ماننا پڑے گا اور پھر ماننا پڑے گا کہ یامین کی بچیاں یوسفی اور صادقہ

سونے چاندی میں کھیلیں اللہ آمین سے ملیں اور ہاتھوں چھاؤں ٹبر میں۔

(۲)

یامین کے واسطے ماں کی موت صدمہ جگر خراش یا ناقابلِ تلافی نقصان جو کچھ بھی ہو عارضی تھا جس کا اثر زائل ہوتے ہوتے نام کو بھی نہ رہا۔ مگر مولانا یوسف کی حالت قابل رحم تھی کہ تیس برس کا بنا بنایا گھر بڑھاپے میں اُجڑ گیا کیسے درد سے روتا تھا کہ سننے والوں کے کلیجے پھٹتے بیٹا بیٹیاں پوتے پوتیاں تیس بتیس آدمیوں کا کنبہ۔ مگر جو آرام بیوی کے دم سے تھا وہ کہاں حق الامر یہ ہے کہ یامین کی ماں عورت نہیں فرشتہ تھی جو تیس برس زندہ رہی۔ مگر تمام عمر میں ایک دفعہ بھی میاں کی حکم عدولی نہ کی بیسیوں باتیں عادت کے برعکس اور طبیعت کے خلاف ہوتیں مگر اس خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتی کہ کسی کو شبہ تک نہ ہوتا ایسی بیوی اگر مر کر میاں کو زندہ درگور کر گئی تو تعجب کیا دوسرے نکاح کی مولانا یوسف کو نہ ضرورت تھی نہ عمر تھی ساٹھ سے اوپر سن بڑھاپے کے دن خدمت کو نوکر فرمانبردار اولاد بیماری کا ساتھ قویٰ میں انحطاط اچھی ہوئی نیند تھکا ہوا کھانا سچ پوچھو تو مولانا یوسف کے اللہ اللہ کا زمانہ تھا۔ مگر کس کا سال اور مہینہ ایک دو ہی ہفتہ کے اندر اندر وہ راج پلٹا کہ پندرہ برس کی نازنین مولانا کے پہلو میں براج رہی تھی۔ دہا جو کی بیوی سوداگر کا گھوڑا مشہور ہے عورت تھی تو ناتجربہ کار مگر بہار کا موسم تھا زیور اور کپڑا سے اوڑھا مولانا اُنتیس برس بعد پھر دولہا بنے اور نئی دولہن کی چٹک مٹک دیکھنی نصیب ہوئی گو زیادہ حسین نہ تھی مگر مولانا کی موت کو بہت تھی عطر میں بسی پھولوں میں مہکی زیور میں ٹوٹی کپڑوں میں لدی

ہاتھوں میں مہندی پور پور چھلے مولانا تو لگے کلمہ پڑھنے بیٹے اور بہو اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ ابّا جان نئی بیگم کے لیے پان بنا رہے ہیں اور منہ پھیر لیتے بیٹیاں اپنے کانوں سے سنتیں کہ باپ کا منہ دلہن بیگم کہتے کہتے خشک ہو رہا ہے اور سنی ان سنی کر دیتیں +

(باقی آئندہ) راشد الخیری

حاجی احسان الحق صاحب قادری رئیس لال کُرتی چھاؤنی میرٹھ نے ان تمام مضامین کو جو جنگ طرابلس کے متعلق مشہور اہل قلم نے مختلف اخبارات میں لکھے۔ جمع فرما کر دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے اور جس کا پہلا حصّہ خون ناحق کے نام سے تیار ہے +

کونسا ایسا مسلمان ہوگا جسے جنگ طرابلس سے ہمدردی نہ ہو یہ مجموعہ سرزمین طرابلس کی ایسی سچی تصویر کھینچ رہا ہے کہ ہر مضمون کو مکرر سہ کرر پڑھنے کے بعد بھی سیری نہیں ہوتی۔ کتاب بڑی تقطیع پر نہایت آب و تاب سے شائع ہوئی ہے اور ہمیں امید ہے کہ قوم حاجی صاحب کی قدردانی کرے گی قیمت (عہ) ایک روپیہ

حاجی صاحب سے مل سکتی ہے۔

غزلیں

از خان بہادر سید الشعرا مولانا شاد عظیم آبادی

جہاں سے جاتے ہیں اب جی کے ہارنے والے
کدھر گئے مرے گیسو سنوارنے والے

پلٹ کے دیکھ تو لیتا، دیا تھا گر نہ جواب
چلے سے اُڑ گئے تجھ کو پکارنے والے

کچھ اس طرح سے ستائے گئے گلی میں تری
پلٹ کے آئے نہ پھر جی کے ہارنے والے

سمجھ کے تیری گزرگاہ در پہ غیر کے ہیں
جیا بھی ہار گئے دل کے ہارنے والے

بس اب جواب ملے گا یہی رہی امید
پکارتے رہے تجھ کو پکارنے والے

ذرا سی ٹھیس بھی شیشے کیواسطے ہے پہاڑ
سنبھل کے طاق سے مینا اُتارنے والے

بس اب ہے خیر ہی خیر اُن کے حسن کی اے شاد
بلائیں لے کے چلے جان وارنے والے

از حضرت رشید مدظلہٗ

عقدۂ الفت کے سبب رشک قمر کھول دیے
سینہ یوں چاک کیا داغ جگر کھول دیے

آگیا ہوش تری چال کے مشتاقوں کو
حشر کی سن کے صدا دیدۂ تر کھول دیے

جا عجب کی نہیں گر اہل محبت رو دیے
میرے ماتم میں حسینوں نے بھی سر کھول دیے

پائی تاروں نے ضیا بڑھ گئی تاریکئ شب
اُسنے منہ ڈھانک کے کانوں کے گہر کھول دیے

عام باراں کیطرح ہے کرم ساقی کا
آئی برسات کہ میخانہ کے در کھول دیے

آنکھیں کھولے ہوئے سب دیکھ رہے ہیں تجکو
دل کے جانیکو یہ عشاق نے در کھول دیے

امتحان حسرت پرواز کا منظور ہوا
ذبح کر کے مجھے صیاد نے پر کھول دیے

شرم آئیگی سبھی لوگ سمجھ جائیں گے
تم نے گیسو مرے لاشے پہ اگر کھول دیے

اصل قیمت (عہ) رعایتی (عمر) علاوہ محصول - آخر اگست سنہ ۱۹۱۲ء تک محصول معاف

وصل حبیب کے متعلق ایک تازہ اور وقیع رائے

(از مولوی حکیم بشیر احمد خان صاحب دہلوی چیف میڈیکل آفیسر ریاست دوجانہ)

ناول وصل حبیب بذریعہ وی - پی - وصول ہوا - خدا معلوم آپ کی تحریر میں کیا کشش مقناطیسی ہے کہ باوجود عدیم الفرصتی بغیر ختم کئے چھوڑنے کو دل گوارا نہیں کرتا - برخلاف تمام ناولوں کے آپ کا رنگ مخصوص ہے اور یہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے - آج کل علاوہ مشاغل دربار - انتظامات طاعون میں سخت منہمک ہوں - اور ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں - مگر آپ کے مصنفہ ناول کے واسطے دو راتوں کی پیاری نیند کو قربان ہی کرنا پڑا - علاوہ میرے جس شخص نے دیکھا بے حد پسند کیا - اور غائبانہ آپ کے مشتاق ہیں -

۱۹ - اپریل سنہ ۱۹۱۲ء

مندرجہ ذیل کتب بھی رعایت پر مل سکتی ہیں

سیر ظلمات....	عمر	دیگر نعمتیدا	۱۲/ عہ	حلوۂ ایثار	۴/
فسانۂ لندن ہر دو حصہ	عہ	فتح اندلس	عہ	عیار شہزادہ	۱۲/
انتقام کامل	۱۲/	مقدس نازنین	۱۲/	روز البرٹ	۱۲/ عہ
غیبداں دلہن	۱۲/	حسن انجلینا	۱۲/		

المشتہر محمد عبد العلیم مہتمم کتب خانہ حبیبیہ ڈاک خانہ گوہر گنج - ریاست بھوپال

ڈاکٹر برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوائیں

ستائیس برس سے سارے ہندوستان میں استعمال میں آرہی ہیں

(۱) دمہ جسے زور سے اچھلتا ہو اس دمہ کے دورے ایک موتا دی سے دب جاتا ہے۔

(۲) نیا ہو اور اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دمہ جڑ سے جاتا ہے۔

(۳) پرانے دمہ والے یا جن کا دمہ دم کا ساتھی ہو گیا ہو وہ بھی اس دوا سے بہت صحت پاتے ہیں دمہ کی دوا۔ ڈاک محصول ایک سے تین شیشی تک ۵ آنہ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنہ (عہ)

مقوی گولیاں ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دوائیوں میں مشہور دوائیں۔ فاسفورس سنکونا اور دنیا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں مغز ریڑھ کی ہڈی۔ ماس۔ اور خون کو یہ طاقت دیتی ہے اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئے معمولی کمزوری ہول دل۔ یاد بھولنا۔ ہاتھ پیر کا ہلنا۔ لقوہ۔ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہوتے ہیں دو ہفتہ کی خوراک تین گولیوں کی شیشی قیمت ایک روپیہ (عہ) ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ۔

امراض مستورات کی دوا یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے ہر طرح کی رحم کی بیماری پرورد گ حمل کی کمزوری پیٹ جانگ میں درد وغیرہ کو مٹا کر اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی تمام دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے ایک دفعہ اس دوا کی بھی آزمائش کیجیے قیمت ایک شیشی ایک روپیہ (عہ) ۱۶ خوراک ڈاک محصول ۷

ان دوائیوں کی مفصل حالت معہ سرٹیفکٹوں کی پوری کتاب بلا قیمت ملتی ہے منگا کر پڑھیے

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن

نمبر ۵/۶ تارا چند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایجنٹ آغا منصب علی کشمیری دروازہ دہلی ہیں۔

فرمائش کیساتھ اخبار کا حوالہ ضرور دیں

جلد (۵) جولائی سنہ ۱۹۱۲ء نمبر (۱)

تمدن

معاشرتی - تمدنی - ادبی - فلسفی - اخلاقی - تاریخی - اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹر: محمد عبد الراشد الخیری - شیخ محمد اکرام

:- فہرست مضامین :-

باہتمام محمد عبد الراشد الخیری دہلوی

قیمت سالانہ قسم اول ۳ روپیہ قسم دوم ۲ روپیہ - تمدن پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا سنہ ۱۳۳۰ - قیمت فی پرچہ (۴ آنہ) - کتبہ ... دہلوی



شمس العلماء مولانا حافظ نذیر احمد صاحب' ایل ایل' ڈی

Indian Press, Allahabad

تمدن

اُمّہات الامّہ

گزشتہ سے پیوستہ

(از شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی مرحوم)

برخلاف مرد کے کہ تولید تخم کی صلاحیت تک اس میں تمتع کی صلاحیت باقی رہتی ہے ساٹھا پاٹھا اور ان ہی عارض کی وجہ سے جو اُن کو لازم ہیں عورتیں بہت جلد بوڑھی ہو جاتی ہیں وہی نساءکم حرث لکم کی مثال پیش نظر رکھو تو مردوں کی تکثیر ازواج کی مصلحت کو آسانی سے سمجھ لوگے کہ کاشتکار متعدد کھیتوں میں تخم ریزی کر کے پیداوار کو بڑھا سکتا ہے لیکن کھیت میں اوپر تلے تخم ریزی کی جائے تو عجب نہیں سب تخم ضائع جائیں کیونکہ کھیت ایک ہی تخم کی پرورش کر سکتا ہے جہاں جہاں ولادت کے رجسٹر ترتیب دیے جاتے ہیں ان سے یہ بات پائی گئی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی پیدائش میں قریب قریب سینتالیس ۴۷ اڑتالیس ۴۸ اور ترپن ۵۳ باون کی نسبت ہے

امریکہ اور فرانس میں ایسا خیال کیا جارہا ہے کہ اس قباحت کا انسداد صرف تکثیر
ازدواج کے اسلامی قاعدے کے رواج دینے سے ممکن ہے بہرکیف
بقائے نسل کے لیے مناکحت کا ہونا ضرور ہے اور مردوں کے لیے تکثیر ازدواج
بھی افزائش آبادی کی ایک تدبیر ہے لیکن تکثیر نامحدود بھی مناسب نہیں اسمیں
بھی طرح طرح کے فسادات کا خوف ہے کم از کم کثرہ عیال کا جس کا لازمی
نتیجہ ہے افلاس اور سوکنوں کی ہر وقت کی دانتا کلکل کا۔ عورتیں کہا کرتی
ہیں سوکن زہر کی چھری ایک ہی بُری بہت سوکنیں ہونگی تو گھر کو ہم دریں
عالم است دوزخ او بنا دیں گی لیکن عام طور پر تکثیر ازدواج کی حد کا قرار
دینا کچھ آسان کام نہیں مقنن کیسا ہی وسیع المعلومات بیش بیں اور دوراندیش
کیوں نہ ہو ازدواج کے معاملے میں اتنی شخصی اور مقامی باتوں کو دخل ہے کہ
سب پر احاطہ محال ہے یہ کام خدا ہی کے کرنے کا تھا اور اسی نے کیا کہ تکثیر
ازدواج کو چار تک محدود کر دیا اور اُس کی مصلحتوں کو بھی وہی خوب جانتا ہے
ہم سے چار کی وجہ تخصیص پوچھو تو ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے دیکھنے
میں تو چار کے عدد میں نسل کے بڑھانے کے ساتھ عورتوں کے حق کی رعایت
بھی کماینبغی ملحوظ ہے اور زناشوئی کے تعلق میں یہی دو باتیں خیال کرنے کی تھیں
مطلب ہے ذرا پیچیدہ لہذا ناظرین کے سمجھانے کے لیے ہم اسکو بہ صراحت
کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ دنیا کے حالات پر نظر کرنے سے ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ زمین جس طرح پر موالید ثلثہ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات سے
آباد ہے خدا کو منظور ہے کہ وقت موعود قیامت تک اسی طرح آباد رہے قیامت
کب آئے گی اور کیونکر آئے گی یہ مقام اس بحث کے چھیڑنے کا نہیں
ہے مگر کبھی نہ کبھی تو آئے گی یہ خدا کا وعدہ ہے اور اس کا وعدہ پورا ہو کر

رہے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادْ۔ قیامت کا وقت خدا نے کسی کو نہیں
بتایا۔ اور کوئی اسکو جان نہیں سکتا اچھا پھر خدا زمین کا اسی طرح موالید
ثلٰثہ سے آباد رہنا ہی چاہتا ہے اور موالید ثلٰثہ ہیں۔ کہ ان کی حالت میں
تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ اور نباتات اور حیوانات میں بڑا تغیر مرنیکا ہے
جسکو قیامت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو خدا نے زمین کے آباد رہنے کا یہ انتظام
کیا کہ جو چیزیں فنا ہونے والی ہیں ان کو اپنا جانشین پیدا کرنے کی استعداد
عطا فرمائی درخت ہیں کہ بیج پیدا کرتے ہیں اور بیج آخر کو ویسا ہی درخت
بن جاتا ہے حیوانات نر و مادہ مل کر جانشین پیدا کرتے ہیں ذکور و اناث
دونوں قسم کے ایک دو نہیں کئی کئی اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی مردم شماری
برابر بڑھتی چلی جا رہی ہے خدا نے اپنے علم میں بنی آدم کا ایک مجموعہ
قرار دے رکھا ہے جب کثرۃ تولید سے مجموعہ مقدار مقرر سے بڑھتا
ہے طاعون یا قحط سے گھٹا کر اسکو حد کے اندر لے آتے ہیں غرض زنا
شوئی کے تعلق سے دو غرضیں متعلق ہیں۔ تکثیر نسل اور مرد و زن دونوں کے
تمتع کا پاس عورتوں کے تمتع کا پاس حقیقت میں مردوں کی تکثیر بیجا کی روک
ہے اور اسی لیے ایجاب و قبول کو شرط نکاح قرار دیا گیا ہے ایجاب و
قبول کے معنے ہیں فریقین کی رضامندی جو زن و شوہر بننے والے ہیں
پہلی تو نہیں مگر دوسری منکوحہ تکثیر کو روک سکتی ہے کہ نکاح سے رضامند
نہ ہو پس ہر تعدد میں مابعد کی عورۃ مرد سے بڑھکر ملزم ہے کہ وہ نادانی
سے اپنا حق تمتع چھوڑنے کے علاوہ اپنی بہن پچھلی منکوحہ کے اتلاف
حق کی باعث ہوئی بااینہمہ مرد بھی الزام سے بری نہیں کیونکہ گو عورۃ
کی رضامندی کو زور دینے کے لیے ایجاب عورۃ کی طرف سے ہوتا ہے

مگر نکاح کی تحریک بر عکس موضوع ہمیشہ مرد کیطرف سے ہوتی ہے اسلامی شریعۃ نے جو مردوں کو وقت واحد میں چار بیبیوں کے جمع کرنے کی اجازہ دی ہے ہم نے اس اجازۃ کی نسبتہ کہا کہ اس میں نسل کے بڑھانے کے ساتھہ عورتوں کے حق کی رعایتہ بھی کما ینبغی ملحوظ ہے یہ بات ہم نے اس سے اخذ کی ہے کہ ایک حمل کی حالت میں حمل اور ارضاع اور دوسرے عوارض ملاکر غالباً عورۃ کے چار برس ایسے گذرتے ہیں کہ اس عرصہ میں اس کو بالطبع توالد وتناسل کی قوۃ سے متمتع ہونے کی خواہش نہیں ہوتی اور صحیح رغبتہ کے بدون تمتع ازروے طب سخت مضر ہے پس عورۃ کی اپنی اور اسکی اولاد کی توانائی اور تندرستی اسی کی متقاضی ہے کہ وہ ان اوقات میں مرد کو مقاربتہ کا موقعہ نہ دے اور وہ بدون اس کے ہو نہیں سکتا کہ مرد کے پاس متعدد عورتیں ہوں لیکن عورتیں اس لم کو تو سمجھتی نہیں۔ ناحق تعدد ازدواج کی اجازت کو جو اسلامی شریعۃ نے مردونکو دی ہے اپنے حق میں ظلم اور بے انصافی خیال کرتی ہیں نسل آدم کا بڑھانا ایک اعتبار سے حق اللہ ہی۔ اس لیئے کہ دنیا کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہی چاہتا ہے کہ آدم کی اولاد پھولے پھلے جیسا کہ ہم اوپر لکھہ چکے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ تعدد ازدواج سے تکثیر نسل کا ایک مطلب تو حاصل ہوتا ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عورتونکی توانائی اور تندرستی کے لحاظ سے چار تک ان کا حق تمتع بھی محفوظ ہے مگر چونکہ مردونکا ہر پہلو سے اعتدال سے قائم رہنا عادۃً محال ہے ازدیاد نسل کے ایک مطلب کے حصول سے نان ونفقہ اور مہر اور حسن معاشرت کے چند در چند ضروری مطالب فوت ہوتے ہیں جن کا فوت ہونا امن وعافیۃ میں خلل انداز ہے لہذا شارع نے اپنی کمال دانشمندی سے مردوں کو تکثیر ازدواج کی اجازت

بھی تھی تو مضائقے کے ساتھ اور یہ مضائقہ صرف عورتوں کے پاس خاطر سے
ورنہ تکثیر نسل کی ضرورت تو ہر زمانے میں اور ہر جگہ تھی اور ہے اور رہے گی
خاصکر ملک عرب تو نزول قرآن کے وقت تکثیر نسل کا زیادہ تر محتاج
تھا۔ برسات وہاں نہیں ہوتی۔ طائف اور مدینہ اور یمن چھوڑ کر کھیتی باڑی
کا کہیں نام و نشان نہیں۔ عرب کی آبادی کی ابتدا ابراہیم سے ہوئی وہ
فرماتے تھے ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند
بیتک المحرم کہتے ہیں اور یہ کہنا محض بہتان اور اتہام ہے کہ مردوں کو تکثیر
ازواج کی اجازت دے کر اسلام نے عورتوں کے تمام حقوق پامال
کر دیئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کی خانہ داریاں بے اطمینانی
اور بدگمانی کا مسکن بن گئیں۔ مسلمان زن و شوہر میں کہیں ویسا اتحاد
نہیں پایا جاتا جیسا نا مسلموں میں۔ اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ عورت تو کچھ
چیز ہی نہ تھی اسلام نے اسکو چیز بنایا اور چیز بھی قدر قیمت کی چیز
ہم کو اس بارے میں دوسرے مذاہب سے بحث کرنی منظور نہیں۔ ہم تو
صرف اتنی بات دکھانی چاہتے ہیں کہ اسلام کا نشو و نما عرب سے ہوا۔ وہ
لوگ اسلام سے پہلے عورتوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے تھے۔
مختصراً انکا سلوک اس قسم کا تھا کہ اگر اسلام عورتوں کی حمایت کو نہ کھڑا
ہوتا تو شاید بہتیرے مرد عمر بھر عورتوں کو ترسا کرتے بالطبع
ظالم بے رحم سنگدل بے مروت اور دو چار دس بیس نہیں۔ قوم کی
قوم اور اسپر جھوٹی غیرت۔ شرافت کی شیخی میں ناک چوٹی گرفتار وہ کسیکا
سالا سسر کہلانے کو گالی سمجھتے اور اس عار سے بچنے کے لئے بیٹی
ذات کو جینے ہی نہیں دیتے تھے قرآن کی یہ آیۃ وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ

بِاَیِّ ذَنبٍ قُتِلَت اس کی تصدیق کو بس کرتی ہے یہی حال ہمارے ملک میں ہندو اور راجپوتوں کا تھا عورتوں کی حفاظت یا تو اسلام نے کی یا سرکار انگریزی نے کی کہ ستی اور دختر کشی کی ظالمانہ رسم کا بڑی سختی سے مقابلہ کیا۔ غالب ہے کہ ستی اور دختر کشی کا انسداد کلی ہو گیا ہے یہ اسی جھوٹی جاہلانہ غیرۃ کا اثر ہے کہ مسلمان بھی سالے سسر ساس داماد کے نام سے چڑتے ہیں اور ان الفاظ کے استعمال کو خلاف تہذیب سمجھتے ہیں سالے کو کہتے ہیں نسبتی بھائی یا خسر پورہ سسر کو خسر ساس کو خوشدامن داماد کو خویش۔ مذہب اور حاکم وقت اگر منصف اور رعایا پرور ہو جرائم کے روکنے کی کوشش تو دونوں کرتے ہیں مگر مذہب کی کوشش کا اثر حاکم وقت کی کوشش کے مقابلے میں قوی تر ہوتا ہے کیونکہ افعال کو درست سمجھو تو اس کی جڑ دل سے پیدا ہوتی ہے یعنی آدمی پہلے دل میں ایک کام کرتا ہے[۵] ×نہیں پس وہ صرف افعال کو روک سکتا ہے وہ بھی اکثر بعد الوقوع کہ مجرم کی سزا کے ڈر سے دوسروں کو عبرۃ ہو اور ارادۂ بد سے باز رہیں مگر مذہب قیامۃ اور آخرۃ کی بازپرس کا یقین دلا کر شروع سے دلوں کی اصلاح کرچلتا ہے پس جن دلوں پر مذہب نے قابو پالیا ہے وہ ارادہ بد کر ہی نہیں سکتے کہ اس کے عمل میں لانے کی نوبت آئے خدا نے عورت کو مرد کے مقابلے میں کمزور ضعیف اور مغلوب پیدا کیا ہے لیکن باینہمہ وہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں کہ دوسرے کی شرکت کے بدون عافیۃ کے ساتھ زندگی کر نہیں سکتے بقائے نسل کے لیے دونوں کی شرکت کی ضرورت تو صاف ثابت ہے کہ اکیلا مرد یا اکیلی عورۃ دونوں میں سے ایک بھی اولاد

[۵] اوجس وقت لڑکی سے جو زندہ درگور کر دی گئی تھی پوچھا جائے گا کہ کس قصور کے بدلے میں ماری گئی ۱۲

ہے پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے (یہ نشان لیتا ہے ہر ایسکہ کو گذرتا ہے) چونکہ حاکم وقت کی حکومت دلوں پر نہیں ہے لوگوں کے ارادے اس کے بس کے×

پیدا نہیں کر سکتا دنیا کے کون و فساد کو دیکھ کر فلسفیوں نے دی فٹسٹ ٹو لو کا کلیہ مستنبط کیا جس کے یہ معنے ہیں کہ دنیا میں زبردست مخلوق کمزور مخلوق کو معدوم کرتی جا رہی ہے پس باہمی احتیاج صنف نسواں کی بقا کی ضامن اور محافظ نہ ہوتی تو عورتوں کا پیدا ہونا کبھی کا موقوف ہو گیا ہوتا اس پر بھی صنف ذکور اور صنف نسواں میں شروع سے ایک طرح کی کشمکش قائم ہے لیکن قدرتی کمزوریوں کی وجہ سے عورتوں کا پلا ہمیشہ مردوں کے مقابلے میں ہلکا رہا ہے اور مقتضائے فطرۃ بھی یہی ہے کہ تیل اور پانی ایک بوتل میں بھرے جائیں تو تیل اوپر رہے عورۃ پانی کی جگہ ہے اور مرد تیل کی جگہ۔ مرد عورۃ یعنے میاں بیوی میں جو نسبت ہونی چاہیئے قرآن میں صاف لفظوں میں بتا دی ہے ایک جگہ فرمایا اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ[1] فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ مردوں کی خداداد توانائی کی طرف اشارہ ہے اور یہ مردوں کی برتری ایک وجہ ہے دوسری وجہ بما انفقوا من اموالہم ہے دوسری جگہ فرمایا[2] وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ نیچر یعنے فطرت کے قاعدے ایسے ابدی اور مستمر ہیں کہ ان کا نقص ہو ہی نہیں سکتا لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ

[1] مرد عورتوں کے سردھری ہیں (اس کے دو) سبب (ایک یہ) ہے کہ آدمیوں میں) اللہ نے بعض (یعنی مردوں) کو بعض (یعنی عورتوں) پر دلی مضبوطی اور جسمانی توانائی میں برتری ہے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ مردوں نے (عورتوں پر) اپنا مال خرچ کیا ہے[2] اور جیسے (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے ویسے دستور کے مطابق عورتوں کا حق (مردوں پر) ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے ۱۲۔ [3] (اے پیغمبر) تم خدا کے قاعدے کو ہرگز بدلتا ہوا نہ پاؤ گے اور نہ خدا کے قاعدے کو ہرگز ٹلتا ہوا پاؤ گے ۱۲

تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔ مرد و عورت اگر خدا کی باندھی ہوئی فطری حد میں رہیں تو مرد و عورۃ کا تعلق اس قسم کا ہے کہ دنیا دونوں کے حق میں بہشت ہو جائے لا یسمعون فیہا لغوا ولا تاثیما مگر حضرت آدم کی اولاد کیا مرد کیا عورۃ ایسا تیکھا مزاج لیکر آئی ہے کہ نہ دھرا جائے اور نہ اٹھایا جائے ہزاروں برس سے دنیا ایک وضع خاص پر چلی جا رہی تھی بیٹھے بٹھلائے اہل یورپ نے ایک اشغولہ اٹھا کھڑا کیا کہ آدم زاد ہونے میں مرد و عورۃ دونوں برابر مردوں نے عورتوں کے حقوق غضب کرکے کاروبار سلطنتہ سارا اپنی مٹھی میں کر رکھا ہے ع اے طبل بلند بانگ در آخر ہیچ۔ تمام غل غپاڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عورتیں تار اور ڈاک خانے میں نوکر رکھ لی گئیں کچھ شفا خانوں میں بیمار داری اور دایہ گری کچھ ادنے درجے کے سکولوں میں معلمی کی خدمتوں پر مامور ہیں مگر عورتیں تو مقنن اور سپہ سالار بننے کے فکر میں ہیں کوئی ان کو ایاز قدر خود بشناس اور ہر یکے را بہر کارے ساختند کا سبق نہیں پڑھاتا کہ تپا مار کر گھر کے کام کاج میں دل لگائیں جو ان کے کرنے کا ہے اور جس کے لیے خدا نے ان کو پیدا کیا ہے صرف ایک اسلامی شریعتہ ہے جو اس بات کا دعوے کر سکتی ہے کہ اس نے زن و شو کے تعلق کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے وہ بالکل مطابق فطرۃ ہے اور اس میں دونوں کے حقوق کی واجبی رعایتہ ہے لیکن مولوی روم نے ٹھیک فرمایا ہے ؎

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد
صد ہزاراں پردہ سوئے دیدہ شد

(باقی آئندہ)

وجہ ستم

حضرت نیاز فتحپوری کی عرضِ ستم ایسی نظم نہ تھی جو غیر مؤثر ثابت ہوتی جس وقت مِس کاتمدن بارگاہِ قدس کے دار الانشاء میں موصول ہوا منشی فلک نے اپنے ادیٹیل نوٹ کے ساتھ نزہت گاہ معلّٰی کے کاتبِ خصوصی (پرائیویٹ سکرٹری) کے انجمن میں بہ صدارت الوہم بعد رو و قدح یہ جواب (نظم ہی) لکھا۔ جو بغرض اشاعت و اعلان تمدن میں بھیجا گیا۔

شکور

عرضِ ستم پڑھی گئی آج ہمارے روبرو
سارے ملائکہ بھی تھے جب ہوئی اسپہ گفتگو

ہم پہ یہ طعن ہے کہ غیر مورد لطف و بدل ہے
اپنوں کا کچھ نہیں خیال اور نہ پاس آبرو

سخت تاسف ہی ہمیں ہے جو زبوں تمھارا حال
ہم متاثر ہیں بہت ہے جو تمھارا دل لہو

ہم پہ مٹے ہوئے ہو تم اسمیں نہیں ذرا کلام
خاکِ حرم ہے شاہد گرمی سعی و جستجو

کیسے مگر بدل دیں ہم سارے نظام ہر کو
کیا کریں جب نہیں درست کوئی تمھاری آرزو

سوچو تمھیں ذرا اسے سترِ بدن ہو کسطرح
جب نہیں امن و لباس قابل بخیہ و رفو

کہتے تو ہو وفا وفا خاک مگر وفا نہیں
لفظ تو یاد ہے مگر معنی سے آشنا نہیں

ہادیٔ دیں نے اک یہی تمکو سبق دیا تھا کیا؟
راحت و عیش گر ملے پھر نہ بدن ہلے ذرا

سوئے تم ایسے کچھ کہ پھر جاگنا ہو گیا قسم
جس نے ذرا جگا دیا بس وہی ہو گیا برا

کذب و ریا تمھاری خو کینہ تمھاری جستجو
بغض و حسد ہے تم کو انس صدق و صفا سے تم خفا

قلب میں مرتسم ہوئے نقش کو الفت نے ڈال — صاف بھلا دیا ہمیں کیا معنی اوج ارتقا

رہبر قوم کے لیے سب و شتم تمہاری خو — چھڑکے جو تم پہ جاں وہی دشمن جاں ہے برملا

کشتی شکستہ او نہیں فکر رہائی و خلاص — سیل ہے موجزن، مگر کچھ نہیں قدر ناخدا

کیا ہے یہی شعار دیں، کیا یہی وفا اسی کا نام

آقا سے منحرف رہو اور کہو کہ ہیں غلام!

تم میں نہ وہ ادا رہی اب اور نہ وہ طرز دلبری — دعوی عشق بر زباں سر میں سمائی خودسری

شور فغاں ہے بے اثر، شیون و آہ بے مزہ — لغو ہے نالہ و بکا، کذب ہے آنکھوں کی تری

دل کو اگر لگے برا، کچھ تو عمل میں فرق ہو — بات تو ہے یہی کہ چوٹ دل کی نہیں ابھی ہری

زر تمھیں دیکے خوب ہم دیکھ چکے ہیں بارہا — ہاتھ میں جام مے ہے اور دل میں ہے جلوۂ پری

یہ نہ ہوا کہ قوم کے بچوں کی لیتے تم خبر — تم ہو درون خانہ اور انکو ہے رنج بے دری

دل تو ہے مائل حضیض اور ہے اوج کی ہوس — کام تو سارے ہیں برے اور سوال برتری

حیف تمھارے عزم پر تالی جانیں پٹی

اور ذرا سی بن سکی تم سے نہ یونیورسٹی

محمد عبدالشکور چاندپوری

(بجنور)

عصمت - جس طرح یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ قوم کی ترقی کا انحصار تعلیم النسواں پر ہے اسی طرح اس میں بھی کلام نہیں کہ رسالہ عصمت لڑکیوں کے واسطے ایک بیش بہا نعمت ہے، جس میں خانہ داری۔ تعلیم و تربیت۔ مذہب وغیرہ پر منتخب اہل قلم کے مضامین نکل رہے ہیں عصمت کواری لڑکیوں کو فرمانبردار بیویاں اور بیویوں کو سلیقہ شعار گھر والیاں اور سگھڑ مائیں بنانے کے واسطے ایک لاجواب چیز ہے جو بیش قیمت کاغذ اعلیٰ درجہ کی لکھائی چھپائی رنگین ٹائیٹل سنہری بیل اور تصویر سے مزین ہو کر ہر مہینہ شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ [illegible] منیجر عصمت و تمدن - دہلی

حکیم اپکٹی ٹس

سٹوئک حکما میں سب سے زیادہ مشہور ایک غریب لنگڑا غلام تھا جس کا اصلی نام لاعلمی کے تاریک پردے میں چھپا ہوا ہے۔ لیکن اسکو اپکٹی ٹس کہتے تھے جس کے معنی خرید شدہ یعنی غلام کے ہیں۔ پہلی صدی عیسوی میں وہ ایشیائے کوچک کے مغرب میں بمقام ہیراپولس پیدا ہوا تھا۔ وہ بچپن میں اکثر بیمار رہتا تھا اور شاید اس لیے۔ مترجم اسکے والدین نے غلام کی طرح اسے فروخت کر دیا۔ خریدنے والے کا نام اپا فروڈیٹس ہے جو بادشاہ نیرو کا آزاد کردہ غلام تھا۔ مندرجہ ذیل واقعہ اس بیرحمی کو ظاہر کرتا ہے۔ جو بعض اوقات اس غریب کے ساتھ روا رکھی جاتی تھی۔ ایک دن آقا اپا فروڈی ٹس اپنے غلام کی ٹانگ ایک شکنجہ میں کھینچ رہا تھا۔ اسپر اپکٹی ٹس نے کہا۔ کہ "اگر تم اور زیادہ مروڑ وگے تو میری ٹانگ ٹوٹ جائے گی"۔ لیکن کمبخت آقا نہ رکا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ٹانگ ٹوٹ گئی۔ غلام نے کہا "کہا میں نے تم سے نہ کہا تھا۔ کہ ٹانگ ٹوٹ جائے گی"۔ یہ کہا اور پوری خاموشی کے ساتھ مصیبت کو برداشت کیا +

اہل روما میں رواج تھا جسکی رو سے وہ اپنے غلاموں میں سے نہایت ہی ہشیار غلام کو تعلیم دلوایا کرتے تھے۔ تاکہ وہ سکرٹری لائبریرین اور معلم وغیرہ کی خدمات انجام دے سکے۔ اس غرض سے اپکٹی ٹس کو اس زمانے کے ایک مشہور فاضل مسونی اس کے پاس فلسفہ کی تحصیل کے لیے بھیجدیا گیا۔ اپنے اُستاد کے ذریعہ سے وہ سٹوئک فلسفہ کا معتقد ہوا اور زندگی بھر اس پر وفاداری سے عمل پیرا رہا اپکٹی ٹس اپنے شاگردوں سے کہا کرتا تھا کہ "اگر تمہیں میری تعریف کرنے کے لیے

فرصت مل جائے۔ تو اس کے عوض میں تمھارے ساتھہ کوئی نیکی نہیں کرسکتا۔

تہوڑے عرصہ کے بعد اپکٹی ٹس آزاد ہوگیا۔ وہ ایک چھوٹے سے مکان میں رہتا تہا۔ جو دروازہ کے وجود سے بالکل معرّا تہا۔ مکان میں لمپ بوریا جس پر وہ سوتا تہا۔ ایک طشت۔ ایک مٹی کی بوتل اور دو تین بتوں کے علاوہ اور کسی قسم کا سامان نہ تہا۔ ایک دن وہ اپنے گہریلو دیوتاؤں کے سامنے جلانے کے لیے ایک لوہے کا لمپ خرید کر لایا۔ لیکن کسی چور نے اُسے چُرا لیا۔ اپکٹی ٹس نے کہا "اگر وہ دوبارہ آیا۔ تو مجھے خوف ہے کہ وہ بالکل مایوس ہو کر جائیگا۔ کیونکہ اسے صرف ایک مٹی کا لمپ جلتا ہوا ملیگا۔

جب شہنشاہ ڈومٹی اَن نے روما سے تمام حکما کو خارج البلد کردیا۔ تو اپکٹی ٹس موجودہ البانیا کے شہر نکوپوس چلا گیا۔ جہاں اس نے سٹوئک فلسفہ کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ کہولا۔ ایریان جو بعد میں متعدس شہنشاہ این ٹونی اس کا معلم بنا۔ اس کے وفادار اور مشہور شاگردوں میں سے تہا۔ ڈومٹی اَن کے مرنے پر اپکٹی ٹس روما میں واپس آگیا۔ جہاں شہنشاہ ایڈری اَن نے اس کی نہایت عزت افزائی کی۔ اسی بادشاہ کے عہد حکومت کے اختتام کے قریب سنہ ۱۳۸ء میں اس حکیم کا انتقال ہوگیا +

لوگ اپکٹی ٹس کا اس قدر احترام کرتے تہے کہ انہوں نے اسکی وفات پر چند برتنوں کو جو اسکی ملکیت میں تہے۔ نہایت شوق سے خریدا۔ چنانچہ صرف مٹی کا لمپ ہی جس سے وہ مطالعہ کرتا تہا۔ ایک ہزار روپیہ کے عوض فروخت ہوا

سقراط کی طرح اپکٹی ٹس نے خود اپنے ہاتہہ سے کچھہ نہیں لکھا۔ ایریان نے اپنے استاد کی ایک سوانح عمری لکھی۔ جو اس وقت ناپید ہے۔ اور اس کے تمام لکچروں کے مجموعہ کو آٹہہ کتابوں میں قلمبند کیا۔ جن میں سے آجکل صرف

چار محفوظ ہیں- اریان نے اپنے استاد کے مقالات کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا جس کا نام خود اسے (Enchiridion) رسالہ رکھا یہ زمانہ قدیم کی ایک نہایت ہی دلچسپ اور مقبول عام کتاب ہے-

ایکٹیٹس کے نزدیک فلسفہ کا آغاز خود اپنی کمزوری کے انکشاف اور کسی ضروری کام کے کرنے کی ناقابلیت کا نام ہے- اس علم کے ساتھ ہی ہمکو اس مباحثہ اور مجادلے واقفیت ہو جاتی ہے- جو بنی نوع انسان میں جاری ہے اور پھر ہم اس مقابلہ کا سبب دریافت کرنے کے درپے ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے- کہ ہم ایک ایسا دستورالعمل تیار کرتے ہیں جس کے مطابق ہم اپنا فیصلہ دے سکیں- اس فیصلہ پر غور و تدبر کرنے کا نام فلسفہ ہے-

خدا کی نسبت اس کے خیالات اگرچہ ایکٹیٹس نہایت ہی مذہبی آدمی تھا- اور اپنے ہر کام کی بنیاد خداتعالیٰ کے خیالات پر قائم کرتا تھا- تاہم اس کے خیالات اور آرا صاف اور درست نہیں ہیں- ویلیس خدا کی نسبت اس کے خیالات کو اختصار کے ساتھ اس طرح پیش کرتا ہے:-

"وہ مقبول عام بت پرستی پر سختی سے نکتہ چینی کرتا ہے- لیکن رسم کے مطابق خود بھی اس سے باز نہیں آتا- کیونکہ سٹوئک علما رسندروں میں عوام کے ساتھ ہی عبادت کرتے تھے- باوجود اس امر کے کہ اس کے خیالات بسا اوقات غلطی پر ہوتے ہیں- وہ ذات و صفات سے ایک آراستہ خدا پر جیسے وہ زی اس کہتا ہے- ایمان رکھتا ہے وہ زی اس خداوند کے زیر حکم سینکڑوں تحت دیوتاؤں پر یقین رکھتا ہے- اور بہادر اشخاص اور جنوں کی عبادت کو جائز ٹھیراتا ہے وہ اور لوگوں کے ساتھ اس ہر دلعزیز توہم میں ہم آہنگ ہے- کہ خداتعالیٰ اپنی مرضی کا اظہار پرندوں اور حیوانوں کی آنتوں کے ذریعہ سے

کرتا ہے۔ وہ اگرچہ سٹوئک تصوف کے اصول ہمہ اوست کے ساتھ کلی اتفاق رکھتا ہے لیکن باوجود اس کے عام طور پر اس کی گفتگو ان لوگوں کے طرح ہوتی ہے جو اس دنیا میں خدا کی محدود قوت کے قائل ہیں۔ ایتھر۔ آگ۔ روح۔ عقل۔ اتحادی اصول۔ قانون مطلق۔ قسمت۔ سبب اول زی اس وغیرہ سٹوئک اصطلاح میں یہ تمام نام خدا تعالیٰ کے مترادف ہیں۔

"تمام چیزوں کا منبع خدا تعالیٰ ہے۔ اور اس دنیا کے ختم ہونے پر تمام چیزیں اپنے اصلی مبداء سے مل کر اصلیت میں جذب ہو جائینگی جس سے وہ پھر پہلے کی طرح عود کریں گی۔ قانون یہ ہے کہ پہلے عدم اور پھر عدم کے بعد وجود۔ یہ قانون آدمیوں اور دیوتاؤں پر یکساں طور پر مستوی ہے۔

"یہ ہندوستان کے مسئلہ مہا پرلیا سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے"

انسان کی نسبت اس کے خیالات ولیس کہتا ہے:۔

"اس کی تعلیم یہ ہے کہ انسان کا سرچشمۂ وجود خدا تعالیٰ یعنی آسمانی باپ ہے اور تمام بنی نوع انسان اس کے بچے ہیں۔ بت پرستوں میں سے سب سے پہلے جنہوں نے انسانوں میں یکساں انسانیت پہچانی۔ اور جس انسانیت میں غلام بھی برابر کے شریک ہیں۔ وہ سٹوئک حکماء کا گروہ تھا۔ سٹوئک کا مرکز خیال انسان کی عزت ہے۔ وہ روح انسانی کو انسان کہتا ہے۔ باعتبار روح انسان کا تعلق خدا سے ہے اور بلحاظ جسم وہ حیوانوں سے ملتا جلتا ہے۔ خدا کے ساتھ انسان کا رشتہ ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعہ سے انسان کی انسانیت درجۂ اتم تک ترقی کر سکتی ہے۔ اور اسکو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ نفس حیوانی پر فتح حاصل کر سکے۔

سٹوئک ہمیشہ یہ نصیحت کرتا ہے کہ انسان محاسبہ نفس کرتا رہے۔ اور اسی طریق سے اپنی ذات کے علم اور خود ضبطی کی نشو و نما کو ترقی دے۔ انسانی

ضمیر تمام انسان پر حکومت کرتی ہے۔ اس کا جائز قیام انسان کا سینہ ہے۔ اور
وہیں سے اسکی آواز آتی ہے عقلمند آدمی اس گھریلو خدائی آواز سے جو ہمیشہ
ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ ڈرتا ہے۔ اور اسی کے وسیلہ سے اندھیرے
میں بھی اپنا راستہ ڈھونڈھ لیتا ہے۔ آیندہ کی زندگی کا خیال ایک ایسی لگاتار
تحریک ہے۔ جو اس دنیا میں اس کی زندگی کو اعلیٰ درجہ کی اخلاقی زندگی بنادیتی
ہے۔ لیکن وہ دوسرے جہان کے خدائی انعام و اکرام کی نسبت نیکی کے موجودہ
انعام و اکرام کی زیادہ پرواہ اور حفاظت کرتا ہے۔

اقوال | وہ کہتا ہے کہ انسان کا انتہائی مقصد یہ ہے کہ وہ خدا کے نام کی
حمد و تقدیس کرے۔ اور اس کے انعامات اور فضائل کا ذکر لوگوں سے
کرے۔ مجھ جیسا لنگڑا اور بوڑھا آدمی سوائے اس کے کہ خدا کی تقدیس کیا کرے
اور کیا کرسکتا ہے؟ اگر خدا تعالیٰ مجھے بلبل بناتا۔ تو میں بلبل کی طرح زندگی بسر
کرتا۔ اور اگر خدائے قادر مجھے راج ہنس پیدا کرتا۔ تو میں اسکی طرح رہتا سہتا
لیکن اب جب کہ خدا نے مجھے ایک عقلمند آدمی بنایا ہے۔ میرے لیے یہی
شایاں ہے۔ کہ میں اس کے مبارک نام کی حمد و تقدیس کروں۔ یہی میرا
کام ہے۔ اور میں اس کام کو اسوقت تک انجام دیتا رہوں گا۔ تاوقتیکہ میں
انسانی ذمہ داری کا حامل ہوں۔ اور میں تم کو بھی اس حمد میں شریک ہونے
کی نصیحت کرتا ہوں۔"

اپکٹی ٹس کہتا ہے۔ کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں۔ جو ہمارے قبضہ قدرت
میں ہیں۔ اور بہت سی باتیں بالکل ہمارے حیطہ اختیار سے باہر ہیں مثلاً جو
باتیں ہماری طاقت میں ہیں وہ ہماری رائے میں ہمارے اعمال ہیں اور
باتیں ایسی ہیں جن کو قدرت نے ہمارے اختیار سے باہر رکھا ہے۔ وہ جسمانی

حادثات۔ مال و دولت۔ شہرت مرتبہ اور نسیز وہ سب کچھہ جو ہمارے اعمال کے دائرہ سے باہر ہیں۔ ایپکٹیٹس کا فلسفہ اختصار کے ساتھہ ان تین لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ "برداشت کرو اور بچو۔" اس معنی خیز جملہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو کچھہ خدا تعالیٰ نے تم پر مقرر کیا ہے۔ اسکو (بخوشی) برداشت کرو۔ اور جن باتوں سے اس نے تم کو منع کر دیا ہے۔ ان سے پرہیز کرو اور بچو +

"یاد رکھو کہ تھیٹر کے ایکٹر کی طرح تم بھی ایک ایکٹر ہو جس کے سپرد خاص پارٹ کیا گیا ہے۔ اس بات کا کچھہ مضائقہ نہیں کہ خواہ وہ پارٹ مختصر ہو یا طویل۔ اگر خدا تعالیٰ نے فقیر کا پارٹ تمہارے سپرد کیا ہے۔ تو تمہارا فرض ہے کہ تم بہ حفاظت تمام اس پارٹ کو شریفانہ طرز سے انجام دو۔ اور بالفرض اگر لنگڑے آدمی حاکم یا معمولی آدمی کا پارٹ تمہارے ذمے ڈالا گیا ہے۔ تو اس وقت بھی تم پر ویسی ہی پروا اور محنت لازم ہے جیسی کہ فقیر کا پارٹ ادا کرنے میں کیونکہ جو پارٹ تمہارے سپرد کیا گیا ہے۔ اسی کا بجا لانا۔ خود تمہاری طاقت میں ہے۔ لیکن اس پارٹ کا پسند کرنا کسی دوسرے کے ہاتھہ میں ہے۔

سرکشی اور فائدہ کی محبت سے بڑھ کر کوئی اور بات ارذل نہیں ہے۔ اور بلند ہمتی شرافت۔ خلایق دوستی۔ اور نیکی کرنے سے زیادہ اور کوئی امر شریفانہ نہیں ہے"

"انگور کی بیل میں تین خوشے ہوتے ہیں۔ پہلے خوشہ سے خوشی حاصل ہوتی ہے دوسرے سے نشہ اور تیسرے سے بے عزتی"

جو فعل اس قابل نہیں کہ اسے کیا جائے۔ اسکو عمل میں لانے کا خیال تک بھی نہ کرو"

اگر تم نیک بننا چاہتے ہو۔ تو پہلے تم یقین کر لو کہ تم بُرے ہو۔ یہ ممکن ہے کہ خوشی جاتی رہے۔ دولت کم ہو جائے اور دوست دشمن بن جائیں۔ لیکن خدا کی پرستش کرنے کی طاقت میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی۔ اور اسکی محبت کبھی رد نہیں کی جاتی

(ترجمہ) ضیاءالدین برنی

مکالمۂ رند و شیخ

ایکدن اک مست رند لاابالی صبحدم — منہ پیئے جاتا تھا دیر سے سوئے حرم
مست تھا اور چال بھی اسکی عجب مستانہ تھی — عشق میں معلوم ہوتا تھا کہ تھا ثابت قدم
بے پیئے ہی بادۂ الفت سے وہ سرمست تھا — ماسوا کی فکر تھی کچھ اسکو نہ تھا رنج و غم
سر میں سودائی کے سودا تھا کسی کی زلف کا — وہ کسی کی چاہ میں ڈوبا ہوا تھا یک قلم
اڑتا جاتا تھا فرشتے کی طرح وہ راہ میں — کیا مجال آسکے نظر اسکا کوئی نقش قدم
نور ایمان کا تھا مطلع اسکی پیشانی صاف — ابروے پیوستہ تھے دو دل کی صورت بہم

اوج پر معلوم ہوتا تھا ستارہ بخت کا
گرچہ وہ طالب نہیں تھا تاج کا یا تخت کا

تھا حقیقت میں تو وہ رند ایک مرد بے نوا — شکل و صورت میں امیروں سے مگر کچھ کم نہ تھا
بندگی سے بندۂ اللہ گو آزاد تھا — جان و دل سے تھا ہمیشہ بندۂ مہر و وفا
دوستی میں اسکی یکرنگی کا جلوہ تھا مدام — دل تھا اس کا [illegible]
ایک بات اسمیں نرالی اور جو تھی وہ یہ تھی — تھا وہ دشمن کا تو دشمن دوست تھا وہ دوست کا
زاہدان خشک کی صورت تھا پرہیزگار — تھا بتان خوبرو سے عشق اسکو برملا
چل رہا تھا اپنی دھن میں وہ نوردِ کوئے شوق — ہر قدم پر اپنے دل میں کہہ رہا تھا یا خدا
مل نہ جائیں شیخ صاحب راہ میں مجھکو کہیں — کب گوارا ہو سکیگا انکا بے جا ٹوکنا

دفعتہً اس فکر میں آئی ہنسی بے اختیار
جوش میں پڑھنے لگا اشعارِ حافظ بار بار

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند — چوں بخلوت میروند آں کار دیگر می کنند

مشکلے دارم ز دانشمندِ مجلس باز پرس　　توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر می کنند
گوئیا باور نمی دارند روزِ داوری　　کیں ہمہ قلب و دغل در کارِ داور می کنند
یارب ایں نو دولتان را بر خرِ خودشان نشاں　　کیں ہمہ ناز از غلامِ ترک و استر می کنند
بندۂ پیرِ خراباتم کہ درویشانِ او　　گنج را از بے نیازی خاک بر سر می کنند
اے گدائے خانقہ باز آ کہ در دیرِ مغان　　می دہند آبے و دلہا را توانگر می کنند
خانہ خالی کن دلا تا منزلِ جاناں شود　　کیں ہوسناکان دل و جاں جائے دیگر می کنند
آہ آہ از دستِ صرافانِ گوہر ناشناس　　ہر زماں خرمہرہ را با دُر برابر می کنند

اس طرف تو رند لعلِ لب سے تھا گوہر فشاں
سامنے سے آرہے تھے شیخ کرتے شیخیاں

اک عبا تھی بر میں دستارِ فضیلت سر پہ تھی　　اور اک دستِ مبارک میں عصائے کہنہ بھی
یہ ترانہ سن کے بیتابانہ دوڑے آتے تھے　　جی میں کہتے تھے کہ لونگا میں خبر اس شخص کی
آپ کے دو چار چیلے بھی جو گرد و پیش تھے　　سب کے سب کچھ ٹوٹی پھوٹی جانتے تھے فارسی
ایک بولا پیر و مرشد آپ نے بھی کچھ سنا　　یہ غزل تو تھی یقیناً حافظِ شیراز کی
نام لیتا ہے غزل کا تو ہمارے سامنے　　کہہ کے یہ تا گرد پھر جھنجھلا کے جھپٹے شیخ جی
آگے آگے تھا جوان اور پیچھے پیچھے پیر تھا　　دوڑنے میں شیخ کی دستار دھم سے گر پڑی

بسکہ تھا ناحق غبار اس کے دلِ ناپاک میں
آبرو بے آب ہو کر مل گئی سب خاک میں

وہ پرانا مست بھی اتنے میں آپہنچا وہاں　　شیخ نے سمجھا اسے پیغامِ مرگِ ناگہاں
اپنے جی میں یوں کہا لو موت آئی عنقریب　　اس فرشتہ سے اجل کے بچ کے جاؤں میں کہاں
غالب آجانیکا اس پر کچھ تو حیلہ چاہیئے　　ٹوک کے پہلے اسے اور پوچھیے نام و نشاں
شیخ صاحب کو کیا جب اس نے جھک کر سلام　　آپ بولے کون ہے جاتا کدھر ہے بے ایماں

وہ غریب کم سخن گویا ہُوا با صد ادب — آپکو لازم نہیں ہے حضرتِ من یہ زباں
بندگی تسلیم کی تہی جان کر مردِ بزرگ — یہ خطا کی میں نے سمجھا آپکو پیرِ مغاں
بدسلوکی ہیں بجا ہیں شہرۂ آفاق آپ — غائبانہ یہ سمجھتا ہے تبھی سارا جہاں
خیر جو کچھ آپنے مجھ سے کیا اچھا کیا — یادگارِ عالم میں رہ جائیگی پر یہ داستاں

سب کہیں گے تو نیا ناول کوئی ایجاد ہے
شیخ کے ہاتھوں سے گھر اللہ کا برباد ہے

مہرباں من بھلا کیونکر نہ ہو دل کو قلق — کر دیا سینے کو سنگِ بدزبانی سے جو شق
یوں تو حضرت کو بہت کچھ ہے دعویٰ اسلام ہے — بیٹھ کر کعبہ میں سیکھا کافروں کا سا سبق
دور ہی یہ امر تو اسلام کی تہذیب سے — خلق سکھلاتا ہے ہر انسان کو قانونِ حق
شرع کی ایسی نہیں پاکیزہ کوئی بھی کتاب — قابلِ تحریر آبِ زر ہے اس کا ہر ورق
خوانِ نعمت ہے یہ ہر اک کافر و دیندار کو — اپنی شیرینی سے ہوتا ہے طعامِ ہر طبق
جب سُنی تقریر یہ پُر جوش اُس بدمست کی — تھا عروسِ صبح کی مانند رنگِ شیخ فق

بسکہ کچھ باقی نہ تھی تاب و توانِ گفتگو
شرم سے اپنے عرق میں غرق تھا بے آبرو

کہہ کے یہ پھر چل دیا سوئے حرم وہ جانِ عشق — شوق کی زنجیر تھی پھر سلسلہ جنبانِ عشق
شوقِ لیلا میں وہ مجنوں پھر بیاباں گرد تھا — جادہ پیما وہ ہوا پھر سوئے بستانِ عشق
کرتا جاتا تھا نیستاں میں وہ مثلِ نے نوا — سازِ گویا تھا سراپا وہ پُر ارمانِ عشق
بسملوں کی سی تڑپ پیدا تھی اسکی چال سے — دل کے زخمِ تیز ہیں تھا وہ بیدردانِ عشق
نغمۂ رنگینِ اُلفت سے ترنم ریز تھا — پڑھ رہا تھا عاشقِ روئے صنم قرآنِ عشق
جب بڑی مشکل سے پہونچا منزلِ مقصود پر — اشکِ خوں بہنے لگا وہ بُلبلِ بستانِ عشق
حلقۂ زنجیرِ در سے سر کو ٹکرانے لگا — دردناک آواز سے کعبہ میں چلانے لگا

شہ عالم سے رو رو کر عرض کرتا بار بار — پٹکے بھوے میں یہ کہتا تھا کہ میں تم پر نثار

خسرو دین خدا شاہنشہ گردوں وقار — تم ہو محبوب خدا اور ہے خدا سے تم کو پیار

ایک عرض مدعا کیواسطے آیا ہوں میں — قبلۂ حاجات عالم حاجت ما را بر آر

آبرو دنیا میں اور محشر میں حاصل ہو مجھے — تاکہ جاؤں سرخرو ہو کر میں پیش کردگار

اس محلہ میں کہیں رہتا ہے اک شیخ حرم — میری جانب سے وہ اپنے دل میں رکھتا ہے غبار

اس کے دل میں ہے کدورت اور مرا دل صاف ہے — آپ پر تو حال سب کا ہے عیاں آئینہ وار

آپ سے کرتا بہت کچھ میں شکایت شیخ کی — پر گلہ کرنیکی عادت ہی نہیں ہے زینہار

زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست

در حق ما ہر چہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

یہ کہے جاتا تھا اور ملتا تھا سر کو خاک پر — شیخ کو اس حال سے جب رند وہ آیا نظر

کان دھر کے سن رہا تھا یہ بیان بے نوا — غور سے دیکھا اسے پہلے تو پھر پہچان کر

اس کے شانے کو ہلایا اور ہوا یوں ہم کلام — بیخودی میں تجھکو اپنی ہے نہ دنیا کی خبر

شیخ فرمانے لگا اٹھ تو سہی تو خاک سے — میری جانب کو نظر کر آنکھ اپنی کھول کر

خاک کے اوپر گہر افشاں ہوا وہ خاکسار — مت ستا اے شیخ مجھ کو جا تو اپنا کام کر

شیخ نے پھر بھی نہ مانا اور مکرر یہ کہا — یہ تو بتلائے مجھے تو کس طرح آیا ادھر

دیر سے آتے ہوئے دیکھا تھا میں نے تجھکو آج — نام سے تو اپنے اے مرد خدا آگاہ کر

تب کہا سر کو اٹھا کر خاک سے اس رند نے — بندۂ آزاد ہوں کوئی ٹھکانا ہے نہ گھر

دیر میں ہر صبح کو کعبہ میں ہوں ہر شام کو

کہتے ہیں آرشل زمانے میں اسی بدنام کو

آغا غلام حسین ارشل
از پھلور

راز و نیاز

اے وہ ذات، جو سعیِ نامشکور کے بعد، مدرکات برہانی، حسیات استدلالی سے گذر کر کہیں تو بہ ہی جا گزیں معلوم ہوتی ہے، کیا فی الحقیقت تو کہیں ہے؟!

جب ہماری ناکام عرق ریزیاں، ہماری بے سود جانفشانیاں، ہماری پامال جستجوئیں، ہم کو ہماری مقدار وہستی سے آشنا کر دیتی ہیں، تو ہماری مایوس گردن، ہماری مضمحل آنکھیں، بے اختیار اوپر اٹھ کے، کیوں استقراء تسلی چاہتی ہیں؟ جب ہم اپنے تراکم جستجو میں کھو کھو جاتے ہیں، جب ہماری تمام کوشش جملہ فرسودہ تدابیر ایک ایک کر کے ہماری آنکھوں کے سامنے خاک ہو جاتی ہیں، تو وہ کیا چیز ہے جو ہمکو اذعانی تسلیاں دیتی ہے؟

کیا یہ بھی ردِ عمل (Reaction) ہے؟

تو ایک وجود ہے، جو معرفات کی قدرت سے باہر حیطۂ تطابق سے دور اور کہیں کا بر اجنے والا ایمن نشین ہے: مگر جو کچھ بھی ہو، جہاں کہیں بھی ہو، یہ جانتا ہوں، کہ تیرا چہرہ آرزوؤں کے نقاب، تمناؤں کے حجاب سے چھپا ہوا ہے، اس لیئے جب ہم اپنی تمناؤں اور التجاؤں کے تکاثر کا خیال کرتے ہیں، تو تیرے حجابات کا احصار سخت دشوار ثابت ہوتا ہے؛ ان سب کو مٹا دوں، تو تیری حضوری، تجھکو بے نقاب دیکھنے کی آرزو پوری ہو؛ مگر پھر سوچتا ہوں کہ جب کوئی حسرت نہ رہی اور پھر تو ملا تو کیا؟ آہ، تجھ سے ملنے کا لطف تو جب تھا، کہ تو ہوتا، میں ہوتا، تمناؤں کا محشر، آرزوؤں کا متلاطم طوفان میرے ساتھ ہوتا، ایک ایک کر کے، تیرے سامنے پیش کرتا جاتا، اور

صدمات اور حسرتوں کی داد لیتا جاتا :-

تیرے سامنے عرب کا وہ منظر پیش کرتا، جب ریگستان کی باد سموم خلاصہ کائنات کے جگر گوشہ کا حلق فرط تشنگی سے خشک سے کئے ہوئے تہی، اور محض تیرے نام کے اعلا کے لیے، معہ تمام مقدس خاتونوں، اور معصوم بچوں کے اوس صحرا میں بے یار و معین کمر بستہ تہے! آہ بہکو وہ وقت یاد دلاتا اور سوال کرتا، کہ کیا ایک معصوم بچے کا تشنگی سے بیتاب ہوکر، تجہہ سے پانی اور وہ بہی صرف دو گہونٹ، طلب کرنا، یہی جواب چاہتا تہا، کہ ایک تیز تیر اوس پاک حلقوم سے چند خشک قطرے خون کے نکالکے، اوس تشنہ کام کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردے. کیا تیرے نام پر قربان ہونے والوں کا یہی حشر ہونا چاہیے؟ کیا تیرے پر صداقت، بے ریا پرستاروں کے لیے یہی صلہ مقرر ہے، کہ ایک ایسا پر حصانت وجود جس پر خود تجہے فخر ہو، یوں بے آب و دانہ، تیرے اعدا کی دہار دار تلواروں، آبدار خنجروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے؟ تجہہ سے پوچہتا کہ کیا امہات المومنین کی بیکسانہ التجا، زار و نزار حالت، عریانی و پریشانی تیرے رحم و کرم کو جوش میں لانے کے ناکافی تہی؟

تجہہ کو بہری برسات کی ایک طویل و تاریک شب کی یاد دلاتا، جب فرشتہ رعد اپنی پوری آواز سے تیری تسبیح کر رہا تہا، اور دریا کا سیل ایک جہونپڑی کو بڑہ بڑہ کے تباہ کرنا چاہتا تہا. ایک غریب فاقہ زدہ بڑہیا، جو اپنے پہٹے ہوئے کپڑوں کو بار بار نچوڑ کر ایک کونے میں دبک کر، اپنی سار‌ی جسمانی کلفتوں کے مقابلہ میں، سب سے زیادہ اس شبا پر رو رہی تہی کہ جو آدہ سیر جو کا آٹا ایک آدہ گیر اوسکو دیگیا تہا، ہائے، وہ بہی بہ گیا! اپنی اس مایوسی میں تجہہ کو یاد کر رہی تہی، تیری مدد چاہتی تہی، اپنے رعشہ دار ضعیف ہاتہہ تیری طرف

بلند کرکرکے تجھ سے کچھ التجا کرتی تھی، بار بار آنسو پونچھتی ہوئی تجھ سے کچھ کہتی تھی؛
آہ، میں ضرور تجھ کو یہ باتیں یاد دلاتا اور پوچھتا کہ کیا طوفانی رات کے شور تلاطم
میں اوسکی آواز تجھ تک نہیں پہونچی، کیا اُس کے زاری والحاح کا نتیجہ یہی تھا کہ
مجھکو اوس کی لاش جانورانِ صحرائی کے کام آئے؟

غرضکہ، یونہی اپنے مجنونانہ حرکات و ہذیانات سے تیرے سمجھنے کی، تیرے
خرامدانی کی کوشش کرتا؛ مگر افسوس ہے تیرا مطلب ربانی، بے دلی چاہتا ہے
سینہ کو آرزوؤں سے خالی، قلب کو تمناؤں اور قوت احساس سے معرّا کرلو
تو تو ملے، کیوں؟ یہ ممکن ہے، مگر تو ہی اپنے آفتاب کے منع کردے کہ صبح شام کا اپنا
کندنی لباس ترک کردے، ماہتاب سے کہدے کہ اپنی خنک، رام شگرانہ رفتاری
مجھ میں انجذاب نہ پیدا کرے، گلوں کی شگفتگی، بلبل کی شیفتگی میرا دل نہ دکھائے
غنچوں کا تبسم، طیور کا ترنم، میری رگِ جاں کو نہ چھیڑے، سبزہ کی فراوانی، شبنم کی
غلطانی مجھے بیتاب نہ کرے، ہوا کی متانت، پہاڑوں کی استقامت مجھکو متاثر
نہ کرے، دریا کی روانی، بہار کی پُر ہیجانی میرے دلپے آزار نہ ہو؛ اپنی قدرت کی بوقلمونی
کو محدود بلکہ مسدود کر، تجھ کو اگر میرے تاثرات کی شکوہ ہی، تو مجھکو تیری ساری کائنات سے ہی
گلہائے تصویر بنائی کہ اگر تو نے بنایا ہے، تو اوس کی نکہت کو منتشر ہونے دے اور خفتگانِ نقش
فانی کو اگر بیدار کیا ہے تو ان کو نثار ہو جانے دے، سریع التاثری قلب دیا ہے تو میری
حرکات مذبوحی کو قابل تعزیر نہ سمجھہ۔"

میں جانتا ہوں کہ تیری جلوہ گاہ، اس تیری بزم رنگین میں میرا وجود ہی کیا، لیکن
کشتگانِ ادا کی صف اولیں کا جائزہ تجھے تبلادے گا، کہ تیری تابشِ جمال پر جان دینے
والوں میں ایک ایسا شکستہ ناخن جو دیہی تھا، جسکو تو نے تراکم ہدایا میں نظر انداز کر دیا؛ گو
تجھے میرا خیال نہو، لیکن یہ تو سمجھ گیا کہ تیرا لطف عطایا، تیرا امتنانِ مرحمت آخر تیرے ہی

ایک نیچرل شاعر کا مرثیہ

کریں کیا شکوۂ بیداد جب دل ہو نہ قابو میں لگائیں اس سے دل ہی کیوں نمود حسن کے پہلو میں
شکایت ان جفاؤں کی ہو کیا داخل ہوں جو خو میں کسی امید پر کیوں اِن اہل جہاں ڈھونڈیں
اسی امید نے انسان کو ڈالا ہے مشکل میں
امیدوں کی کریں پرورش کیوں خانۂ دل میں

مزے پوچھے کوئی شاعر سے اطمینان خاطر کے جھکی آنکھیں نہ جس کی عمر بھر شاہ و شہنشہ سے
نہ سر نیچا کیا جس کا کسی کے بار احساں نے نہ ہرگز لے گیا حاجت کسی ذی روح کے آگے
نہ تھا عجز و ندامت کا گزر بھی طبع اصلی میں
نہ تھا حرف خوشامد داخل اس کے روزمرہ میں

تمدن کا تھا دشمن شہر و آبادی سے وحشت تھی بنی آدم کی صورت سے ہمیشہ اس کو نفرت تھی
اسے صحرا سے دلچسپی اسے چڑیوں سے الفت تھی نشست اس کی لب دریا پہاڑوں میں سکونت تھی
شراب بیخودی سے رات دن سرشار رہتا تھا۔
صدائے نے سے اسکی دشت بھی گلزار رہتا تھا

ہوائیں کان میں جب موسم گل کی خبر دیتیں صفائے آسمان اور سبزیاں ذوق نظر دیتیں
صدائیں کوئلوں کی جوش سے جب دل کو بھر دیتیں صبا کی شوخیاں بڑھ بڑھ کے جب بے چین کر دیتیں
تو پھر اونچے سروں میں جھوم کر تانیں لگاتا تھا
غضب کی لحن میں برجستہ کچھ اشعار گاتا تھا

نہ واں بھی اڑاتا کوئی سر کا واہ وا کر کے مگر ہاں دل بڑھاتے تالیاں پتے بجا کر کے
اسے محظوظ کرتیں قمریاں پیڑوں پہ گا کر کے بلائیں تتریاں لیتی تھیں سر پر اسکے آکر کے

کبھی تو کوک کر کوئل مبارک باد دیتی تھی
کبھی بلبل چہک کر شاخ گل پہ داد دیتی تھی

پپیہے کی کبھی آواز سے دھنتا تھا سر اپنا
کبھی گاتا ترانہ سرو اور قمری کی الفت کا

گل و بلبل کی گاتا تھا عروسی کا کبھی سہرا
صبا کی دیکھ کر غنچوں سے چھیڑیں دیکھ کر ہنستا

غرض آغوش قدرت میں ہمارا نیچرل شاعر
یوں ہی ہنس کھیل کر بیچارہ اک دن مر گیا آخر

پرندوں نے اٹھایا شور ماتم سے فلک سر پر
کیا رو رو کے اپنا حال شبنم نے بہت ابتر

سر میدان پڑی یوں ہی رہی وہ لاش بے چارہ
کسی نے ہر نے الدین دفن کرو اللہ ترس کھا کر

گراں تھا بار احسان اس کی گردن پہ بس مدفن
برابر ہو کے سطح خاک سے پھر مل گیا مدفن

خدا بخشے اسے۔ وہ خانہ صحرا کا تھا دولہا
دلہن اس کی تھی قدرت حسن کا جس کے تھا دل شیدا

پری پیکر نظر آتا تھا اس کی آنکھ میں سبزا
کہ کوئی حور تھی پہنے ہوئے اک جنتی جوڑا

تماشا اس کی مے تھی۔ دیدۂ عبرت تھا جام اس کا
وہ تھا اور رات دن نظارہ آشامی تھا کام اس کا

ملی ہے شاہد قدرت کی مٹی میں جوانی اب
لٹا اس کا سہاگ اور چل بسی سب شادمانی اب

وہ گل کی زینت و رونق ہوئی ساری کہانی اب
کرے گا کون اس کے حسن کی وہ قدر دانی اب

اسی سے داغ ہے لالہ کا دل غنچوں نے خوں تھوکا
رواں بلبل کی آنکھوں سے ہی اک دریا ہے آنسو کا

وہ ندی جس میں اپنے پاؤں لٹکا کر بیٹھتا دن بھر
ابھی تک چومتی ہے اس کے تلوے پانی بہہ کر

وہ طائر بیٹھ کر جنہیں پڑھا کرتا تھا شعر اکثر
وہی اب لوریاں دیتے ہیں گا گا کر بچشم تر

نسیم صبح سی دایہ۔ وہ اس کی چھیڑ وہ چہل
ابھی تک جھلتی ہے پنکھا وہ لیکر ہاتھ میں بکل

علم الاقتصاد

یا

موجودہ تہذیب

(گذشتہ سے پیوستہ)

گزشتہ مضمون میں اس علم کی مختصر تعریف اور زمانہ موجودہ میں اس علم کے رواج عام کی ضرورت بیان کر چکے ہیں۔ نیز یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں ابھی تک اقتصادی بیداری بہت کم ہے اور اس کا سبب بہت کچھ ہمارے پرانے قناعت کے خیالات اور حتی المقدور اپنے آپکو عیش و آرام میں رکھنے کی عادات ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس علم کو ملک میں عام طور پر رواج دینے کی کیا کیا تدبیریں ہیں اور وہ تدبیریں کہاں تک ممکن العمل اور مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

تجربہ اور مشاہدہ دو بڑے گر ہر چیز کے حاصل کرنے کے ہیں۔ یہاں خدا کے فضل سے دونوں کے لیے بہت بڑا میدان ہے بشرطیکہ اس علم کے ماہر عوام کو ٹھیک راستہ پر چلانے کی کوشش کریں۔ دیگر متمدن ممالک کے تجربہ اور مشاہدہ کے حالات اظہر من الشمس ہیں۔ ساری دنیا گواہ ہے کہ جن ایجادوں کو سنکر یا دیکھ کر ہم خواب خرگوش میں پڑے رہنے والے حیرت کے مارے آنکھیں کھولے رہ جاتے ہیں وہ سب دوسرے بنی نوع انسان کی برسوں کی لگاتار محنت اور سالہا سال کے تجربہ اور مشاہدہ کے نتیجے ہیں +

قدرتی ذرائع پیداوار میں تو یہ ملک کسی سے پیچھے رہنے والا نہیں۔ تمام غیر ملکی قوموں کے دندان آز ہمیشہ اسپر تیز رہے کیونکہ سونے کے ڈلے اور ملک بھی

ہوں گے لیکن اٹھارہ انیس سو میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا کوئی ڈلا نہ ہوگا۔ زمین ہے کہ زراعتی پیداوار سے مالا مال ہے۔ دریا اور نہریں گو اس قابل نہوں کہ ان میں جہاز رانی یا کشتی رانی بآسانی ہو سکے لیکن آب رسانی کے لیے بے حد مفید۔ ہر قسم کی آب و ہوا موجود ہر قسم کی زمین کے قطعات کی کمی نہیں۔ ایک افریقی کو راجپوتانہ کے بیابان میں چھوڑ دو بالکل اپنا وطن معلوم ہوگا۔ ایک عرب سندھ میں جا نکلے سو عرب کا نقشہ آنکھوں میں پھر جائے۔ شملہ اور نینی تال انگریزوں کو انگلستان کی یاد دلاتا ہے اور شاید چیرا پونجی کی بارش کے سامنے تو وہ اپنے ملک کے آئے دن کے بادل اور بارش برسنے ہی کو غنیمت سمجھیں۔ ایک چینی برما میں کچھ زیادہ اجنبی نہیں معلوم ہوتا۔ تو ایک افریقہ کا حبشی اور وحشی بھی گونڈوانہ کے بھیل سے اپنے آپ کو وحشت میں کچھ زیادہ نہ سمجھیگا غرض اس بر اعظم میں سب قسم کے آدمی موجود ہیں بیسیوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لاکھوں کروڑوں من غلہ پیدا ہوتا ہے اس کے علاوہ سونا چاندی کوئلہ وغیرہ کی کانیں بھی ہیں صنعتی پیداوار کے لیے بھی سامان بکثرت ہے بشرطیکہ حوصلہ مند اور جفاکش لوگ اس کے استعمال پر کمر بستہ ہوں +

صنعتی پیداوار جس کا ابھی ذکر آیا اسے ہم قدرتی پیداوار سے ایک طرح سے علیحدہ بھی کر سکتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ سب کچھ قدرت نے پیدا کیا ہے لیکن جبتک حضرت انسان اس میں کتر بیونت نہ کریں اور اپنی طرح طرح کی ضروریات کے پورا کرنے کے مطابق نہ بنائیں نری قدرت اتنا نفع نہیں دے سکتی۔ زمین قدرتی ہے لیکن اسمیں بیج ڈالنا وقت پر کھاد پانی وغیرہ کی خبر لینا اور پختہ فصل کاٹ کر اپنے کام میں لانا۔ یہ کام انسان کا ہے۔ پھر بھی اسے قدرتی پیداوار کہہ سکتے ہیں لیکن زراعتی پیداوار اور کانوں سے برآمد شدہ مادوں کے سوا اور سب کو

ہم مصنوعی پیداوار کی فہرست میں داخل کریں گے اور یہ مصنوعی پیداوار ہی ہے
جس نے تمام دنیا کی توجہ اپنی طرف کھینچ رکھی ہے اور علم الاقتصاد کا بھی بڑا موضوع
یہی ہے۔ اگرچہ زراعت وہ چیز ہے جس پر حضرت انسان کی پہلے پہل توجہ ہوئی
اور ابتک تمام دنیا کا گذارہ اسی پر ہے پھر بھی اس میں قدرت کچھ زیادہ انسان سے
مغلوب نہیں ہوئی۔ بیسیوں [illegible] ایجاد ہوئے لیکن جتنی زیادہ انھوں نے
پیداوار دکھائی اس سے زیادہ خرچ اس کے استعمال میں ہوگا۔ نتیجہ یہ کہ ابتک
وہی پرانے طریقے زمین کو جوتنے بونے کے چلے آتے ہیں۔ باوجود بہت سی
کوششوں کے زمینی پیداوار میں کچھ بہت فرق نہیں نکلا۔ برخلاف مصنوعی پیداوار میں
گذشتہ [illegible] ابتدا کے [illegible] ہزار کا فرق ہو گیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ گو ہم نے [illegible] زمینی پیداوار کے [illegible] بڑھانے میں
کچھ زیادہ قدرت حاصل نہیں کی لیکن جن چیزوں میں وہ قدرت کا زیادہ محتاج
نہیں ان میں اس نے بڑے بڑے ہاتھ دکھلائے ہیں۔ انسان سونے کی کانیں
پیدا نہیں کر سکتا۔ ہاں جو پہلے ہی سے موجود ہیں اور ابتک دریافت نہیں ہوئیں وہ
ممکن ہیں کہ کبھی نہ کبھی دریافت ہو جائیں لیکن جب اس کے پاس سونا آگیا پھر وہ
اس سے بہت سے کام لے سکتا ہے۔ مختلف اوزان کے سکے اور طرح طرح کے
زیورات اس کی مثال ہیں۔ اور لوہا اور کوئلہ تو گویا آجکل بہت سے ملکوں کا اور
خصوصاً انگلستان کا رزق رساں ہے۔ اور ایک طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ
بھی صنعتی ترقی ہوئی ہے وہ انہی دونوں کا ظہور ہے۔ انگلستان کو بعض اوقات
اس وقت کا خیال کرتے جو پھریری سی آجاتی ہے کہ جب انگلستان کی تمام
کانوں کا کوئلہ ختم ہو جائیگا تو کیا ہوگا وہ اس امر پر دال ہے کہ کوئلہ سے کیا کیا
کام آجکل نکل رہے ہیں اور جس چیز کو ہم ایسا سمجھتے ہیں کہ جس کی دلال میں بھی

ہاتھوں کے سامنے منہ ہی کالا ہو ان گوری اقوام کا کس قدر مرہون منت ہے چاہے
زرد رو سونا اور سفید رنگت چاندی کتنی ہی اپنی برتری کی شیخی مارے لیکن
سچ تو یہ ہے ان دونوں کالے کوئلے اور لوہے نے ان کا منہ سیدھا رکھا ہے
سونا اور چاندی کہے سکتے ہیں کہ دولت کا اطلاق دراصل ہمیں پر ہوتا ہے اور اسلئے
تمام اقتصادی ترقی ہمارے ہی دم سے ہے اور علم الاقتصاد کا منشا یہی ہمارا مطالعہ
ہے یا ہونا چاہیے لیکن بصورت یکمیں تو ان کا یہ دعوی خواہ کتنا ہی زبردار
ہو لیکن اقتصادی ترقی کی رو سے لوہے اور کوئلے کا پلڑا ہی جھکتا ہوا نظر
آتا ہے۔ آج کل تو جو کچھ ہے انہی کے دم سے ہے۔ جن قوموں کے پاس
سونا چاندی ہے لیکن لوہا اور کوئلہ نہیں ان کا سونا چاندی آج نہیں تو کل ان کے
پاس کھنچکر چلا جائیگا جن کے پاس لوہا اور کوئلہ ہیں اور ان کا استعمال بھی جانتے ہیں
یہ امر واقعہ سے ظاہر ہے لہذا دراصل علم الاقتصاد کا موضوع لوہا اور کوئلہ ہیں نہ کہ سونا اور چاندی
چونکہ یہ علم بہت وسیع ہے گویا تمام دنیا کی مادی ترقی سے تعلق رکھتا ہے لہذا چار چار یا پانچ پانچ
صفحے کے دو تین مضمونوں میں اگر سارے کا سارا مطلب حل نہ ہو تو امید ہے کہ ناظرین صبر نمونگے۔

استادان علم الاقتصاد نے اس علم کے مطالعہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے
پروڈکشن یعنی پیداوار۔ کنزمپشن یعنی استعمال۔ ڈسٹری بیوشن یعنی تقسیم۔ ایکسچینج
یعنی تبادلہ۔ ہر حصہ مطالعہ پر اپنی اپنی جگہ کافی بحث کیجائے گی۔ اس وقت صرف
اسقدر لکھنا کافی ہے کہ ہر حصہ بجائے خود بہت اہم ہے اور طرح طرح کے پیچیدہ
مسائل ہر ایک سے وابستہ ہیں۔ چاروں حصے آپس میں ایک دوسرے سے اسطرح
سے ملے ہوئے ہیں کہ کسی ایک حصہ کا مطالعہ بغیر باقی حصوں کے مطالعہ کے کوئی
زیادہ مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اگلے سلسلہ میں ہم انشاءاللہ ترتیب وار تشریح
کے ساتھ لکھیں گے۔ تمہید تو بہت بیان ہو چکی۔ فقط

(محمد نصیر الحق۔ قریشی بی اے)

کب تک

مسلمو دیر اب بھلا کب تک — لیڈروں کی یہ التجا کب تک

کام ہے یونیورسٹی کا بہت — منہ تکے کوئی آپ کا کب تک

قوم کی خود ہی کچھ کرو خدمت — لب پہ ہر دم خدا خدا کب تک

کام کچھ اپنی قوتوں سے نہ لیں — اور رہیں قسمت آزما کب تک

اپنے امکان تک تو سعی کرو — شکوۂ بخت نارسا کب تک

وقت دو بار کھو دیا تم نے — دیر کی بھی ہے انتہا کب تک

وعدہ لاکھوں کا کر چکے ہیں آپ — کیجئے گا نہیں وفا کب تک

ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو دیدو — جھینپیں یہ قوم کے گدا کب تک

طعن دینے لگے ابھی سے غیر — جوش پر آئیگی حیا کب تک

کر لیا جمع فنڈ غیروں نے — آپ کا وقت آئیگا کب تک

کر دکھاؤ جو کہہ رہے ہو تم — یہ زبانی ہے ادعا کب تک

آگیا وقت پھر بھی ہو خاموش — یوں ہی بیٹھے سو گئے کیا ہو کب تک!

دیتے بھی جاؤ بھائیو جو ہو — دیں گے قومی گدا صدا کب تک

رشک اغیار بھی کریں پھر — وہ گھڑی آئیگی خدا کب تک

بس زباں اپنی روک لو عابد

کہے جاؤگے برملا کب تک

قاضی زین العابدین عابد

فلسفۂ قدیم و جدید کے ایک پہلو پر سرسری نظر

دنیا کی مختلف اقوام کا آفتاب ترقی چمکا اور ڈوب گیا مگر زمانے کی آنکھہ نے اوس کے نور کو تاریکی سے کچھہ ایسا بدلا کہ بابل و مصر، ایران، ہند کی سرزمین پر ہم بہتیری ٹکریں مارتے ہیں۔ ان کی ایک ایک اینٹ کو اوٹھا کر دیکھتے ہیں مگر اچھی طرح سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ ترقیاں کیا تہیں اور کہاں تہیں، صرف یونان و روم دو خطے ایسے ہیں کہ ان کی اوگلی ہوئی اولاد کے کارنامے آج ہمارے پاس موجود ہیں۔ روم کی جنبش تیغ کی داستان ہم کو یاد ہے۔ لیکن آجکل تیغ کا نام زبان پر لانا جرم ہے کجا یہ کہ اوس کا ذکر کیا جائے اس لیئے ہم اوس کے بیان سے اپنا دامن بچاتے ہیں اور اس لیئے بھی کہ مضمون زیر بحث سے اوسکو مطلق علاقہ نہیں۔ یونان کے دماغ کی جولانیاں کسکو معلوم نہیں۔ ہمارے ہاں کا تو بچہ بچہ اوسوقت سے جبکہ اوس کی عمر ابھی قاعدہ ابجد کے شمار سے بھی فارغ نہیں ہوتی۔ فلاطون اور ارسطو کے نام سے مانوس ہو جاتا ہے اور وہ بد کے موقعہ پر کبھی دوسرے بچے سے بطور ڈانٹ کے یہہ کہتا ہے "بڑے تو تنی اُڑ فوں کیوں کرتا ہے۔ کیا تو افلاطون کا بچہ ہے" حقیقت یہ ہے کہ یونان کی وادیوں کے رہنے والوں نے بلند خیالات کی ایسی بوچھاڑ کی کہ اس کے سیلاب نے برطانیہ اعظم کے ساحلوں سے بحر چین کی موجوں تک ایک ڈل کو سرسبز و شاداب کر دیا۔ ہندوستان میں جس شے کو فلسفہ قدیم کہتے ہیں وہ فلسفہ یونان ہے۔ مسلمان اور دیگر قوموں کے ہاتہہ میں آنے سے اسکی کچھہ کچھہ ہیئت بدل گئی مگر اصلیت اوس کی جو تہی وہی رہی۔ اس لیے یہ یاد رکھنا

چاہیئے کہ ہم جہاں کہیں فلسفۂ قدیم کا ذکر کریں اوس سے فلسفہ یونان سمجھا جائے

لفظ فلسفہ کے اور جھگڑوں سے بچکر سب سے اوّل ہم یہہ بتانا چاہتے ہیں کہ اوس کا اصلی مقصد کیا ہے موجودہ اور گذشتہ دونو زمانے اسپر متفق ہیں کہ فلسفہ کا کام دانائی کی تعلیم اور صداقت کا انکشاف ہے۔ اس کے مختلف پہلو ہیں ہیں اپنے اس مضمون میں صرف اس پہلو سے غرض رکھونگا جسکو ایک سوال کی شکل میں رکھیں تو یہہ ہوگا۔ کہ ہم کو مختلف علوم و فنون سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہیئے اور اس سوال کا جواب حال و ماضی دونو کی زبان سے سناؤنگا

ایجادات انسانی میں سب سے زیادہ مفید حروف تہجی (alphabet) کی ایجاد ہے، مگر یونان اُس کی نسبت بے اتفاقی کی تلقین کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ تعلیم و تعلّم میں حروف کا استعمال ایسا ہی ہے جیسا چلنے کے لیے گڈ ونے یا تیرنے کے لیے تونبوں کا۔ ایک بچہ اگر پندرہ بیس سال تک گڈونے کے سہارے سے چلتا رہے تو اوسکی ٹانگیں اور متعلقہ رگ پٹھے بیرونی مدد کے بغیر پھر کام نہ دے سکیں گے اور نہ اس کے جسم میں اپنے وزن کو تولنے کی طاقت باقی رہے گی بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے گڈونے کا محتاج ہوجائیگا بس یہی اثر قواے دماغی پر حروف کی امداد کا پڑتا ہے۔ حافظہ بالکل کمزور اور ادراک سست ہوجاتا ہے۔ جب صورت یہہ ہو کہ ضرورت کے وقت جو چاہا کتاب اُٹھا کر دیکھ لیا تو معلومات اور حقائق کو ذہن میں محفوظ رکھنا اوّل اوّل تو انسان غیر ضروری سمجھنے لگتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس کام کے ناقابل بن جاتا ہے اور یہہ تو اس کے قابو سے ہی باہر ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے حافظہ سے کوئی حیرت انگیز نتیجہ پیدا کر سکے۔ اگر حروف تہجی کی یہہ خارجی مدد ذہن و حافظہ کو نہ پہونچی تو اون کو جبرًا ہم آہستہ آہستہ ترقی دیکر ایک ایسی حالت پر

لیجاتے جو کتابوں کو بالائے طاق بٹھا دیتی اور اون کے سامنے جو کچھ آتا وہ اُن کا
ہو جاتا اب تو یہ کیفیت ہے کہ علوم و فنون کاغذ پر چھپے ہوئے ہیں اور ذہن پر انکا
نقش گویا نقش بر آب یا سایۂ بر دیوار ہے سچ تو یہ ہے کہ وہ شخص جو اپنے آپکو
تعلیم یافتہ کہتا ہے وہ در اصل تعلیم یافتہ نہیں ہے سبکہنے کو جو چاہے کہے۔

اس طرح قدیم فلسفہ نے حروف تہجی کو دماغی قوتوں کے واسطے مضر بتایا
اور کوشش کی کہ ان کا استعمال دب جائے۔ لیکن فلسفہ جدید اپنی الگ
داستان سناتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قوت حافظہ بغیر امداد تحریر کسی مفید علم کو
ہرگز ترقی نہیں دے سکتا۔ وہ اسبات کو تو تسلیم کرتا ہے کہ کوشش سے حافظہ
عجیب و غریب کام کر دکھا سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اون کی قیمت کیا ہے
کچھ بھی نہیں۔ اور جو شے بنی نوع انسان کے لیے کوئی قیمت نہ رکھتی ہو اُس کی تمنا
کرنا یا اوس کے حاصل کرنے کی سعی کرنا ایک حماقت ہے۔ کیا جاہل اور کیا عالم
سب پر روشن ہے کہ ترقی علوم کا چڑھاؤ کس زور پر ہے اوّل تو یہ امر مشکل بلکہ
ناممکن سے بعید نہیں کہ ایک دماغ صرف ایک ہی فن کی جملہ معلومات کو اوس
حسن و خوبی اور اُس ترتیب کے ساتھ جو قید کتاب میں آکر اس میں پیدا
ہو جاتی ہے اپنے ذہن میں ہرگز کسی طرح جمع کرلے۔ دوم یہ کہ بفرض محال کر
بھی لیے تو اسبات کا بڑا کھٹکا ہے کہ وہ معلومات کسی دوسرے ذہن تک کامل
طور پر پہونچنے سے پہلے موت کی ایک ہی پھنکار میں کہیں تہ خاک نہ ملجائیں
ایک نٹ جو بانس پر چڑھ کر ناچتا ہے یا اوسپر چت لیٹ کر چکر لگاتا ہے
اُس کا یہ کام بھی ایک کمال ہے اور اُس کے اعضا کی یہ بھی ایک عجیب
ترقی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس سے دنیا کو کیا فائدہ پہونچتا ہے۔ یہ جسمانی
کمال ہے اور حافظہ کی وہ ترقی ایک دماغی کمال۔ لیکن نہ یہ کام کا اور نہ وہ کام کا

یعنی جس کا جو دل چاہے وہ کہے *

اس کے بعد ہی علم یا فن طب پر دونو فریق کی رائے سنیئے پرانے کچھ کہہ گئے اور نئے کچھ کہتے ہیں۔ اول الذکر تو بعض حالتوں کے علاوہ اس فن کو سرے سے دور از کار یا بالکل مضرت رساں سمجھتے ہیں۔ فلاطن پرانے گروہ کا لیڈر تھا وہ اسباب میں یہ رائے رکھتا ہے کہ فن طب اگر کسی توجہ کے قابل ہے تو صرف اس وجہ سے کہ کسی مار گزیدہ یا پاؤں سکتے کو اچھا کر دے یا اتفاقیہ طور پر کسیکو کوئی مرض لاحق ہو جائے تو اوسکو دور کر دے۔ ورنہ وہ ایک ایسا فن ہے کہ اوسپر التفات کرنا دست بد کو توانا کرتا ہے۔ کیا دانشمندوں کے نزدیک وہ شئے توجہ کی مستحق ہے جو شباب کے بگڑونکی خبر لے۔ جو عیاشوں کے عیش میں مدد دے۔ جو اُس وجود کو فنا کے ہاتھ سے بچائے جس کا دل و دماغ اُس کے افعال ذمیمہ نے دیمک بنکر چاٹ لیا ہو۔ جو آب آتش رنگ کے جلے پھیپڑوں پر غور کرے جو بسیار خوروں اور چٹوروں کو اپنے کیئے کا مزا چکھنے سے روکے جو مزمن امراض کی رفتار کو سست کر کے مریض کو ایک لمبی موت کا لقمہ بنائے نہیں۔ ہرگز نہیں! یہ لوگ تو وہ ہیں جو واقعی قدرتی سزا کے مستوجب ہیں جن کو اپنی حرکات ناستودہ کی پاداش ضرور ملنی چاہیئے۔ ورنہ انصاف کا خون ہوگا اور وہ لوگ جو قدرتاً کمزور طبیع نحیف و لاغر ہیں وہ جتنی جلد زمین کے شکم میں پہونچیں اوتنا ہی اچھا ہے۔ خود اُن کے لیے بھی اور دنیا کے لیے بھی۔ کیا فائدہ ہے ایسے لوگوں کے زندہ رہنے سے جو نہ میدان جنگ میں اوتر سکیں۔ نہ طاقتوروں کے مقابلہ میں اپنی اور اپنے متعلقین کی ہستی کو بچا سکیں۔ جو نہ امور خانہ داری کو انجام دے سکیں اور نہ سلطنت کے کچھ کام آسکیں۔ جو نہ فلسفہ و حکمت میں کوئی گہری نظر پیدا کر سکیں

اور جو غور و خوض سے گریز کریں - ایسے لوگوں کے لیے سب سے بہتر جو نسخہ تجویز ہو سکتا ہے وہ شربت مرگ ہے - اور بستر علالت سے اوٹھا کر ان کو کنار لحد میں سلانا ان کے لیے بڑا مفید ہے +

لیکن نہایت مختلف ہے موجودہ یورپ کی رائے - افلاطون کی یہ خواہش تھی کہ انسان کو کامل بنایا جائے ہمارے یوروپ کی یہ کہ انسان کو آرام پہونچایا جائے - کامل تو صرف خدا کی ذات ہے - انسان نہ تو کامل ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے جس طرح رب جلیل کا آفتاب سب کو ایک آنکھ دیکھتا ہے سفید و سیاہ دونوں پر چمکتا ہے جس طرح اوس کا مینہ نیک و بد دونوں پر برستا ہے جس طرح اس کے مراحم شاہانہ اس دنیا میں تقوی گذار اور ایک بدشعار دونوں پر یکساں اوترتے ہیں - اسی طرح جدید فلسفہ کا بازو نیک و بد دونوں پر پھیلنا چاہتا ہے - وہ کہتا ہے کہ فلسفہ انسان کے لیے نہ یہ کہ انسان فلسفہ کے لیے - ہر شخص فلسفی نہیں بن سکتا مگر ہر شخص تک فلسفہ کی مسرت بڑھانے والی اور درد و دکھ کم کرنے والی شعاع پہونچ سکتی ہے اور فلسفہ کا یہی اصلی مفہوم ہے - کیا افلاطون کی نظر میں وہ شخص جو لڑکپن کے زمانے اور بھولے پن کے سن میں بری صحبت کے اثر سے کسی بری عادت کا عادی ہو گیا ہو - اس لائق ہے کہ زندہ چنوا دیا جائے - کیا وہ شخص جو اپنے ماں باپ کی بے عنوانی کی بدولت کمزور دماغ پیدا ہوا ہو - اور جس کے سر میں ایسا غوجی کے مطالعہ کے وقت احساس درد ہو - مگر جو اقلیدس سے جام کی بک بک کا مطالعہ کر کے اپنے لبوں پر تبسم تڑپا رہا ہو - اس قابل ہے کہ ایک گڑھا کھود دے - اور اوس میں گھس جائے - اگر افلاطون کا فلسفہ بندگان خدا کے لیے قبریں تیار کرتا ہے تو بس سلام ہے ایسے فلسفہ

معراج الکلام فی کلام المعراج

"حضرت توفیق یعنے مولوی سید جلال الدین صاحب مہدوی حیدرآبادی"
"نے مختلف شعرا کے متفرق نعتیہ اشعار پر جو لاجواب خمسہ تحریر فرمایا"
"ہے وہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے"

"اس خمسہ نعتیہ سے جو حقیقی عظمت و جبروت محبوب خدا پیغمبر اسلام"
"صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ظاہر ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ قائل شاعر"
"کے دلی جذبات جو حسن بیان و بندش کلام سے مترشح ہیں بیحد اثر"
"پیدا کرتے ہیں کلام میں فصاحت و بلاغت کی موجودگی سے حضرت توفیق"
"کا خمسہ کہنے کی جو دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی پائی جاتی ہے تصریح طلب نہیں ہے۔" سید محمد

تجھی سے سلسلہ ملتا ہے شان احمد کا　　تجھی پر منتہی ہوتا ہے نقطہ دور سرمد کا
ہوا اٹھ کر یہ پردہ اٹھ گیا قید مقید کا　　محمد مصطفےٰ پتلا ہے تو نور مجرد کا
بنا خورشید اقلیم عدم سایہ ترے قد کا　　(محسن)

نہ ہوتا وہ اگر موجود تو معدوم تھے سارے　　کیا حق نے اسکو خلق پہلے نور سے اپنے
وہی ہے اک طراز اولیں نقشہ میں ہستی کے　　شروع دفتر امکاں میں بسم اللہ کے بدلے
قلم نے نام لکھا لوح پر پہلے محمد کا　　(امیر)

ہوا جس وقت فرط شوق میں دل آپکے باہر　　لگائے سدرہ کے گرد سواری سیکڑوں چکر
کبھی ہاتھوں کو جوڑا اور کبھی کچھ عرض کی ہنس کر　　رکابوں سے ملیں آنکھیں جھکایا سر کو قدموں پر
ملا جبرئیل کو رستہ میں کیا موقع خوشامد کا　　(امیر)

ہوا منظور جب اسکو بنانا تیری صورت کا　　تو کیں اوس نے ہزاروں سال تک آئینہ سازی کیا

ہوئے دید میں پہلا مرقع دہو دیا سارا ۔ مٹا ڈالیں بنا کر صورتیں آدم سے تا عیسےٰ

تب آیا راست نقشہ کلک قدرت سے تیرے قد کا (محسن)

ہٹا پردہ نہ آنکھ سے نہ چادر دوش سے سرکی وہی تھی برہمی گیسوئے مشکیں و معنبر کی

وہی جنبش جو تھی تا واپسی تھی حلقہ در کی گئے حضرت جہاں سے حضرت تھی گرمی بستر کی

قدم تھا ایک ہی گویا برآمد کا درآمد کا (امیر)

ہوا جو نور پہلے جلوہ گر علم حقیقی میں ملا علم اوسکو سب سے بیشتر علم حقیقی میں

اوسی کا نام تھا خیر البشر علم حقیقی میں ہوا آخر میں گو پیدا مگر علم حقیقی میں

محمد کو دیا حق نے سبق فیض محمد کا (شمسی مہدی)

عجب پائے ہیں اس نبی نے صفات خارج و داخل ہوئی ہے کسکو ایسی شان امکان و قدم حاصل

سوئے وحدت بھی راغب جانب کثرت بھی مائل ادہر اللہ سے واصل ادھر مخلوق کا شامل

خواص اوس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا (شہیدی)

رشادت اہل ایماں کو ہوئی حاصل ترے در سے شفاعت آب رحمت بن کے ٹپکی دامن تر سے

اوٹھا شام ضلالت کا عمل ہر مرز و کشور سے گھٹی ظلمت بڑھی صبح ہدایت اوج خاور سے

جو چمکا مہر رخشاں تیرے ارشاد محمد کا (شمسی مہدی)

اوسکی پرتو رخ سے فروغ دست موسیٰ ہے اوسی کے دم سے جاں بخشی انفاس مسیحا ہے

وہی دیباچہ تقویم خلق دین و دنیا ہے وہی اربع کتاب آسمانی کا خلاصہ ہے

وہی مصدر ہے بیشک اس باعی مجرد کا (بحر)

ہوئی جس وقت منظور نظر بے پردگی اپنی تو نکلا جلوۂ حسن ازل سے بنکے شیدائی

نکالی آپ اپنی دید بازی کی سبیل اچھی خدا نے زیب و زینت کی جو بزم آفرینش کی

لگایا اوس میں قد آدم آئینہ تیرے قد کا (محسن)

یہ تھی مرضی کہ تجھ پر ختم آغاز رسالت ہو یہ تھی خواہش کہ تجھ پر منحصر اتمام حجت ہو

یہ تھا منشا کہ حاصل تجھکو فخر جامعیت ہو　　یہ تھا منظور رفتہ رفتہ تکمیل نبوت ہو
خدا نے منتظر رکھا جو تیری آمد آمد کا　　**محسن**

نہ ہوتا کچھ اگر تاباں نہ ہوتا نور جاں تیرا　　بہار روضۂ ہستی ہے رنگ بوستاں تیرا
مکین لامکاں ہی تو مکاں ہے لامکاں تیرا　　مدار خلقت ارض و سما ہے آستاں تیرا
وقار عزت لولاک تمکیں تیری مسند کا　　**شمسی مہدی**

تکون تیرے انوار قدم کا ایک ذرہ ہے　　تکون تیرے آیات کرم کا ایک آیہ ہے
تقدس لوح عصمت کا تری اک نقش زیبا ہے　　تقدس شکل تنزیہی کا تیری ایک جلوہ ہے
تجرد ایک پردہ تیری تشبیہ مقید کا　　**ایضاً**

توہی ہے مصدر ایجاد ہر شی تجھسے مشتق ہے　　بہار حسن جاں پرور سے تیری سب کو رونق ہے
ترا سایہ حقیقت میں سراپا سایۂ حق ہے　　ترا ظاہر نظر میں پردۂ تشبیہ مطلق ہے
ترا باطن اک آئینہ ہے تنزیہہ مجرد کا　　**ایضاً**

نگاہ تیز رو پہنچی نہ بڑھکر تا سر و لماں　　ہزاروں سال کی تاخیر تھی اک جنبش مژگاں
قدمبوسی کا دل میں نقش پا کے رہ گیا ارماں　　قدم سے کیا ہی تیز آئی سواری جانب امکاں
نہ پہنچا ساتھ آخر رہ گیا سایہ وہیں قد کا　　**اسیر**

مہ و انجم نے جس کے سامنے کی تھی جبیں سائی　　ہوئے آدیدہ مدت تک رہی یعقوب کو جسکی
زلیخا نے جو خواب اولیں میں شکل تھی دیکھی　　نہ تھا کوئی مگر تھی ایک تجلی نور احمد کی
لقب تھا یوسف یعقوب جس حسن مقید کا　　**توفیق**

نگین خاتم ہستی ہے تیری جلوہ فرمائی　　نہ ہوتا تو تو ہوتا نقش ہستی حرف بے معنی
قدم اک صورت دلچسپ نظم مایۂ ہستی　　ازل اک شکل دلکش تیری لوح آفرینش کی
ابد اک رنگ زیبا تیرے ایوان مشید کا　　**شمسی مہدی**

ملا فیض قدم سے تیرے رتبہ آفرینش کو　　ترے مقدم کا ماتھا آیا بہانہ آفرینش کو

ترے قضیہ کا ٹھیرا نتیجہ آفرینش کو ۔۔ کیا جب قدرت خالق نے پیدا آفرینش کو

بنایا علّتِ ایجاد تجھکو دورِ سرمد کا ۔۔ شمسی مہدی

شبِ معراج میں مدت کے عقدے حل ہوئے سارے ۔۔ بڑھا سینے کو شوقِ وصل فرقت کے اُٹھے پردے

ملیں یوں ہم کماں کے جیسے دو گوشے ملے ایسے ۔۔ جگہ معشوق کو عاشق نے دی آغوش میں اپنے

کماں ابرو کا کھلا ایک سارہ رشتہ تمہید کا ۔۔ توفیق

نہیں کسطرح لمعاتِ قدم ذراتِ اکوانی ۔۔ نہیں آسان ردِ شکل اوّل جانبِ ثانی

نہ تھا ممکن کہ دیکھے نور اُجب چشمِ امکانی ۔۔ نظر بازی سے اوسکی کیوں نہ موسیٰ کو حیرانی

چراغِ طور پروانہ ہے جس کی شمع مرقد کا ۔۔ شمسی مہدی

تری صورت میں تھی خواہش جمال اپنا دکھانے کی ۔۔ ہوا خود جلوہ گر اللہ رے شوخی بہلانے کی

خودی نے منحصر کیں تجھپہ امیدیں زمانے کی ۔۔ خدا نے خود خبر دی اے شہ دیں تیرے آنے کی

بنا کر مدتوں مشتاق اپنی آمد آمد کا ۔۔ ایضاً

کیا اقرار یکتائی نہ جس سے وہ نظر آیا ۔۔ لگایا جس نے نخلِ سرکشی خوب اُس نے پھل پایا

چراغِ ملت بیضا نے جلوہ اپنا دکھلایا ۔۔ ہوئی شام آفتابِ بت پرستی پہ زوال آیا

مہ نو خوب چمکا بدر میں تیغِ محمد کا ۔۔ محسن

کسے طبع ثنا پیشہ صفت کس کے سراپا کی ۔۔ دو عالم میں اُن کی تحقیق دو نہریں ہیں دریا کی

ملا ہے ایک نقطے سے خطِ ارضی و افلاکی ۔۔ برادر دونوں جبریل و علی میں نوری خاکی

اِدھر بھی ہے اُدھر بھی سلسلہ ثابت محمد کا ۔۔ امیر

ابو حامد سید محمد۔ مہدوی

ناظرین تمدن براہ کرم خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف

ونٹر سٹیل

سسلے کا بادشاہ لیونٹس جس کی پری جمال ملکہ کا نام ہرمونیا تھا۔ اور امن واماں کی دنیا پر جس کی فرماں روائی تہی۔ جیسی کچہ اوسکی سلطنت شورش اور طوائف الملوکی سے پاک تہی۔ ویسی ہی بادشاہ کی شبستان عشرت میں جام عیش اور ساقی مہوش کے سوا کسیکی رسائی نہ تہی۔

کنگ لیونٹس اور کوین ہرمونیا میں باہمی جو لطف اور پیار تہا اوسے دیکھتے ہوئے تو رات و دن کے ۲۴ گھنٹے عیش ومسرت کے پہولوں کی سیج پر گذرتے تہے۔ مگر ایسی صحبت عیش میں کبھی خوش مزاج لیونٹس کے دل کا کنول یاد طفلی کی باد سموم سے مرجھایا ہوا نظر آتا تہا۔ جب بچپن کے یار پولکسن کی گرما گرم صحت اور پہر خواب میں بہی اوس کی صورت نظر نہ آنے کا خیال اُسے آجاتا۔

اس شاد وکامران بادشاہ کی یہی ایک آرزو تہی جو بر نہیں آئی تہی۔ ورنہ کامیابی عیش کا کوئی سامان نہ تہا جو یہاں مہیا نہ ہو۔

لیونٹس اور پولکسن نے اپنے بچپن کا زمانہ ایک ساتھ بسر کیا تہا۔ ایک ساتھ کھیلے کودے پڑہے لکھے۔ لیکن دونوں کے والدین کی اچانک موت نے ایک کو دوسرے سے جُدا کر دیا تہا۔ جہاں سے جُدا ہو کر دونوں کو اپنے اپنے ملک کی عنانِ حکومت اپنے ناتجربہ کار ہاتھوں میں لینی پڑی۔ جدائی کے وقت کا اثر دونوں کے دلوں نے ایسا گہرا لیا تہا کہ اب تک تازہ تہا۔

آفتاب عالمتاب اپنا نصف دائرہ مسافت قطع کر کے نصف زیرین کی طرف جا رہا ہے اوس کی مدت و تیزی اوس کا نصف النہاری جاہ و جلال اوس کا آنکھ نہ سامنے کرنے والا پر رعب چہرہ بالکل زرد و پڑ چکا ہے۔ اور اوس ... کی نمروزہ آن پر ایمان لانے والوں نے "لا احب الافلین" کہنے کا ... ہے خوشگوار خنکی ان جسام کو اپنا ممنت کش احساس بنا رہی ... ن کا اب تک دہوپ کی تیزی سے ناک میں دم آگیا تھا۔

بادشاہ معہ بادشاہ بیگم کے پر تکلف اور خوشنما ایوان شاہی سے برآمد ہو کر خانۂ باغ میں مصروف گلگشت ہے ٹھنڈی ہواؤں سے شگفتگی کا اثر دل پر ہو رہا ہے۔ نہریں انداز میں کوثر و تسنیم کو مات کر رہی ہیں پرندے بسیروں میں جانے کی دوڑ دہوپ میں ہیں قدرت کے ان دلچسپ تماشوں میں بادشاہ محو ہو رہا تھا۔ کہ چوبدار نے سامنے آکر مجرا شاہی عرض کیا اور کہا کہ شہنشاہ بوہونیا حضرت اقدس واعلی کے ایوان معلی میں عنقریب مہمان ہونے والے ہیں۔ جلوس دار السلطنت کے قریب آچکا ہے پیش خیمہ آچکا یہ سنکر بادشاہ نے تعجب خیز لہجہ میں چوبدار سے پوچھا۔ بھلا میرے معزز مہمان کتنے دور ہوں گے اور کتنے عرصہ میں وہ یہاں پہونچ جائینگے۔

چوبدار۔ (دابشاہی لمحوظ رکھکر مودبانہ لہجہ میں) ہمارے بادشاہ جہاہ کے عالی قدر مہمان ایک گھنٹہ کے اندر قصر معلے میں داخل ہو جائیں گے اب سواری دو چار میل کے فاصلہ پر ہو گی ÷

اس کے بعد بادشاہ نے سپہ سالار فوج کو طلب کیا اور حکم دیا کہ استقبالی والنٹیروں کا رسالہ دوسرے بادشاہ بوہونیا کا استقبال کرنے کو فوراً روانہ کیا جائے۔ اور حضوری باڈی گارڈ کا رسالہ اپنی مغرقی وردیوں اور چمکدار اسلحے سے

آراستہ ہوکر بیرون شہر خیر مقدم کرنے جاؤ اور فوری اسکی تعمیل کرو۔
بادشاہ نے یہ حکم دیا اور نہایت بے تابی سے یولکسن کے انتظار کے مزے لوٹنے لگا۔ بادشاہ پہلے چہل قدمی کر رہا تہا۔ خیالات انتظار کے دفور سے اوس کے قدم تیز اوٹہنے لگے۔ اب بادشاہ ٹہل رہا تہا۔ بلکہ ہلکی دوڑ دوڑ رہا تھا۔ اور انبساط اوس کے چہرہ سے نمایاں تہا۔ بادشاہ بیگم نے اس تیز چہل قدمی میں اوس کا ساتہہ چھوڑ دیا تھا۔ اور کچھہ خوش رنگ پہولوں سے خوش فعلیاں کر رہی تہی کہ دفعتًا فوجی بینڈ کی خوشگوار گت نے بادشاہ توہونیا کے ورود کا مژدہ منتظر میزبانوں کے (بادشاہ اور بادشاہ بیگم) کے کانوں کو سنایا۔ بادشاہ فرط انبساط سے اوچھل پڑا۔ شہر کے اندر داخلہ ہوتے ہی سلامی کی توپیں سر ہونی شروع ہوئیں ایوان شاہی میں ایک باقاعدہ ہلچل پیدا ہوگی۔ کہ سواری ایوان شاہی کے سامنے آئی بادشاہ نے جوش مسرت سے مغلوب ہوکر بچپن کے بچھڑے ہوئے دوست کے شوق دید میں ایوان شاہی کے صدر دروازہ پر آکر مہمان کا استقبال کیا۔ دونوں آرزومند نگاہیں ملیں۔ کچھ قطرہ آنسوؤں کے پہلے نظروں کی دونوں طرف سے نچھاور کیئے گئے۔ پھر دونوں بادشاہ ایک جوش بیخودی میں باہم بغلگیر ہوئے اور میزبان بادشاہ اپنے عالی مرتبت مہمان کو اوس کے دونوں بازوؤں میں ہاتھ ڈالے ہوئے ایک بے ساختہ انداز کے ساتھ سے کر آراستہ و پیراستہ سجے سجائے موتی محل میں داخل ہو

(۳)

فلک کجرفتار تیری عربدہ پردازی ہمیشہ نئے رنگ دکھائی ہے تجھے ایک مایوس و مہجور کو پیکر مقصود سے ہم آغوش کرانے میں جیسا ید طولی حاصل ہے

ویسا ہی ایک آرزمند و سراپا امید کے تخیلات آرزو پر پانی پھیرنے میں بھی خوش ہوتا ہے تو ترساتا ہی ہے کہیں اختلات دور کرکے موافقت کے پھول کھلاتا ہے اور کہیں اختلاف کا ایسا بے سان و گمان شوشہ چھوڑ دیتا ہے کہ ایسے دو دل جو باہم شیر و شکر اور قید غربت سے آزاد ہوئے ہیں جو ایک جان دو قالب کا وجود ہوتے ہیں اور جن میں سے ایک کی زندگی بغیر دوسرے کے نیم جانی اور تلخکامی سے گذرتی ہے۔ جن کی ایک لمحہ کی جدائی پہاڑ ہوتی ہے۔ اون کو دو دل اور دشمن جانی بنکر ایک کو دوسرے کا درپے آزار کردیتا ہے +

ہرمونیا کون جو کل ملکہ ہرتونیا تھی اور بادشاہ کے آنکھوں کی پتلی تھی وہ جس کے پیر میں آج قید ستم کی بیڑیاں ہیں اور اُف کرنے کی مجال نہیں۔ گلبدن ہرمونیا جس کی نزاکت چشم بد اندیش کی تاب نہیں لاسکتی تھی۔ آج ہر طرح کی سختیاں جھیل رہی ہے۔ اُف غضب۔ اُس کا پھول سا جسم اور یہ ظلم و ستم کے کوڑے اوس کا کنول سا دل اور یہ مصائب کے سخت تیر ہے۔ کل جس کی خوشی عین بادشاہ کی خوشی تھی۔ اور جس کا حکم شاہی سے بالا تھا۔ آج بادشاہ کی نظر اوس سے ستم آفرین گردش دوار کے ایک ادنے اشارے میں ایسی پھر گئی۔ کہ ان میں تیل ہی نہ تھا۔ گویا مہر و لعنت کا تو ذکر کیا غیض و غضب کی انتہا نہیں۔ آخر کوئی جرم تقصیر۔ واقعات ہم سے اور آپ سے کیسے پوشیدہ نہیں کونسی مظلوم ہرمونیا کے مہمان نوازی کے شریفانہ برتاؤ اور فرمان شوہری کی تعمیل میں اوسپر لگائی گئی۔ اور اوسپر تمام مظالم کی جو اوس کی ننھی سی جان پر گذر رہے ہیں۔ بنیاد قایم کی گئی۔ تو اوس کی کنہ اگر آج نہیں تو کل ظاہر ہوکے رہینگی اوس وقت رکیک الخیال۔ حاسد اور ضعیف رائے

دیکھنے والے بادشاہ کو خود اپنے کئے پر پچھتانا ہوگا۔
پولکسن اپنے دوست لیونٹس کی پرشوق ملاقات اور شاہانہ ضیافتوں کا ایک گہرا نقش اپنے دل پر لیکر کامل ایک ماہ کے بعد واپسی وطن کا ارادہ ظاہر کررہا ہے۔ لیونٹس کی طرف سے ابھی کچھ دن اور رہنے کا اصرار ہو رہا ہے۔ بادشاہ کہہ تھکا۔ تو اس نے ملکہ کو اشارہ کیا کہ تم کہو۔ شاید تمہارے کہنے کا اثر ہو۔ بچپن کے گہرے دوست گفتگو میں انداز بے تکلفی سے ہر طرح کہنے سننے کا موقعہ تھا۔ ملکہ کی طرف سے حسب ایماء لیونٹس تہذیب و تکلف کے لہجہ میں یہ سلسلہ جو چھڑا تو بیچارہ پولکسن عجب کشمکش میں پڑ گیا اصرار بڑھتا گیا مجبوراً تکلف اور حسن لطیف کے مقابلہ میں قدرتی انفعال نے اوس سے فسخ عزیمت کرادیا۔ اور پولکسن رہ پڑا۔ اب سنئے۔ فوری مسرت لیونٹس کو پولکسن کے رہنے سے تو ضرور ہوئی۔ مگر اوس کے کینہ جو دل میں ایک چور سا پیدا ہوگیا۔ جس نے اوس تنگ خیال کوتاہ اندیش بادشاہ کے خیالات کو اس کی تلاش کی طرف مائل کیا کہ "کیوں میرے اصرار پر نہ ٹھیرا اور ملکہ کے کہنے سے ٹھہر گیا،، اور اوس ملکہ عصمت کی طرف سے بادشاہ نے خیالات فاسد پیدا کرلیے جس کی پاکبازی و عفاف کا ایک عرصہ تک اوسے تجربہ ہوچکا تھا۔ اور پولکسن سے بھی بادشاہ بدظن ہوگیا۔ جس کا لازمی نتیجہ اس بداندیش اور حاسد بادشاہ کی طرف سے اس کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا۔ کہ وہ اس کا کوئی آزار انکو پہونچائے۔ چنانچہ اس نے فوری کیملو کو جو اسکی دربار کا ایک معزز کرسی نشین تھا۔ اور بادشاہ کو اوسکی رائے صائب کا اکثر تجربہ ہوا تھا طلب کیا۔ اور سارا ماجرا اوسے کہہ سنایا اس لیئے بادشاہ اکثر نازک خانگی اور ملکی امور میں اوس سے پرایوٹ مشورہ بھی طلب کیا کرتا تھا

اور حکم دیا کہ تم فوراً پولکسن کو زہر دینے کی تدبیر کرو۔ پھر تو نیا کے لیے سوچکر
کوئی حکم دیا جائے گا +

(۴)

رات کے دس بج گئے ہیں۔ گیارہ کا عمل ہے۔ کیملو اپنے کمرہ میں
خاموش بیٹھا خیالات میں غلطاں و پیچاں ہے کہ بورسے (خانساماں) نے
آکر عرض کیا۔ ڈنر تیار ہے۔

کیملو۔ (جیسے غنودگی سے کوئی ہوشیار ہوتا ہے چونک کر) کھانا چنا گیا +

بورسے۔ سب تیار ہے سرکار تشریف لے چلیں +

کیملو کرسی سے اٹھا۔ آفس کلاک کی طرف وقت دیکھنے کو اوسکی نگاہ اوٹھی
تھی کہ کلاک نے ٹن ٹن گیارہ بجائے۔ کیملو کھانے کے کمرہ میں گیا۔ اور
میز پر بیٹھ گیا۔ دو چار چیزیں لیں اور انہیں سے کچھ کھایا اور فوری اٹھ کھڑا ہوا۔
کھانے کے کمرے سے اٹھ کر خلاف معمول آفس ڈپارٹ میں پھر آگیا۔ کیونکہ ڈائننگ
روم سے نکلکر پندرہ منٹ تک کھلے برانڈے میں چہل قدمی کرنا اس کا
معمول ہو تھا۔

مگر آج کسی گہری فکر کے آثار اوس کے بشرہ سے نمایاں ہیں جس سے
اوس کے اندرونی پیچ و تاب کی کیفیت صاف ظاہر ہو رہی ہے کمرہ میں
آکر وہ لکھنے کی میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر کرسی پر ٹیک دیے
اور آنکھیں بلند کرکے چھت کی طرف دیر تک دیکھتا رہا۔ اور کچھ الفاظ اوس کے
منہ سے مدہم آواز میں نکلنے لگے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں بادشاہ کے حکم سے
پولکسن کو زہر دوں۔ یہ ارتکاب زہر خورانی سراسر خلاف قانون خلاف
اخلاق اور شرافت سے بعید ہے پھر بادشاہ کو کیا جواب دوں۔ یہ مجھے

معلوم ہے۔ کہ بادشاہ کی برافروختگی محض حاسدانہ ظالمانہ ہے۔ پولکس اور ملکہ
ہرمونیا دونوں اوس کا شکار بننے والے ہیں۔ پھر کیا میں اُنمیں سے کسی کی
امداد کرسکتا ہوں، ہرمونیا پر میرا دسترس نہیں۔ البتہ پولکس کو بادشاہ
کے اس گھات کی اطلاع قبل از قبل دے دوں تاکہ وہ اپنا بچاؤ کرسکے
اور اس کے پھندے سے نکل جائے۔ مگر یہ میرے خیر نہیں۔ بادشاہ یہی
سمجھے گا کہ میں ہی اوس کا بھیدی تھا۔ اون کا شبہ میرے سوا کس پر ہوگا
مگر ملکہ کو اس پنجۂ ظلم میں چھوڑ دینا سراسر بزدلی ہے۔ اچھا کوئی تدبیر
سوچوں گا۔ بالفعل پُلکس کو خبردار کردینا چاہیئے۔ جس کی جان جوکھوں میں
ہورہی ہے۔ یہہ کہتے ہوئے وہ سنبھل کے بیٹھا۔ اور سگار کیس اٹھاکر
اوس میں سے ایک سگار جلایا اور پینے لگا۔ پیتا تھا اور بطور شغل انگلی
اوسپر مارکر اوس کی خاک گراتا تھا۔ یہہ کرتے کرتے وہ کرسی سے اُٹھا
اور کالا بوٹ پہنکر اپنے بنگلہ کے کمپونڈ سے نکلا۔ اور کچھہ ٹھہر کر
سوچنے لگا۔ پھر قدم اُٹھایا اور شاہ پولیونیا کے کمپ کیطرف چل نکلا
چلنے کو تو چلا مگر دل سینے میں اچھل رہا تھا۔ پھر چلتے چلتے رک جاتے
تھے خیر بدقت تمام وہ کمپ کے قریب پہونچا تو گشتی پولیس
نے اُسے روکا۔ مگر اوسے اطمینان بخش جواب دے کر وہ
کیمپ میں داخل ہوا۔ شاہی خیمہ کے پاس پہونچتے وقت بھی خاص
پہرہ والے کیطرف سے اوس کی مقررکی ہوئی روک ہوئی۔ مگر کیملو نے
اوس سے کچھہ آہستہ باتیں کیں۔ اور اوس نے پردہ اُٹھاکر
اندر سے پہرہ دینے والے سے کچھہ کہا۔ اور چند منٹ کے بعد
کیملو اوس کے توسط سے اندر جاکر باریاب ہوا۔ اس کے کہنے کی

ضرورت نہیں۔ کہ کیملو نے اپنے اخلاقی سفارت کس خوبی سے ادا کی اور کس کشادہ دلی سے اوس کا خیر مقدم ہوا۔

بہرحال کیملو اور پالکسن کا ایک عرصہ تک تخلیہ رہا۔ اوس کے بعد بادشاہ نے داروغہ اصطبل کو طلب کیا جب ان کو دو خاص سواری کے تیز دم آراستہ گھوڑے اور چار سواروں کی حاضری کا حکم دیا۔ اور پھر اپنے مشیر خاص کو بلاکر اوس سے کسی امر میں شورہ کیا۔

حکم کی دیر تھی اتنے میں گھوڑے اصطبل سے تیار ہوئے اور سوار ہو گئے چوبدار نے اطلاع دی۔ بادشاہ اور کیملو دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور کمپ سے باہر ہوتے ہی صبا دم گھوڑے ایک سمت اٹھا دیئے گئے

باقی آئندہ۔

سید سخاوت حسین

مرحوم شمس العلما مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل۔ ایل۔ ڈی۔ ڈی رو ال کی تصویر جوزیب ورق اول ہے امید ہے کہ ناظرین تمدن کی بجد دلچسپی کا باعث ہو گی یہ مقدس صورتین جن کے دل و دماغ علمی خزانے تھے جو آج بے خبر پڑی سوتی ہین۔

امہات الامہ جس پر ہم پچھلے پرچہ مین بحث کر چکے ہین۔ جس دنعت کی کتاب تھی اس کا اندازہ ناظرین ماہ گذشتہ اور حال کے پرچہ سے کر سکتے ہین ہم اب بھی یہی کہتے ہین کہ ایسی صورتین اب مشکل سے نظر آئنگی جو اسلام کو غیر مسلمون کے سامنے اسطرح افضل ثابت کر جائین کہ پڑھنے والے کو ان کے اپنے مذہب کا پتہ نہ لگے۔ منطق و فلسفہ ہر حرف کی تصدیق کرین حسن عقیدت کی لہر دل سے زبان تک نہ آنے پائین

شامت

(از حضرت مولانا مولوی سید جلال الدین صاحب توفیق مہدوی حیدرآبادی)

کھوئے گئے ہم خود بھی دل کو بھی گنوا بیٹھے ۔۔۔ اور نہ ہوس دل سے افسوس مٹا بیٹھے
اک شمع دو روشن تھی اسکو بھی بجھا بیٹھے۔

دیدار کی حسرت ہیں ارمان تماشا ہیں ۔۔۔ آخر کو ترے بدلے ہم جوشش تمنا میں
تصویر تری ظالم سینہ سے لگا بیٹھے

کیوں قہر یہ آج اوسکی جان کے ہوا کیا تھا ۔۔۔ یوں غیر کا مرنا ہی اچھا تھا برا کیا تھا
سوئے ہوئے فتنہ کو ناحق وہ جگا بیٹھے

کچھ لی بھی خبر تو نے اے بانی ستم آخر ۔۔۔ دکھلایا تغافل نے تیرے یہ اثر آخر
ہم آپ کو بھی بھولے دلکو بھی بھلا بیٹھے

ہم پہلو سے ارماں تھا ہر چند شباب انکا ۔۔۔ ملنے نہ دیا لیکن انداز حجاب انکا
ہم اون سے الگ بیٹھے وہ ہم سے جدا بیٹھے

کیوں ایسے وہ برہم تھے کوئی اسے کیا جانے ۔۔۔ کیا بات سمائی تھی خاطر میں خدا جانے
اک بات پہ عاشق کو سولی پہ چڑھا بیٹھے

صد شکر کہ آنا بھی کس وقت ہوا تیرا ۔۔۔ صد شکر کہ یہ کیسا احسان ہے گھٹا تیرا
بجلی کے چمکنے سے نزدیک وہ آ بیٹھے

کس طرح سے بر آئی اک حسرت بیجا تھی ۔۔۔ ملنا بھی ترا گویا اپنی ہی تمنا تھی
ظالم ترے ملنے سے ہم ہاتھ اٹھا بیٹھے۔

کہنے کو تو کہہ گذرے گذری جو دل و جاں پر ۔۔۔ پچھتاتے ہیں اب اپنی بیتابی ارماں پر
کیوں قصۂ غم چھیڑا کیوں دلکو رلا بیٹھے

ارماں کی طرح نکلے اور صورت ناز سے + توفیق وہ دل میں بھی شوخی سے نہ باز آئے + گر پردے میں لیٹے کر پردہ اٹھا بیٹھے۔ مسلسل ارشاد

زندگی

زندگی اس تفۂ چند روزہ کو کہتے ہیں جس کی ابتدا اور انتہا عدم ہے
ایک چیز جس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا ایک زبردست قوت سے متاثر
ہوکر ایک شکل وصورت اختیار کرلیتی ہے اور عالم اسباب میں نمودار
ہوتی ہے۔ قوانین قدرت کے تابع فرمان رہ کر نشو ونما کرنے لگتی ہے
موافقت آب وہوا سے اس میں بہت سی قوتیں پیدا ہوجاتی ہیں اور جب
یہ قوتیں ترقی کرتے کرتے معراج کمال پہنچتی ہیں تو پھر ان میں تنزل
ہونے لگتا ہے۔ اب اس کے بعد یہ ترقی معکوس کرنے لگتے ہیں اور
آخر یہ نوبت پہنچتی ہے کہ جن ذرّوں کے متفق ہونے سے انکا وجود ظہور
میں آیا تھا وہی ذرّے بکھر کر چوطرف منتشر ہوجاتے ہیں اور اصل وجود
معدوم ہوجاتا ہے۔ بعض وقت اسباب مخالف کے غلبہ سے بہت سی
چیزیں قبل از وقت ہی معدوم ہوجاتی ہیں۔ غرض اسی ابتدا۔ نشو ونما
حرکات وسکنات کیفیات وجذبات کا مجموعی نام اس چیز کی زندگی ہے
مگر اس عالم موجودات میں سب چیزوں کی زندگی ہی نہیں۔ ہر چیز ہر مخلوق
اپنی الگ اور نرالی زندگی رکھتا ہے تاہم بہ اعتبار زندگی کل مخلوقات عالم
کو تین قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

ابتدائی درجہ میں وہ چیزیں ہیں جو لاز آف نیچر (قوانین قدرت) کی
پابندی پر بالکل مجبور ہیں۔ انمیں کسی قسم کی خلاف ورزی کا مادّہ ہی سرے
سے موجود نہیں خودرائی اور خودمختاری ان کے سرشت میں نہیں بلکہ قدرت

کیموافق ان کی نشو ونما ہوئی۔ اور مدت مقررہ پر معدوم ہو گئے۔ اس درجہ کی اشیا
اکثر بلکہ تمام بشرطیکہ کوئی خارجی مداخلت نہو اپنی اپنی مدت معینہ تک قائم رہتے
ہیں اور قبل از وقت ان کے پامال اور برباد ہو جانے کا احتمال ہی نہیں ہو سکتا
حجر و شجر کا شمار انہیں میں ہے۔ انکی پیدائش سے قدرت کا منشار
یہ نہیں کہ یہ حرکت کریں۔ ضروریات زندگی کی فکر ان کی دامنگیر نہیں
اور نہ یہ دوسرے کسی مخلوق کے کاروبار میں دخیل ہی ہوتے ہیں قدرت
نے ان کی نگرانی خاص طور پر اپنے ذمہ لی ہے اور انہیں پال پوس کر
اس لیے تیار کر لیا ہے کہ تماشا گاہ عالم کو ان کے عجیب و غریب وجود
سے زینت ہو۔ دوسری مخلوق کو ان سے آرام و آسائش ملے اور ایک
ہستی علی الاطلاق کی قدرت کاملہ کا چشم بصیرت رکھنے والوں کو یقینی
ثبوت ملے +

قسم دوم اس جاندار مخلوق کی زندگی ہے جنھیں کچھ قوت وگیئی
ہے اور حواس خمسہ ظاہری عطا ہوئے ہیں۔ وہ حرکت کر سکتے ہیں
قسم اول کیطرح ان کی غذا قدرت کے ہاتھوں ان کے منہ میں نہیں ڈالی گئی
بلکہ خود قدرت کے وسیع دستر خوان سے جس پر قدرتی چیزیں اپنی اصلی
اور غیر مصنوعی حالت میں چنی ہوتی ہیں منہ ڈال کر یا ہاتھوں وغیرہ کے
ذریعہ انہیں پیٹ بھرنا پڑتا ہے۔ انہیں اس قدر اور اختیار دیا گیا ہے
کہ جو غذا مرغوب ہو کھالیں مگر یہ اس کا بہت کم بلکہ استعمال ہی نہیں کرتے
اور صرف انہیں چیزوں کیطرف ہاتھ دوڑاتے ہیں جنھیں انکا معدہ ہضم
کر سکتا ہے اور جو ان کے لیے مقصود ہیں۔ انکا اختیار صرف اسیقدر ہے
کہ یہ اس کا چلنے پھرنے کہانے پینے بیٹھنے اوٹھنے اور چند جزئی امور

میں استعمال کر سکتے ہیں باقی سب باتوں میں مجبور ہیں۔ تقاضائے فطرت
کے خلاف ایک کام بھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً شیر کے بچہ کو تازہ گوشت
کھانے اور شکار کرنے کی رغبت ہوتی ہے وہ محض فطرتاً ہوتی ہے
یہ ہرگز ممکن نہیں کہ وہ گھاس چبانا چاہے اور اگر چرے تو معدہ اسکو
ہضم کر سکے۔ غرض یہ مخلوق ہر بات میں اصول فطرت کے بالکل تابع
ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس جنس کے مخلوق کی ایک دوسرے کی
زندگی میں موافقت و مطابقت ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کا نقشہ بھی قریب
قریب وہی ہے جو قسم اول کا ہے ہر طرح سے مجبور ہونے کی وجہ سے
اپنی زندگی بڑے اطمینان و بے تکلفی سے گزار دیتے ہیں مصائب و
تکالیف سہتے ہیں مگر ان کے معصوم دلوں پر انکا اتنا گہرا احساس اور گہرا
اثر نہیں پڑتا جتنا اور ایک مخلوق پر جو اشرف المخلوقات اور عجوبۂ عالم اسباب ہے +
یہ وہی تیسری قسم کی مخلوق ہے جسے انسان کہتے ہیں اسکی زندگی
اُن سب کی زندگیوں سے نرالی اور اچھوتی ہے۔ قدرت نے انہیں نہ پورا
مجبور کیا ہے اور نہ بالکل خود مختار چھوڑ دیا ہے۔ سب کچھ کر لیتے ہیں مگر
پھر بھی کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ اس مافوق قوت نے جہاں سب طرف
سے انہیں بے لگام ہونے کے اسباب مہیا کر رکھے ہیں انہیں ایک
عقل جیسی نایاب اور بے مثل چیز بھی دے رکھی ہے جس کی بدولت یہ
آسمان کے تارے توڑ لاتے ہیں اور دریاؤں کی تہ نکال لیتے ہیں ؎

جو ہو سکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا

حواس خمسہ ظاہری کے علاوہ حواس خمسہ باطنی بھی انہیں دئے گئے

جس کی وجہ سے حوادث زمانہ کا اثر کسی پر گہرا اثر پڑا کیا۔ چونکہ میلان طبع
سب کا الگ الگ ہے اس سبب سے اس نوع کی زندگی کا ٹھیک طور پر
معیار نہیں بتایا جا سکتا۔ اور نہ عمر طبعی کا بلا استثنےٰ قرار ہو سکتا ہے
اس لحاظ سے اس نوع کی زندگی بھی تین قسم کی ہوتی ہے۔

ایک اُن وحشیوں اور خانہ بدوش بدویوں اور جنگلی اقوام کی جو دنیا و
مافیہا سے بے خبر اور دین و دنیا سے بے تعلق ہوتے ہیں۔ انکی زندگی بھی
مثل دیگر چرپایوں اور وحشی درندوں کی سی ہے۔ نہ نیک و بد کی ان کو
تمیز نہ تمدن و معاشرت سے انہیں کچھ تعلق و واسطہ۔ حیوانوں کی طرح
جنگل میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہیں پرورش پاتے ہیں چھوٹے سے بڑے
ہوتے ہیں۔ درندوں چرندوں کیطرح پیٹ بھرتے ہیں اور ایک عرصہ
کے بعد مر مٹتے ہیں۔

دوسرے وطبقوں کی زندگی ان لوگوں کی زندگی ہے جو طبقۂ اوّل
کی نسبت کچھ زیادہ تہذیب یافتہ ہیں جنکی زندگی یا تو کسب معاش
یا کسب معاد پر منحصر ہے۔

جنھوں نے کسب معاش کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اپنی ساری قوتوں کو
اسی کی تحصیل و اکتساب میں خرچ کر ڈالتے ہیں جسطرح طبائع انسان مختلف
ہیں اسیطرح ذرائع حصول معاش بھی متعدد طبیعت کی مناسبت سے
ہر شخص ایک خاص طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اور اسکی زندگی اسی رنگ و ڈھنگ
کی ہوتی ہے۔ کوئی مہندس ہوتا ہے تو کوئی فلسفی۔ کوئی ہیئت داں
تو کوئی منجم۔ کوئی فوجی قابلیت رکھتا ہے تو کسی کو ملکی معاملات کی گتھیاں
سلجھانے میں دستگاہ کامل حاصل ہے غرض ہر شخص کی محنتوں۔ اور

کوششوں کے ذخیروں-کارناموں وغیرہ کے مجموعہ کو اس شخص کی زندگی کہیں گے۔

جن لوگوں کا رجحان معاد کیطرف ہوتا ہے انکی زندگی پاک اور مقدس مگر مصائب وآلام سے مملو ہوتی ہے۔ جور ظلم و فساد فریب سے انہیں دلی نفرت ہوتی ہے حقوق اللہ و حقوق العباد کی نگہداشت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے مقاصد اصلی اور منشا ایزدی کی تکمیل میں ایسے محو و منہمک ہوجاتے ہیں کہ لذات دنیاوی اور خواہشات نفسانی کا انپر بالکل جادو نہیں چلتا۔ مشقت و ریاضت میں چند روزہ زندگی بسر کرنے کے بعد مرکر اس دولت سے سرفراز ہوتے ہیں جسے حیات ابدی و سرمدی کہتے ہیں۔

غرض ہر چیز کی زندگی ایک خواب و خیال ہے جس کے ابتدا و انتہا کے تصور کرنے سے قوت متخیلہ قاصر اور ادراک خاسر ہے۔ اسی مختصر سے زمانہ میں انسان کو بڑے بڑے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں اور بڑے بڑے پرخار وادیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں سے ہوکر نکلنا پڑتا ہے۔ جہاں بسا اوقات اچھے اچھے دانشمندوں کو بھی ایسی لغزش ہوتی ہے کہ پھر سنبھالے نہیں سنبھلتی جو شخص اس پرخطر شادی و غم۔ رنج و مسرت امید و بیم کی متضاد قوتوں کے مقابلہ میں پورا اترا اور سلامت روی کے جادہ مستقیم سے قدم باہر نہ نکالا وہ بیشک قابل تحسین صد آفریں ہے۔ اور اسکی زندگی قابل تقلید ہے انسانی زندگی اور حیوانی زندگی میں جو کچھ مابہ الامتیاز ہے وہ یہی ایک عقل و دانائی ہے جسکی ناخدائی سے طوفان خیز دریاؤں میں سے سینکڑوں ہزاروں ہی جہاز پار لگے اور یہی وہ چیز ہے جس نے بہت سے رہروؤں کا عین جنگل میں گلا گھونٹا۔ اور بہت سے تیراکوں کو بیچ دریا میں ڈبویا۔ فقط

محمد اسد اللہ۔ حیدرآبادی

غزل

(از تمنائے عمادی پھلواروی عظیم آبادی)

کیوں لگے ہو کوششِ ناکام میں — فائدہ کیا سعیِ بے انجام میں۔
جو نہ خم میں ہے نہ ساقی! جام میں — وہ ہے تیری چشمِ نرگس فام میں
ہو نگاہِ خاص کس پر، دیکھیے — آئے ہیں وہ جلوہ گاہِ عام میں
کچھ تمنا ہائے پاس انجام کا — ایک جمگھٹ ہے دلِ ناکام میں
مجھ سے بھی، غیروں سے بھی ملیے مگر — چاہیے کچھ فرق خاص و عام میں
گبر و مسلم سب تجھے کرتے ہیں یاد — اعتباری فرق ہے تو نام میں
رہ گیا آخر مرا مرغِ نظر — لاکھ اُڑا اڑان ہوائے بام میں
خم پہ خم بھر بھر کے آتے ہیں چلے — ہے تسلسل آج دورِ جام میں
ہائے رے اس جام کا پیارا نشہ — عکسِ چشمِ یار ہو جس جام میں
ہو گیا صیاد خود میرا شکار — کیا اثر تھا رقصِ زیرِ دام میں
ابتدا میں یہ مجازِ رنگِ مآل — کھنچ گیا نقشا قفس کا دام میں
کس برے نے مجھے الجھا دیا — آرزو ہائے ملالِ انجام میں
تھا غمِ انجام جب آغاز میں — حسرتِ آغاز ہے انجام میں
مائیں جب ساقی اتری دریا لی — ہم سبو ہائیں سوالِ جام میں
اُن سے ملنے کی امید اُس پر یقیں — پختگی دیکھو خیالِ خام میں
یا الٰہی! پھر عطا کر بے کلی — اب مزا ملتا نہیں آرام میں
جب سے ساقی چل بسا سب بادہ نوش — خونِ دل پیتے ہیں بھر کر جام میں

اے قیامت! کیوں اٹھانے آئی ہو — چھوڑ ظالم! ہیں پڑے آرام میں
کام سے غافل ہوں میں ناکام حشر — سب لگے ہیں اپنے اپنے کام میں
اُف رے ناکامی رہا ناکام وہ — ہاتھ ڈالا ہم نے جس کے کام میں
لے اٹھا بس تیغ قاتل! منہ نہ دیکھ — دیر کیوں کرتا ہے اپنے کام میں
کیا کشش ہے الفت صیاد کی — شوق سے آتی ہے بلبل دام میں
رات کو لیٹے، تو دن کی سوچ میں — صبح کو اٹھے، تو فکر شام میں
شکر ہے آغاز ہی میں ہو گیا — مجھ پہ جو ہونے کو تھا انجام میں
زلف سے الجھے جو آنکھوں سے بچے — چھوٹے شاہیں سے تو پہنچے دام میں
سچ کہا تم نے کہ "آخر فائدہ؟" — کیوں پڑے کوئی کسی کے کام میں
ہم تو بیچینی میں کاٹیں ساری رات! — طالع خفتہ رہے آرام میں
شوق سے صیاد! بلبل آئے گی — رکھدے کچھ کلیاں چھپا کر دام میں
اے تمنا وقت پر پہونچی اجل — نقد جاں دیدو اسے انعام میں

ہو تمنا ہی کی ہر حسرت کا خون
اس قدر تخصیص قتل عام میں

سیرۃ العباس: مولوی حکیم سید فرید احمد صاحب بھیکم پور علیگڈھ نے اس کتاب میں سیدنا حضرت عباس کی پاک زندگی کے حالات روز ولادت سے تا دم واپسین نہایت خوبی اور قابلیت سے قلمبند کئے ہیں اور ہمیں امید ہے۔ کہ ناظرین تمدن مولوی صاحب کی محنت کی داد دیکر حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

قیمت ایک روپیہ

سوسائٹی کی اندرونی حالت

ہماری محترم بہن مسز خلیقی صاحبہ اُن چند بہنوں میں سے ہیں جنکے دلوں میں بہنوں کی سچی محبت قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھری ہے - اور جو اپنے وقت کا بیشتر حصہ بہنوں کی اصلاح وفلاح میں صرف کرتی ہیں ذیل کا مضمون جسمیں ایک بدنصیب لڑکی کا سچا واقعہ ہمارے واسطے ایک سبق ہے -

قسمت کیا ہر چیز کو قسّام ازل نے | اوسکو دیا وہ جس کے جو قابل نظر آیا
بُلبل کو دیا نالہ، تو پروانے کو جلنا | غم ہمکو دیا، سب سے جو مشکل نظر آیا

صنفِ لطیف، یا طبقۂ اناث پر سوسائٹی کے عالمِ ذکور اور اون کی عام حالت نے جس جفا وظلم کے برتاؤ کو روا کر رکھا ہے وہ اس طبقے کے دردمند دلوں سے پوشیدہ نہیں! پر اون سے درگذر اپنوں سے جو صوری ومعنوی ستم وجور بہ زعمِ اصلاح حالت، اور احیائے ناموس، سرزد ہورہی ہیں وہ قابل غور ہیں!!

طبقۂ نسواں میں تہذیب وتمدن کی خرابی! تعلقاتِ ازدواج میں برہمی کیرکٹر اور تعلیم کی کمی!!! یہ موٹے موٹے سپیشل سبجکٹ ہیں جنپر آج قوم بہ کے مسلمہ دماغ غور وخوض، اور مضمون نگاری فرما رہے، اور اس مسلمۃ العنوان مضمون پر اس کثرت سے اظہار آرا ہو رہا ہے۔ کہ ملکی وقومی رسائل کے صحائف دامنِ نگاہ من تنگ است، وگلِ حسن تو بسیار است، کے گلہ گذار ہیں! یہ سب کچھ سہی لیکن خدا لگتی فرمائیگا، اپنے سے ممکن العمل اور اپنے خود ساختہ ذرائع ترقی طبقۂ اناث کو آپ نے قوم کے لیے ممکن العمل بنا کے پیش کیا ہے؟

تعلقاتِ زوجین کی سبب کشیدگی، اوس کے اسباب برہمی کی کنہ اور تہ تک

دلسوز خلوص و نیک نیتی سے غور فرمایا ! اور شرع مبین کے اس پرانے
اور بوسیدہ ، ناقابل ضرورت ، انتخاب زوج کا حق مستورات کو اس روشن
اور تہذیب و تمدن کے مرقع ، ایسے زمانہ میں ضروری محسوس کیا ؟

یہی ، اور صرف گھرداری کے نیچ ، دودھ گوشت منگانے دودھ گوشت
والے کو رسید دینے ، دھوبن کو میلے کپڑے دھلنے کو دیکر لکھ لینے کی قابلیت سے
سوا بھی آپ نے ہمارے لیے لکھنا پڑھنا ضروری تصور فرمایا ؟

آہ بڑی بڑی انجمنوں ، اور قومی کانفرنسوں میں دس دس بارہ بارہ
ہزار کے مجمع میں تعلیمی ریزولیوشن بڑے زور شور سے پاس ہوں مگر تماشا
ہے کہ جو چیز عالم انسانیت کے ایک طبقہ کے لیے مفید سمجھی جاوے وہی دوسرے
حصے کے لیے خطرناک تصور کیجاوے !

ملک و ملت کے ہواخواہوں ، اور تہذیب النساء کے مخصوص حامیوں ! ہماری
تمدنی مشکلات ، اور رواداری کے جائز استحقاق میں مدد دو ! -

عصمتی بہنو ! مولانا راشد الخیری کے دم کو غنیمت سمجھکر عصمت ، تمدن کو سچے
معنوں میں اپنا صحیح آرگن ثابت کرو ، میں محسوس کرتی ہوں کہ ہمارے مضامین
کی مفہومی رو بدل جانی چاہیئے ۔ تخیلات ، اور معنی آفرین مضمون نگاریوں کو چھوڑکر
اپنے گھرانوں ، اور کنبے کی خرابیوں ، اور طبقہ ذکور کے اس ناجائز تعلق
و شرعی حقوق کے خلاف سلوک و رجوع کے صحیح نقشے کھینچیں جائیں تاکہ ہماری
حالت ، کس مپرسی حالت پر بے لوث آنکھیں ، آنسو بہائیں ! ؛

شفقت مآب مولانا کے ممدوح کی گوناگوں محبتیں جسارت آموز ہوئیں
جو یہ چند سطور حیطہ بیان میں آئیں اگر یہ ہم لکھے دیتے ہیں ہمارا یہ شروع
ہونیوالا مضمون واقعات صحیحہ اور روایات مستندہ پر مبنی ہے ، ہماری کوشش

رہے گی انشاء اللہ ہم ہمیشہ سوسائٹی کے صحیح حالات کے مرقع جب تک ممکن ہو پیش کرتے رہیں تا عصمت و تمدن ہماری صحیح اور سچی آواز سمجھی جائے، اور اس لایعنی تمہید کی معافی!

(۱)

دیوان خانہ

حشمت مرزا، اک خاندانی شریف اور معززین شہر میں سے اک رکن خاص سمجھے جاتے تھے اپنی ذاتی شرافت اور خوش مذاقی کے لحاظ سے وہ ہمیشہ اہل علم اصحاب، اور اُن کی صحبتوں میں شریک ہوتے رہتے تھے! اُن کی زندگی سادی، اور پُرانی وضع کی مگر نیک معاشرت کا نمونہ تھی، اُن کا شغل اور ذریعہ معاش کچھ ورثہ پدری! کرایہ بقدر تین صد ماہوار اور اپنی تصنیفات و تالیفات کے اشاعت سے کچھ اور آمدنی ملا جلا کر انکو اور اُن کی نیک بی بی نجم النساء نیز ایک لڑکا صفدر ایک بیوہ لڑکی اور ایک بچی حبیبہ کی فراغت و خوشحالی کی گذران کو کافی تھا!

سنہ ۱۳۱۵ھ کے وسطی مہینوں میں ایک روز شب کو فالج گرا اور چند روز یک مرنے سے پہلے مُردہ بنا کر کام تمام کر گیا، شریف تازہ مبتلائے مصیبت بیوہ نجم النساء بیگم کے متعلقین میں ددھیال میں اور ننھیال میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس وقت کام آسکتا ہے، کرایہ کی تحصیل، صفدر جن کی عمر بھی بہت سے بہت بارہ برس کی ہوگی، تعلیم و تربیت نوجوان بیوہ لڑکی اور اس کا ایک خورد سال بچہ اوسکی سنبھال، ۱۰ سال کی حبیبہ ان تمام تمام ذمہ داریوں کا انصرام ایک عورت ذات کے لیے بہت کچھ غیر ممکن ہوگی

وہ تو بھلا کرے منشی احمد علی صاحب، صفدر کے خسر کا جنہوں نے خاندانی رکاوٹوں اور بیجا آن بان کی پرواہ نہ کر کے ایسے کچے ناطے میں صفدر پر دست شفقت اور اس کی ماں بہنوں کی خدمت کا بوجھہ عند اللہ اپنے ذمہ لیا! . . . . اتفاقات کو دیکھیے

کلثوم النساء بیگم، منشی احمد علی کی ہمشیرہ خورد، جو جسٹس امام علی آف حیدر آباد دکن کی بیوی ہیں، شاوند کی اچانک وفات سے معہ اپنی ایک نو عمر لڑکی ناخرہ خاتون اور ایک بچہ آفتاب علی کو بیکر بھائی کے ہاں آگئیں ہیں، خورد سال بھانجے آفتاب کی جسکی عمر ۱۳ سال کی ہوگی تعلیم و تربیت بھی ماموں کے ہی ذمہ سپرد ہوئی، منشی صاحب نے حشمت میرزا کا اپنے مکان کے مغربی دیوان خانے میں اپنے خواہرزادہ آفتاب، اور اپنے داماد صفدر کی تعلیم کا کافی بندوبست کر دیا ہے، یہ دو۲ سسر خاندان کے چراغ باہم یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، منشی احمد علی کے تعلقات، صفدر کی نگرانی، اور قریب تر پیدا ہو جانے والے خاندانی رشتہ ناطے کیوجہ سے اُن کا حشمت مرزا کے گھر میں آنا جانا تھا اور اُن سے اندر کوئی پردہ ہی نہیں کرتا تھا!

اسی طرح آفتاب اور صفدر کی یکجائی، اور آفتاب کے لیے احمد علی کی خواہر زادگی حشمت مرزا کے ہاں اندر جانے آنے کی سبب ہوئی؛ آفتاب کی خوبصورتی اور طفلانہ شوخی، ذہانت طبعی زیادہ تر اسباب ہوئے کہ صفدر کی بڑی بیوہ بہن نے آفتاب کو خاندان میں باقاعدہ اپنا بھائی بنالیا، اور اب ازدیاد محبت و مراسم کے لیے ایسا ہونے لگا کہ آفتاب جمعرات کی شب سے جمعہ کے دن بھر تک صفدر کے گھر رہا کرتا، . . . . . .

اب جہاں سے کہ ہمارا قصہ شروع ہوتا ہے ۱۳۲۰ء میں، جمعرات کی

شام صفر کا مہینا ہے موسم اچھا خاصا خنک اور سرد ہے ابتدائی تاریخوں کی
وجہ سے اور کچھ گہرے بادلوں کا ہجوم کہ فضائے فلک پنبہ پوش ہے! اور
ضیائے مہتاب برودت زمہریر سے متاثر ہو کر لکۂ ابر میں روپوش ہو گئی ہے
اس دیوان خانے میں تقریباً ۹ بجے شب کے ہمارے دونوں نوجوان آفتاب و
صفدر مشغول مطالعہ ہیں، دونوں کی عمریں ۱۹-۲۰ کے درمیان میں حیات بلوغ
تک پہونچنے والی لڑکپن کی ادائیں گو دلآویز تھیں، مگر شباب کے آغاز کے
انداز بھی عجب دلکش ہوتے ہیں، صفدر گو بیڈول ہے مگر جسم کی گدازی نے
اس پیاری جسامت سے جو قدرت نے خوبصورت آفتاب کو بخشی ہے بہت
دور رکھا ہے! خد و خال، رنگ و خو، گفتار و رفتار میں بین فرق ہے!
مختصر یہ کہ صفدر کو کمتر اور آفتاب کو بیشتر خدا نے خوبصورتیوں کا مالک
بنا دیا ہے! اک سکوت عام کو صفدر کے خطاب نے توڑا اور آپس میں یوں
سلسلۂ کلام شروع ہوا۔

صفدر۔ بھائی آفتاب آج کیا دن ہے؟ جمعرات،.... آج تو بھائی یہیں ہو گے

آفتاب۔ ہاں بھائی جمعرات ہے یہیں رہوں گا۔ مگر بھائی ہمارے تمہارے
امتحان کے دن جوں جوں قریب آتے جاتے ہیں، اک سہم سا چڑھتا جاتا ہے

صفدر۔ بھائی سچ کہتے ہو، مگر بھائی تمہیں کیا غم تمہاری ذہانت، محنت، کیا کم ہے
اور پھر یہ کہ امتحان پرائیویٹ ہے،

آفتاب۔ صفدر مڈل ٹوٹ کے انٹرنس رہا۔ اور طرفہ یہ کہ نصاب بہت سخت ہو گیا
ہے، اور پرائیوٹ کی نہ کہو ہم رعایت نہیں چاہتے اور نہ چاہنا چاہیے
خدا ہمیں اور تمہیں کامیاب کرے!

صفدر۔ بھائی آفتاب تم اچھے تمہارا بہت سا کام جیبیں کر رکھتی ہیں اور آجکل تم

تو تمھیں وہ کام مفت داخل ہوتا ہے، کیونکہ پڑھائی کی تمھیں فرصت نہیں۔
آفتاب۔ صفدر یہ بھی کوئی کام ہے جو کاہیاں حسینوں سے مزین کر کے ملا دی جائے، اور مفت کی جو کہو تو میں انوار سہیلی کے سبق روزانہ اب بھی لیے جاتا ہوں ا۔ اور پھر جیسے تو مجھسے میری ہر قسم کی خدمت کی حق دار
صدر۔ خیر بھائی اب ۱۰ بجے ہیں، چلو اندر چلو کھانا کھائیں، ورنہ آج مطالعہ اب ختم کر دو۔ حبیبہ تمھیں کل تمھارے نہ آنے کی وجہ سے آج بہت یاد کر رہی تھیں، چلو، یہ کہتے ہوئے دونوں مکان کے اندرونی حصے میں داخل ہو جاتے ہیں، . . . . . .

(۲)

منشی احمد علی کا مکان

صفدر کی خوشدامن رابعہ بیگم جو ایک پستہ قامت، چھریرے سے بدن کی منٹ میں پچاس مرتبہ گردش کرنے والی آنکھ کی، شریف گھرانے کی عورت ہیں آج طبعاً کسی گہرے خیال میں کسی نئے منصوبے کی بحث و نپر میں مصروف میں لگ رہے گا ہے ادھر اُدھر دیکھ لینے سے مغموم مگر متجسس نگاہیں عجب بےچینی اور رازوں، اور بھیدوں سے پُر ادائیں پیدا کر رہی ہیں؛

۸ بجے، صباح سویرے نماز پڑھنے گئے، منشی صاحب تشریف لائے تو بیگم صاحبہ اٹھیں اور کہا کہاں سے گئے تھے، . . . . . بی بی کو مغموم و متفکر دیکھ منشی صاحب۔ کہو خیریت ہے مغموم کیوں ہو؟
بیگم۔ ابھی اب نصیبن، تمھاری نسیمہ (منشی صاحب کی بڑی بیٹی) کے نیچے ظہیر کی علالت کی خبر لائی، چار روز ہوئے میری رضیہ اپنے میاں

صفدر دولہا کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ تنہائی اور پہر رات کی گرمی پلک سے پلک نہیں جھپکی۔ مفہوم تو نہیں مگر دل پریشان ہے۔ اب تم ذرا نسیمہ کے بچے کی خیر صلہ لیتے جانا اور میری رضیہ کو بھی (ساتھ مہینہ ہوئے صفدر کے ساتھ منشی جی کی لڑکی رضیہ کی شادی ہو چکی ہے۔) آج بلا۔

جواب! مجھے کل شام کو ظہیر کے والد ملے تھے تو کہا تھا کہ ذرا اس کو گرمی کیوجہ نزلہ اور حرارت ہو جاتی ہے کچھ ڈر نہیں۔ رضیہ کو آج تبعرات ہے کہلا بھیجو کہ کل جمعہ ہے۔ بھیجدینا۔ پریشان ہونے کی کیا بات ہے

بیگم۔ مجھے تمھاری بعض باتیں بہت ناگوار گذرتی ہیں دنیا زمانہ میں کہیں بھی دستور ہے کہ ساڑھے چھ مہینے کی بیاہی بچی پانچ پانچ روز سسرال رہے اور پھر اُس کا باپ کہے ابھی نہ بلاؤ واہ وا وا۔

جواب۔ ہاں صاحب بیشک زمانہ ترقی کر رہا ہے۔ تمھارے گروہ کی آزادی اور حقوق کے بہی خواہ اور حامی بہت سے پیدا ہوگئے ہیں اب تہذیب جدید یہی سکہائے گی کہ خاوند کے افعال خواہ وہ اپنی نوعیت میں صحیح ہوں یا غلط اچھے ہوں خواہ برے۔ مگر بی بی کو یہ حق حاصل ہو گیا ہے کہ وہ دخل دے یا اپنی مرضی اور ناراضگی کا اوسپر علانیہ اور برابر اظہار کرے۔ اسنو رضیہ کو اُس کے گہر چہوڑنا بنسبت اوس کے یہاں رکہنے کے زیادہ بہتر ہے۔ میاں بی بی اگر خوش رہیں تو اُن کی آئندہ زندگی نعمت و برکت بہری بسر ہوگی، ہمیں کوئی ضرورت نہیں جو اس میں دخل دیں اور خلل ڈالیں!!

کل جب میں صفدر کے ہاں بغرض سمجہانے حساب تحصیل کرایہ گیا تو اثنا ربیان میں کنایۃً کہا تھا کہ تم کب آؤ گی، تو مینے دیکھا اوسپر اُس کے

خاوند کی ایک معنی خیز نگاہ پیغام رساں نظر پڑی! اوس کا مطلب اُسی نے سمجھا ہوگا، مگر مجھے صرف اُس کی نظروں نے اور زبان حال نے جواب دیا کہ خاوند کی مرضی نہیں، اُس نے مجھے دیکھکر خاوند کو دیکھا اور گردن جھکا کے چپ ہوگئی!

رضیہ کی ماں ہم تم پرورش کر چکے، اب ہماری سچی خوشی بس یہی ہے کہ یہ دنیا میں خوش و خرم، اور باہمی انس و محبت کی زندگی بسر کریں، رہا جمعہ کو جو بلانے کو کہا تو اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ ایک دن اور بڑھا دوں، نہیں آج جمعرات ہے، شام کو آفتاب (منشی جی کا بھانجہ) وہیں رہنے گا رات کو سب اپنے خوش خوش رہیں گے اور رضیہ بھی بھائی سے مل لے گی، اگر آج بلا لیتیں تو آفتاب کہتا ماموں نے رضیہ کو ایک دن بعد ہی بلا لیا ہوتا تاکہ ہم بھی مل لیتے!"

بیگم! آپ ناراض نہوں برسبیل دایت میرے منہ سے نکل گیا کہ مجھے . . . ناگوار ہے خیر! مگر میں تم سے ایک بات کہنی چاہتی ہوں ذرا غور سے سنئے گا! ہماری رضیہ کی جب شادی ہوئی اور مہمانداری میں بہت سے مہمان اپنے اور پرائے آئے، تو اکثر عورتوں کی زبان پر تمہارے آفتاب اور جمیلہ اور اوس کی بڑی بہن کے تعلقات کے ذکر تھے کہنے کی مختیں دنیا میں ہوا کرتی ہیں مگر ایسے چرچلے، اور چاؤ نہیں سنے مہر سلطان جو انہیں کے محلے میں میری خالہ ہیں کہتی تھیں، بوا چودھویں صدی، نیکی کم زیادہ بدی! جو نہو تھوڑا ہے!

مسٹر آفتاب دن دن بھر گھر رہتے ہیں، ہارمونیم بج رہا ہے گانا گا رہے ہیں جمیلہ ماشاء اللہ خاصی سیانی ہے! مگر آفتاب کے پاس سے ٹس سے مس نہیں ہوتی! بہن اور بھائی کہنے کو زبان پر خطاب ہے۔ ورنہ خاصی

لیلیٰ اور قیس کا مضمون ہے، بیٹھ دیکھا شام کو سیر کو چلے قیص صاف شفاف
ڈبل استری ہوئی ہوائی پہنی، پٹہ (کالر) بند گلے میں بند یادہ بھی آفتاب
کے ہاتھ سے نہیں بلکہ حبیبہ بیگم کھڑی بٹن لگا رہی ہیں، سنگار سے فراغت پا
سدہارے اور اب حبیبہ ہیں اُن کی غیر حاضری میں ایک اُن کی ہی سامان
کی درستی میں مصروف ہیں، باقی کام کچھ نہیں، اور کچھ نہیں تو دونوں بیٹھے
ہیں برائے بودن کتاب آگے دھری ہے اور باتیں ہو رہی ہیں، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
الغرض خالہ نے ایسی ایسی باتیں کیں جو سنانے کے قابل نہیں، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
ماشاءاللہ آفتاب بھی ہوشیار ہوگیا ہے، اللہ رکھے شادی ہوگی تمہاری بہن
اس رشتہ میں تم سے مشورہ کریں گی ہی، ورنہ سننے میں یہ بھی آرہا ہے کہ آفتاب
اور حبیبہ کی منگنی ہوجائے گی پیغام سلام شروع ہوگئے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

منشی احمد علی: لاحول ولا تم بھی کیا آدمی ہو۔ ساری داستان جھوٹی مگر لغو
اور مہمل۔ رضیہ کی ماں! حبیبہ اور آفتاب اس قدر شریف طبیعت کے
بچے ہیں کہ سبحان اللہ! میں نے آجتک اون کو آپس میں خلا ملا اور
بے تکلف نہیں دیکھا، سوائے حبیبہ کو ادب سے بھائی کہتے، اور اُسکو
پیارے بہن کہتے میں نے کچھ نہیں سنا! تم ہرگز ایسی باتیں مجھے
مت سنایا کرو۔ صدمہ ہوتا ہے، زمانہ کا رنگ بُرا ہے جب ہم تم ایسی
باتوں پر کان دھریں گے تو زمانہ کو حکم ہوگا کہ ایں از خالی علت نیست
رہا آفتاب کی شادی کا مسئلہ ابھی زیر غور بھی نہیں، تجویز تو کجا! ہاں اگر حبیبہ
سے آفتاب کی شادی ہو بھی جائے تو جوڑ عمدہ ہے، خیر اب اس ذکر
چھوڑو، ناشتہ لاؤ! ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

باقی آیندہ

انتہائے حمیت

گذشتہ سے پیوستہ

ہم تمہید میں اس راز پر بحث کر چکے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ ہم کو مولانا کے ان افعال پر مطلق اعتراض نہیں مسلمان مشہور و مقبول نکاح سنت رسول تھا کیا تو اچھا کیا محبت جو ہر انسانیت تھی جتنی بھی کی خوب کی بہت خوب کی جاؤ بیجا سے ہمیں بحث نہیں ہمیں صرف اُن واقعات سے تعلق ہے جن کا اثر بالواسطہ یا بلا واسطہ یوسفی اور صادقہ پر پڑا اس نکاح یا نتیجہ نکاح سے بچیوں سے کیا واسطہ ان کے عاشق زار ما اور باپ دونو موجود تھے ایک دادا کی محبت نہ رہی تو نہ سہی جان چھڑکنے والی ماجو بیچے کی اتنی بھری پڑی کہ ساس اور سسرے دونوں کو مول لیکر چھوڑ دے زندہ اور آنکھیں بچھانے والا باپ جو باپ اور سوتیلی ما دونوں سے کیا باعتبار شروت اور کیا بلحاظ عزت افضل و اعلیٰ موجود۔ مولانا ایک چھوڑ پچیس نکاح کریں نت نئی سیج سجائیں اور صبح شام دلہنیں لائیں صادقہ اور یوسفی دونوں کی بلا سے مگر ما کی موت نے بچیوں کی کمر توڑ دی اور پانچ سات برس کی دونو معصوم بچیاں چشم زدن میں بے ما کی ہوگئیں اس موقعہ پر باپ کی محبت کا اعتراف نہ کرنا صاف بے ایمانی ہے وہ پہلے اگر باپ تھا تو اب باپ اور ما دونوں ما کی بچیوں کو آٹھ آٹھ اور دس دس نوکر ہوتے ساتھی اپنے ہاتھ سے نہلاتا۔ کھلاتا اور پہناتا ان بدنصیبوں کا بھی اگر اب لے دے کر کوئی سہارا تھا تو باپ عاشق زار دادی اور جیتے

جا گئے دادا کو کہو کر ایک باپ یا ما تہا جسکی نازبرداری اُسوقت سے اور آجتک مُنبطِر ہے مگر زمانہ نے پہر رنگ بدلا اور ایک چھ ہی مہینہ کے اندر اندر ان ماں بچیوں سے باپ بہی ہمیشہ کو چہوٹ گیا اور دادا کے گہر کے سوا کوئی اتنا سہارا بھی نہ رہا جہاں بیٹھکر صبحکو شام اور پیٹ کر رات کو بسر کر دیں۔ پہوپی اور خالا چچا اور ماموں موجود سب تھے مگر کس کی بکری اور کون ڈالے دانہ گہاس کسکو پڑی تہی کہ باپ کے بگاڑ تا اور بچیوں کے سر پر ہاتھ رکہتا +

(۳)

مولانا کی جیتی بیگم کی سرکار تو کبھی کی بن چکی تہی کنبہ بہر میں کسی کی مجال نہ تھی کہ ٹیڑہی آنکھ سے دیکھ لے نندیں کیا اور دیورانیاں کیا سب پاؤں کی خاک تہیں۔ سپّلے پر شوہر گرہ میں روپیہ ڈرے اس کی جوتی دیلے اسکا صدقہ۔ جب قدرت کے زبردست ہاتھ نے ان دونو مصیبت کی سچی تصویروں کو بے والی وارث کردیا تو بچیاں چالیس ہزار روپیہ کی جائداد پانچہزار روپیہ کے زیور کی مالک تہیں اور دس ہزار کا حصّہ ترکہ پدری کا اس جائداد میں تہا جو دادا کے نام اور دعوی کے قبضہ میں تہی۔ ننہیال اور ددھیال کا خاتمہ تو کبھی کا ہو چکا تہا صرف ایک دادا کا دم باقی تہا آدھی کے قریب رات گذر چکی تہی کہ مرنے والے باپ نے بستر مرگ پر باپ کو بلایا دونو بچیوں کو سپرد کیا اور جاں بحق تسلیم کی۔ پہولوں تک بچیاں اپنی محلسرا میں رہیں مگر چوتہے روز صبحکا سہانا وقت تھا کہ یوسفی اور صادقہ دادا کے گھر میں داخل ہوئیں آسمان و زمین ان بہولی بہولی صورتوں کی بیکسی پر آنسو بہا رہے تھے مولانا یوسف کے مکان کا چپہ چپہ ان کی غربت پر رو رہا تھا۔ پندرہ روز گذرے ہوں گے کہ ماما ئیں موقوف کی گئیں اور جو بچیاں باپ کے گلے میں بانہیں ڈال کر سوتی تہیں لپٹ لپٹا کر

ایک جگہ پڑجاتیں۔ مولانا یوسف کو موت موٹے موٹے حرفوں میں لکھی دکہائی دے رہی تھی مگر بجائے اس کے کہ کمبخت توبہ استغفار کرتا ظالم بے ایمانی پر آمادہ ہوگیا اور تمام جائداد جس میں تیم بچیاں حصہ دار تہیں بیوی کے نام لکھدی جو ستم ان دونوں میاں بیوی نے ملکر معصوم لڑکیوں پر کیا اور جیسے جیسے ظلم توڑے ان کے خیال سے کلیجہ منہ کو آتا ہے جن بچیوں کا تین سو سے اوپر نقد کرایہ آسے وہ معصوم و مظلوم بچا بچایا ٹکڑا پیٹ میں ڈال لیں اور جنکو بیگم بیگم کہنے والے ایک دو نہیں بیسیوں موجود تھے وہ دادی کو سرکار صاحب کہہ کر پکاریں کلیجہ پھٹنے والا وقت وہ تہا۔ جب ان بے وارثیوں کا زیور توڑ شقی ازلی دادا نے بیوی کی مالا بنوائی ہے رشتے کی پہوپی اور حقیقی خالہ سب ہی موجود تھے۔ مگر کسی نے اتنا تک نہ ٹوکا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیا کر رہے ہو

پورا ایک سال اس طرح گذرا کہ دو نو بچیوں نے ٹکڑے کہائے اور جیسے تھڑے پہنے سینکڑوں سر دو سیرا انگور انار سنگترے نرلیوں سے آتے اور حسرت نصیب بچیاں دادا دادی کا منہ دیکھا کیں ... جاتیں۔ چھوٹی نا سمجھ تھی ضد کرتی اور پٹتی۔

(۴)

برسات کے موسم میں جب یوسفی قافلہ باغ حیات آباد میں جھولا جھولنے گیا ہے اُس روز کے واقعات کلیجہ دہلا رہے ہیں صبح کا وقت تہا مولانا اور بیگم بارہ دری میں تھے۔ ایک ماما پان بنا رہی تھی یوسفی کو کڑھائی تلنے کا حکم دیا گیا آٹھ برس کی جان جس نے کبھی طشتری تک نہ دہوئی تھی کڑھائی ناکہہ چولہا جہونکنے بیٹھی آسمان پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تہا بادل زور شور سے کڑک رہا تہا اور بجلی کی چمک آنکھوں میں گھسی جاتی تھی اسوقت یوسفی کو

مری ہوئی وہ ما یاد آئی جو بادل کے نام سے تھرا اُٹھتی تھی ادھر کڑک ہوئی اور اُدھر وہ مرغی کیطرح دونو بچیوں کو کلیجے سے لگا کر ہ میں دبکی ماکا خیال آتے ہی بدنصیب بچی کے آنکھ میں آنسو آ گئے کڑک کی آواز سنکر جان نکلی جاتی تھی مگر اتنی ہمت نہ تھی کہ کڑاہی کے پاس سے اٹھ جاسے دفعتہً بادل اس زور سے گرجا کہ سننے والوں کے اوسان جاتے رہے ماما بھی بھاگ کر بارہ دری میں جا چھپی۔ مامتا کی ماری ما اور کلیجہ سے لگا کر سلانیوالا باپ زندہ تھے تو دیکھتے کہ آنکھوں کا تارا یوسفی اس قیامت خیز کڑک اور چمک میں جامن کے درخت کے نیچے بیٹھی ٹکیاں کتر رہی ہے بادل کو گرجے مشکل سے دو منٹ ہوئے ہونگے کہ بجلی چمکی اور چمک کر اس بدنصیب بچی پر گری جامن کے درخت نے یوسفی کے باپ کا حق نمک ادا کیا اور بجلی کو اپنے سر پر لیکر خاک سیاہ ہوگیا۔ تاہم درخت کا ایک ٹہنہ ایسا آکر گرا کہ بدنصیب لہولہان ہوگئی کامل تیس منٹ تک یہ بچی بیہوش پڑی رہی اور تقدس مآب مولانا کو پوتی کا دھیان تک نہ آیا مینہ وہاں ایسں پڑ رہا تھا کہ صادقہ بہن کو دیکھ کر بیتیابانہ دوڑی چینی کی قعب میں شامی کباب رکھے تھے ٹھوکر لگی اور گر پڑی قعب چورا ہوئی کباب لت پت۔ ہمدردی کرنے والا نہ اب کوئی تھا اور نہ بچیوں ہی کو اب کسی سے توقع تھی قعب کے ٹوٹنے سے بچی اپنی چوٹ اور بہن کی بیہوشی سب بھول گئی دادی جان کی تھرآلود نظر کا پڑنا تھا کہ صادقہ سہم گئی جانتی تھی کہ قیامت ٹوٹے گی آفت آئے گی پٹوں گی کٹوں گی اور سینکڑوں کوسنے اور نصیحتیاں سنوں گی۔

مولانائے محترم گاؤتکیہ پر سر رکھے بیٹھے تھے اور صادقہ ننھے ننھے ہاتھ جوڑے دادی کے آگے کھڑی اس طرح کہہ رہی تھی۔

سرکار صاحب آپا کو اٹھانے جا رہی تھی"

(۵)

متواتر صدمات اور پیہم تکالیف نے ننھے ننھے کلیجے توڑ دیے اور سال ہی بھر کے اندر دونو بچیاں مردوں کی سی صورت ہو گئیں جس گھر میں ہر وقت دس پندرہ سیر دودھ چولھے پر چڑھا رہتا اس گھر کی بیگمیں مٹھی مٹھی ٹھنڈے نکڑوں کو ترسیں کڑاکے کے جاڑوں میں دن بھر دادا جان کے لال کو بہلاتیں اور رات کو پھٹی سی رضائی میں دونو سکڑ سکڑا کر پڑ رہتیں آٹھ برس کی جان جیٹھ بیساکھ کی گرمی میں پانچ پانچ سیر آٹا پکا کر اٹھتی اور اُف نہ کرتی۔

جس روز مولانا یوسف نے بچیوں کی جائداد بیچکر روپیہ اپنے نام سے بنک میں داخل کیا ہے اُس روز شام کے وقت دونو بہنیں اس محلسرا کو دیکھنے گئیں جس میں پیدا ہوئیں کھیلیں کودیں اور پلیں بڑھیں محلسرا کے چپہ چپہ اور کونے کونے پر حسرت بھری نظر ڈالی اور ایک ایک دیوار کونے سے مل مل کر رخصت ہوئیں مچان کے اوپر کاغذوں کی ایک گدڑی ملی کھولا تو اُس میں یہ خط نکلا:-

"بیگم ۔ ڈپٹی کلکٹری کا امتحان مجھکو تو وبال جان ہو گیا بیٹھا یہاں ہوں دھیان بچیوں میں پڑا ہے پانچ روز پانچ سال ہو گئے صبح اور شام دونو وقت تار سے خیر و عافیت معلوم ہو جاتی ہے مگر دل کا کیا علاج کروں کہ دم بھر کو چین نہیں ۔ بیگم تم میری بچیوں کو بعض دفعہ بُری طرح گھرک دیتی ہو یہ تو تمہارا منہ دیکھ کر چپ ہو جاتی ہیں مگر میرا کلیجہ کٹنے لگتا ہے خدا کے واسطے میرے پیچھے میری بچیوں کا دل ہاتھ میں رکھنا بیگم یہ تم سے لاڈ نہ کریں تو کس سے

کریں یہ بچیاں نہیں کلیجہ کے ٹکڑے ہیں میری التجا قبول کرنا اور
بچیوں کا دل میلا نہ کرنا۔

اس خط کو پڑھ کر بڑی کی آنکھوں میں باپ اور ماں کی تصویر پھر گئی خط کو
بوسہ دیا چھوٹی کو سنایا اور ایک چیخ مار کر دونوں لپٹ گئیں گھنٹہ بھر تک پھوٹ
پھوٹ کر روئیں رو دھو چکیں تو محلسرا کو الوداع کہتی ہوئی رخصت ہوئیں بڑی
گو بچہ تھی مگر چھوٹی سے پھر سمجھدار تھی ضبط کیا مگر چھوٹی پانچ برس کی جان
محلسرا سے ایسا داغ لیکر چلی جس نے ننھا سا کلیجہ بھون دیا۔ برس بھر کا چھوٹا
ہوا باپ جس کے سینہ پر لوٹتی تھی یاد آگیا اور ایسا یاد آیا کہ پھر نہ بھولا۔
روتی ہوئی آئی بلکتی ہوئی لیٹی اور ہچکیاں لیتی ہوئی سوگئی آدھی کے قریب
رات گذری ہوگی کہ اس نے ابا ابا کہہ کر ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوگئی
کامل سات روز تک یہی کیفیت رہی کہ ہوش آجاتا تو دو چار چیخیں ابا ابا
کہہ کر مارتی اور پھر آنکھیں بند کرلیتی چھٹے روز رات کے وقت اس کی چارپائی
مولانا کی محترمہ نے ایک اکیلے گھر میں بچھوادی تاکہ انکی نیند میں خلل نہ پڑے
اس شام کو یوسفی بھی اس شدت کے بخار میں گرفتار ہوئی کہ ہاتھ نہ رکھا جاتا تھا
سب سو گئے تو گرتی پڑتی بہن کے پاس پہنچی لپٹ کر پیار کیا اور بہن کی بدنصیبی
پر روتی ہوئی لپٹ کر سوگئی۔

یہ مکان جس میں صادقہ اپنے آخری سانس لے رہی تھی اس کے باپ کا
اصطبل تھا اور وہ بچی جو باپ کی پیاری لاج دلاری تھی جس کو بیگم بیگم کہتے
لوگوں کا منہ خشک ہوتا تھا ایسی حالت میں کہ مٹی کا چراغ تک نصیب
نہ تھا دم توڑ رہی تھی پچھلا پہر تھا مرغ اذان دے رہے تھے کہ یوسفی
نے ماں کو خواب میں دیکھا کہ وہ شانہ پکڑ کر ہلا رہی ہے اور کہتی ہے یوسفی بیگم

سونے کے واسطے تمام عمر پڑی ہے پاؤں پھیلا کر سو لینا یہ وقت سونے کا نہیں ہے صادقہ تم سے رخصت ہوتی ہے لو یہ غنی لو اور میری بچی کو دولہن بنا کر میرے حوالے کر دو۔ تمہارے دادا جان نے جیسی میری بچی کی مٹی پلید کی خدا دشمن کی نہ کرے زیور اور جائداد ہڑپ کرنے والے ہیں انہوں نے معصوموں کا گلا کاٹا اور بن باپ کی بچیوں کو جو سچ مچ کی بیگمات تھیں لونڈیوں سے بدتر بنایا۔

یوسفی بیگم تمہارے دادا جان اس فانی دنیا میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔ آن پونہچا ہے وہ وقت کہ بے وارثی بچیوں کا حقیقی وارث ان کا فیصلہ کرے مگر یوسفی بیگم تم اپنی شرافت کو ہاتھ سے نہ دینا بھوکی رہنا اور ننگی رہنا مگر حرف شکایت زبان پر نہ لانا۔

آہ پیاری یوسف میری بچی صادقہ اسی لایق تھی کہ دم واپسیں اس کے سینہ میں حباب کی صورت کو پھڑک رہی ہو اور اس کا مردہ اندھیرے گھپ میں پھنکوا دیا جائے اگر تمہارے پاس پانی ہو تو دو قطرے اس کے حلق میں ٹپکا دو کہ میری بچی جان کندنی کی تکلیف سے رہائی پائے۔

ماں کی صورت کا نظر آنا تھا کہ یوسفی آنا امّاں کہتی بیتاب ہوکر دوڑی دروازہ کھلا ہوا تھا جوش محبت میں دیوانہ وار ننگے سر گلی میں آئی مگر کچھ نہ تھا مایوس ہوکر پلٹی مٹکے میں نہ پانی تھا۔ بہن کے پاس آئی تو سانس اوکھڑ چکا تھا منہ پر منہ رکھدیا موذن اذان دے رہا تھا کہ بدنصیب صادقہ کی روح بہن کی گود میں پرواز کر گئی۔

راشد الخیری

غزل

بے ثبات اس قدر زمانہ ہے
آجکی بات کل فسانہ ہے

غمزدوں کا جو آستانہ ہے
مرکزِ گردشِ زمانہ ہے

شامِ غم کا عجب فسانہ ہے
ہر سحر اک نیا زمانہ ہے

ہاں بتا کیا صلاح ہے اے برق
قصدِ تعمیرِ آشیانہ ہے

تو ہی کر کام موت کا اے زیست
موت تو خوگرِ بہانہ ہے

دلمیں کیا اصل داغِ حسرت کی
اک درم داخلِ زمانہ ہے

نقش ہیں دل پہ صورتیں کیا کیا
لاجواب اک نگار خانہ ہے

آپکے در سے مجھکو کیا نسبت
کششِ سنگِ آستانہ ہے

تیرے تیرِ نظر سے کیا ہے عزیز
میں نشانہ ہوں دل نشانہ ہے

لکھتے جاتے تھے ہم سوانحِ دل
اب جو دیکھا تو اک فسانہ ہے

کون اس بزمِ ناز میں نہ جلے
شعلۂ شمع تازیانہ ہے

تم سے تھا ارتباط جس دل کو
اب وہ بیگانۂ زمانہ ہے

آپ تک آئیگا مریضِ فراق
روز دو دو قدم روانہ ہے

پڑھ چکے ہم جوابِ نامۂ شوق
دفترِ حیلہ و بہانہ ہے

خوگرِ تیرِ ناز ہے یہ دل
جب سے پیدا ہوا نشانہ ہے

کیا کریگی قفس پہ بھی بجلی
اب ہمارا یہ آشیانہ ہے

مختصر ہو تو غم کے ہیں دو حرف
طول اگر دیجئے فسانہ ہے

اے نظر مثلِ قطرۂ باران
نذرِ غربال آب و دانہ ہے

اصلی قیمت (عہ) رعایتی (عہ) علاوہ محصول۔ آخر اگست ۱۹۱۲ء تک محصول معاف

وصل حبیب کے متعلق ایک تازہ و وقیع رائے

(از مولوی حکیم بشیر احمد خان صاحب دہلوی چیف میڈیکل آفیسر ریاست نوجانہ)

ناول وصل حبیب بذریعہ وی پی وصول ہوا۔ خدا معلوم آپ کی تحریر میں کیا کشش مقناطیسی ہے کہ باوجود عدیم الفرصتی بغیر ختم کیے چھوڑنے کو دل گوارا نہیں کرتا۔ برخلاف تمام ناولوں کے آپ کا رنگ مخصوص ہے اور یہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے۔ آج کل علاوہ مشاغل دربار۔ انتظامات طاعون میں سخت منہمک ہوں۔ اور ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں۔ مگر آپ کے مصنفہ ناول کے واسطے دو راتوں کی پیاری نیند کو قربان ہی کرنا پڑا۔ علاوہ میرے جس شخص نے دیکھا بے حد پسند کیا۔ اور غائبانہ آپ کے مشتاق ہیں۔ ۱۹۔ اپریل ۱۹۱۲ء

مندرجہ ذیل کتب بھی رعایت پر مل سکتی ہیں

سیر ظلمات....	عہ	دیگر دتعیدا	۱۲؍	حلوۂ انیار	۱۲؍
فسانۂ لندن ہر دو حصہ	عہ	فتح اندلس	۱۲؍	عیار شہزادہ	۱۲؍
انتقام کامل	عہ	مقدس نازنین	۱۲؍	روز البرٹ	۱۲؍
غیب اں دلہن	۱۲؍	حسن انجلینا	۱۲؍		

ڈاکٹر برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوائیں

ستائیس برس سے سارے ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں

(۱) دمہ جب زور سے اچھلتا ہو اس دوا کے دو ایک متواتر خوراک سے دب جاتا ہے۔

(۲) نیا ہو اور اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دمہ جڑ سے جاتا ہے۔

(۳) پرانے دمہ والے یا جن کا دمہ دم کا ساتھی ہو گیا ہے وہ بھی اس دوا سے بہت صحت پاتے ہیں۔

دمہ کی دوا ڈاک محصول ایک سے تین شیشی تک ۵ر آنہ قیمت ایک شیشی ایک روپیہ چار آنہ (عہ؎)

مقوی گولیاں ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دوائیوں میں مشہور دوائیں۔ فاسفورس اسٹرکنیا اور ڈمینیا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں۔ مغز ریڑھ رگ، ماس، اور خون کو یہ طاقت دیتی ہیں۔ اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئے معمولی کمزوری ہول دل یا دبھولنا۔ ہاتھ پیر کا پھٹنا، لقوہ۔ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہوتے ہیں دو ہفتہ کی خوراک تین گولیاں کی شیشی قیمت ایک روپیہ (عہ) ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک پانچ آنہ

امراض مستورات کی دوا یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے ہر طرح کا رحم کی بیماری پر درد روگ حمل کی کمزوری پیٹ جانگ میں درد وغیرہ کو مٹا کر اس دوا کے استعمال سے رحم کی خرابی تمام دور ہو کر جسم قوی ہوتا ہے ایک دفعہ اس دوا کی بھی آزمایش کیجئے قیمت ایک شیشی ایک روپیہ (عہ) (۱۲ خوراک) ڈاک محصول ۸ر

ان دوائیوں کی مفصل حالت مع سرٹیفکٹوں کی پوری کتاب بلاقیمت ملتی ہے منگا کر پڑھیے

ڈاکٹر ایس کے۔ برمن

نمبر ۵ و ۶۔ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایجنٹ آغا منصب علی کشمیری دروازہ دہلی میں ہیں۔

فرمائش کے ساتھ اخبار کا حوالہ ضرور دیں۔

جلد ۲ — اگست ۱۹۱۲ء — نمبر (۵)

تمدن

معاشرتی۔ تمدنی۔ ادبی۔ فلسفی۔ اخلاقی۔ تاریخی۔ اور علمی مضامین کا مخزن

ایڈیٹرز: محمد عبد الراشد الخیری۔ شیخ محمد اکرام۔

(فہرست مضامین)

باہتمام محمد عبد الراشد الخیری

قیمت سالانہ قسم اول ۲ قسم دوم ۱ — تمدن ماہ حسن ۱۳۳۰ھ دہلی میں چھپکر شایع ہوا — قیمت فی پرچہ ۴ — کتبہ احقر ابو ظفر ماہر دہلوی

خاک کی چٹکی

فقیری خاک کیوں زیادہ مؤثر اور معتبر مانا گیا ہے۔ اس لیے کہ وہ ریاکاری سے پاک اور اصلی اثرات کا مظہر ہے۔
دنیا کو روزمرہ اس کا تجربہ ہے کہ فقیری خاک کی چٹکی بھی اکسیر اعظم ہے چنانچہ ہمیں بھی ایک مرد با خدا نے نہایت الطاف کے ساتھ آفتابی سرمہ کا نسخہ عنایت فرمایا اور اس سے عام فائدہ رسانی کی اجازت دی۔

تعریفی الفاظ نہ اس کے لیے ممکن ہیں نہ ہم طولانی تقریر سے کام لینا چاہتے ہیں صرف اس قدر کہتے ہیں کہ یہ سرمہ تمام امراض چشم کا کامل اور نہایت مجرب علاج ہے اس کے استعمال سے ایک ایسی نظر قائمہ پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی خوفناک مرض میں مبتلا نہیں ہوتی۔ کم سے کم چالیس دن کا تجربہ اچھی طرح اس کی خوبیوں کا یقین دلا دیتا ہے۔ اور ایک سال کا استعمال گویا زندگی بھر صحت چشم کا ضامن ہے۔ یہ سرمہ محض خاک کی چٹکی نہیں ہے بلکہ اجزاء جواہرات اور نباتات سے بنایا جاتا ہے اور ستارگان کی گردش کے موافق آفتاب کے اثرات اسمیں شامل ہیں اس لیے اسکا رنگ بھی سفید ہے۔ باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت بہت کم ہے فی شیشی چھ ماشہ والی دسے، فی شیشی یکتولہ والی بڑی ایک معہ نقرہ سلائی (دستے) چھ روپے۔

نوٹ پوڑیہ بغرض آزمائش چالیس یوم۔ صرف ایک روپیہ (عہ)

المشتہر

منشی جود احسین پنشنر و مالک کارخانہ آفتابی سرمہ کمبوہ دروازہ میرٹھ



عورتوں سے نکاح کرلو ف۱ لیکن اگر تم کو اسبات کا اندیشہ ہو کہ بیبیوں میں برابری (کے ساتھہ برتاؤ) نہ کروگے تو اسی (صورۃ) میں ایک ہی (بی بی کرنا) یا جو (لونڈی تمھارے قبضے میں ہو اسی پر قناعت کرو۔ ف۲ ناانصافانہ برتاؤ سے بچنے کے لیے یہ تدبیر زیادہ ترقرین مصلحت ہے۔ اور تم اپنی طرف سے بہتیرا چاہو لیکن یہ تو تم سے ہو نہیں سکیگا کہ (کئی کئی) بیبیوں میں (پوری پوری) برابری کرسکو تو بالکل (ایک ہی طرف) مت جھک پڑو۔ کہ دوسری کو (اس طرح) چھوڑ بیٹھو گویا ادھر میں لٹک رہی ہے۔

ہم نے دونوں آیتوں کو ملا کر یہ مطلب سمجھا ہی کہ مسلمان مرد کو وقت واحد میں چار بیبیوں تک کے جمع کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ متعدد بیبیوں میں برابری قایم رکھہ سکے ورنہ ایک پر قناعۃ کرے یا لونڈیوں پر۔ برابری میں ایک طرح کا ابہام تھا تو اسکو آیتہ (۲) سے رفع کر دیا کہ پوری برابری تو تم کر نہ سکوگے تو ایسا ہی نہ کرنا کہ بالکل ایک ہی کے ہو رہو یعنی وہ برابری جسپر تکثیر ازواج کی اجازۃ موقوف ہی اسیقدر ہے کہ آدمی ایک ہی بی بی کا نہ ہو رہے

ف۱ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کرنے کی صورۃ یہ تھی کہ یتیم لڑکی کسی کی سرپرستی میں ہوتی اور وہ اس کے مال وجمال کی وجہہ سے اس کے ساتھہ نکاح تو کرلیتا لیکن نکاح کے بعد اس کے حقوق مہر وغیرہ کی چنداں پرواہ نہیں کرتا اس بیچاری کا کوئی ولی وارث نہ تہا کہ ٹھوک بجا کر اس کے حقوق لیتا اللہ نے فرمایا کہ جب تم انصاف نہیں کرسکتے تو تم ان سے نکاح ہی مت کرو کسی اور عورۃ سے کرلو عورتوں کا دنیا میں کال نہیں +

ف۲ شرع کی رو سے صرف وہ کافر لونڈی غلام ہیں جو جہاد یعنی مذہبی لڑائی میں پکڑے آئیں پھر گرفتار ہوئے پیچھے مال منقولہ کی طرح انکی خرید و فروخت بھی ہوتی رہتی ہے اب اس کو سے اس سے تک سارے ہندوستان میں لونڈی غلام نہیں اور حاکم وقت کی

کہ دوسرے کی بالکل خبر تک نہ لے آیتہ (۱) نے تکثیر ازدواج پر برابری کی بڑی سخت
قید لگادی تھی اور اس کے ظاہر سے ایسا سمجھا جاتا تھا کہ کامل برابری مراد ہے کہ وہ
مرادف ممانعت ہے آیہ (۲) نے اسکو قید سے ڈھیلا کر دیا جس سے معلوم ہوا
کہ تکثیر ازدواج مقدور بشر ہے آیتہ (۲) سے تکثیر ازدواج کا رستہ تو کھلا مگر
کہیں اس کی صراحتہ نہیں کہ مردوں کو تکثیر ازدواج کی کشمکش میں پڑنے کی ضرورۃ
ہی کیا ہے مگر جنکو خدا نے ذہن رسا دیا ہے وہ فساد کم حرف لکھ سے ضرورۃ
مستنبط کر سکتے ہیں اور ہم اس کی تصریح ؟؟ بار کر بھی چکے ہیں کہ عورۃ تکثیر ازدواج
کی محل ہی نہیں مرد ہے تو مرد تکثیر کا حقدار ٹھیرا عورۃ کا محل نہ ہونا اور مرد کا
ہونا ہی مرد عورۃ میں فساد کا موجب ہے عورتیں چاہتی ہیں کہ مرد تکثیر سے
مطلقاً مستفید نہوں مرد تکثیر نامحدود کے دعویدار ہیں اسلام نے مردوں کو
تکثیر محدود کی ڈگری دی۔ اہل عرب اسلام سے پہلے تکثیر نامحدود ہی پر عمل
کرتے تھے اسلام نے تکثیر کو محدود کر کے عورتوں پر احسان کیا اسپر بھی عورتیں
اسلام کے فیصلے سے خوش نہیں ان کی ناخوشی کی ایک وجہ اور بھی ہے
اور وہ معقول ہے کہ مرد کئی بیبیوں میں سے کسی ایک کے حسن صورۃ یا کسی اور
ادا کے مفتوں ہو کر اسی کے ہو رہتے ہیں یعنے آیتہ (۲) کا ممکن سہل کا کرنا
بھی ان سے ناممکن ہو جاتا ہے اذا فات الشرط فات المشروط کی رو سے
مردونکو تکثیر کی اجازۃ سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہیں۔ بات تو واجبی ہے مگر
حبک الشئی یعمی ویصم تکثیر ازدواج کا شوق مفرط اور عیش پرستی مرد کیا باز آنیوالے ہیں

بقیہ نوٹ) طرف سے ہی اس کی بڑی سخت ممانعت ہے اور یہ جو لوگ قحط میں بچے پال لیتے ہیں
یا دوسرے خدمت پیشہ یہ ہم سب کی طرح آزاد ہیں ان کے ساتھ لونڈی غلام کا سا برتاؤ کرنا
گناہ ہے خدا کا اور جرم حاکم کا ۱۲-

خصوصاً عرب کے جاہل جو کسی قاعدے کے پابند نہ تھے ہمارے نزدیک ازواج کو تین چیزوں نے بڑھنے نہ دیا۔ اول درجے میں خوف کثرۃ عیال نے دوسرے درجے میں اسلامی شریعۃ کی تحدید نے۔ تیسرے درجے میں اسلامی فتوحات نے کہ اسیران جنگ میں عورتیں پکڑی آتی تھیں پھر عام دستور بین الاقوام کے مطابق چاہیئے ان سے لونڈیوں کی طرح کار خدمت لو یا بیوی بنا کر رکھو مگر ان سے اولاد ہوگی لونڈی بچے کہلائیں گے شریفوں کی نظر میں ذلیل آیتہ (۱) (۲) کا فیصلہ فیصلہ نہیں بلکہ حکم یعنی ڈگری ہے ہمارے وقتوں کے عدالت کا یہ قاعدہ ہے کہ حاکم عدالت کسی مقدمے کی تجویز لکھتا ہے تو اس میں مدعی مدعاعلیہ کا نام دعوے کی صراحت مدعاعلیہ کا جواب پھر مدعی کیطرف کا جواب الجواب پھر تنقیحات کا ثبوت اور جرح اور فیصلے کے دلائل یہ سب باتیں تفصیل کے ساتھ لکھی ہوتی ہیں اسکو فیصلہ یا تجویز کہتے ہیں اور فیصلے کے نتیجے کو حکم اخیر یا ڈگری کہتے ہیں اسی اعتبار سے ہم نے آیتہ (۱) و (۲) کو حکم اخیر کہا۔ حکام عدالتہ جو لمبے چوڑے مدلل و مفصل فیصلے لکھتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انکی عقل اور معدلتہ پر اعتماد نہیں مگر خدا کی نسبتہ تو ایسا احتمال تو کیا واہمہ بھی نہیں ہوسکتا اسی لیے اگلے مسلمان جو حکم انکو دیا جاتا وہ بے چون و چرا اسکو کان دبا کر تسلیم کر لیتے تھے۔ جیسے ابوبکرؓ کو پیغمبر صاحب نے معراج کا حال بیان کیا ابوبکرؓ نے سنتے کے ساتھ یقین کر لیا اور پیغمبر صاحب کی تصدیق کی اور اسی سے صدیق کہلائے لوگوں نے دلیل مانگی تو کہا کہ پیغمبر صاحب کا فرمانا۔ اب نہ ویسے ایمان ہیں نہ ویسی طبیعتیں لوگ موہنہ سے تو ایمان و اسلام کے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں مگر انکو بے دلیل پوری تشفی نہیں ہوتی یعنی انکو اپنی عقل پر جس کی حقیقت معلوم ہے وثوق ہے خدا رسول کے فرمانے پر نہیں یہ سچ ہے کہ ہم عقل ہی کی وجہ سے

مکلف بالشرائع ہیں اور قرآن میں جا بجا افلا تفکرون اور افلا تعقلون اور افلا تذکرون سے ہم کو خطاب بھی کیا گیا ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس کے ساتھ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا بھی ہے پس سلیم الطبع آدمی کو چاہیئے کہ سوچ سمجھ کر عقل کو دخل دے ؎

نہ ہر جائے مرکب توان تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

سوچنے اور غور کرنے سے قدم قدم پر وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کی تصدیق ہوتی ہے دور کیوں جاؤ روح سب سے زیادہ قریب چیز ہے مگر اجتک کسی سے یہ عقدہ حل نہ ہوا کہ کیا ہے اور جسم سے کس طرح کا تعلق رکھتی ہے لوگوں نے امتحاناً پیغمبر صاحب سے روح کی حقیقت دریافت کی جواب ملا۔ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی جس کے یہی معنے ہیں کہ یہ باتیں تم بنی آدم کی رسائی عقل کی حد سے باہر ہیں اسیطرح ہم نے تکثیر ازواج کے بارے میں بتیرا سوچا کہ شارع نے تکثیر حد غایت چار کیوں رکھی ہے مگر یہی خیال ہوا کہ شاید چار سے تحدید مقصود نہ ہو بلکہ مطلق تکثیر مقصود ہو اور طرز کلام دو دو تین تین چار چار اسپر دلالت بھی کرتا ہے علاوہ بریں ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری زبانوں میں ایک بڑا عدد بولا جاتا ہے اور وہ خاص عدد مراد نہیں ہوتا بلکہ کثرۃ مراد ہوتی ہے ؎

ذبح کر ڈالونگا گر اب کے تو بولا شب بھی   مینے سو بار تجھے مرغ سحر چھوڑ دیا

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب ؎
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است ؎

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی   ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اسی طرح کا ایک واقعہ اعداد کے متعلق پیغمبر صاحب کو بھی پیش آیا تھا

کہ جناب پیغمبر صاحب نے چالیس برس کی عمر میں پیغمبری سے سرفراز ہو کر اپنے
وطن مکے میں جہاں سارے جزیرہ عرب کا معبد ابراہیمؑ کا بنایا ہوا خانہ کعبہ
تھا دین اسلام کی منادی شروع کی۔ خانہ کعبہ کے متولی اور مجاور قبیلۂ قریش
کے لوگ تھے اور یہ قبیلے کا قبیلہ خانہ کعبہ کی خدمت تولیت کی وجہ سے
معزز ترین قبایل سمجھا جاتا تھا پیغمبر صاحب قبیلۂ قریش کے معزز ترین
خاندان میں پیدا ہوئے ہر چند قریش کا ادب خانہ کعبہ کی وجہ سے
تھا اور خانہ کعبہ کا ادب بنائے ابراہیم ہونے کی وجہ سے اور ابراہیم
بڑے پکے موحد تھے یہانتک کہ انکو عقیدہ حقہ توحید کا موجد کہا جائے
تو کچھ بیجا نہیں اور موجد نہ سہی تو مروج اور مجدد ہونے میں تو کچھ شک
نہیں بہر کیف باوجودیکہ اہل عرب نسل ابراہیمؑ اور فی زعمہم ابراہیمؑ
کے مذہب پر قایم بھی تھے مگر مرور زمانہ کیوجہ سے توحید کو چھوڑ کر مشرک
اور بت پرست ہو گئے تھے خدا نے پیغمبر صاحب کو اسی ابراہیمی عقیدۂ
توحید کو از سر نو زندہ کرنے کی غرض سے پیغمبر بنا کر بھیجا توحید کی منادی
کرنا تھا کہ سارا عرب کفنی اعدت دشمنی پر کمربستہ ہو گیا زبان سے ہاتھ
پاؤں سے جو تکلیفیں نہیں پہنچائی تھیں پہنچائیں جو ایذائیں نہیں دینی
تھیں دیں پیغمبر صاحب کامل ۱۳۔ برس فوق البشرانہ صبر و تحمل کے ساتھ
تمام مظالم برداشت کرتے رہے اس ۱۳۔ برس کی مدت میں جو کچھ
تھوڑی مدت نہیں لوگ دستور کے مطابق اطراف و جوانب سے سال بسال
بت خانہ کعبہ کی زیارت کو آتے اور اپنے طور کی پوجا پاٹ کر کے چلے
جاتے اور سمجھتے کہ حج کر آئے ادھر پیغمبر صاحب تبلیغ رسالت کے لیے ایسے
ہی جمگھٹوں کے متلاشی تھے جہاں ہجوم دیکھا جا منادی کی اتفاقاً رسالت

کے گیارہویں برس یثرب کے قافلے والوں سے بات چیت کا موقع پا کر ان کو قائل معقول کیا دعویٰ رسالت کی خبر تمام ملک میں پھیل چکی تھی قافلے والوں میں کچھ لوگ منصف مزاج اور معقول پسند بھی تھے سننے کے ساتھ تھوڑی دیر بعد پہلے ہی وعظ میں چھ آدمی ایمان لے آئے اور مدینے جا کر دوسروں سے سارا حال بیان کیا اور بہتیروں کو اپنا ہم خیال بنا لیا رسالت کے تیرھویں برس ایک جم غفیر پیغمبر صاحب کی باتیں سننے کے شوق میں حج کے دنوں میں مکے پہونچا اور تا کہ مکے والوں کو خبر نہ ہو شہر سے باہر قافلے سے الگ ایک جگہ تجویز کی کہ وہاں پیغمبر صاحب وعظ فرمائیں اس جلسے میں ۷۳ مرد اور ۲ عورتوں نے پیغمبر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور بیعت کے علاوہ جب ان کو قریش کے مظالم کی خبر ہوئی تو انہوں نے پیغمبر صاحب سے التجا کی کہ اگر جناب کسی طرح نا خدا ترس دشمنوں کے نرغے سے نکل کر مدینے تشریف لے آئیں تو ہم اپنی جان و مال و عیال کی طرح آپ کی حمایت اور حفاظت کریں گے یہ قول و قرار ہو کر قافلہ مدینے کو واپس روانہ ہوا قریش کو ان باتوں کی خبر لگی مگر بہ دیر جب کہ قافلہ ان کی دسترس سے باہر نکل جا چکا تھا مدینے والوں کی بیعت قریش کے حق میں ع سمند ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا لگے پیغمبر صاحب اور ان کے اقل قلیل ضعفا راتباع پر اضعافاً متضاعفہ سختیاں کرنے آخر یہ ٹھیرائی کہ یہ شخص ہمارے دین آبائی کے بُرے پیچھے پڑا ہے تخویف تطمیع سب کچھ تو کر دیکھا کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی آخر الدوا الکی بس اب یا یہ نہیں یا ہم نہیں آؤ آج رات اس کے گھر کو گھیرے پڑے رہیں صبح سویرے نماز کو باہر آئے تو ایک دم سے سب ٹوٹ پڑیں اور اس کا کام تمام کر دیں دیت آئے گی چندہ کر بھر دیں گے جو سوچا وہ کیا مگر ع

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال کارے کہ خدا کند فلک را چہ مجال

لوگ رات بہر گھر گھیرے پڑے رہے اور پیغمبر صاحب راتوں رات پچھواڑے سے نکل اپنے رازدار ابوبکر کو ساتھ لے مکے سے تین میل کے فاصلے پر غار ثور میں جا چھپے آس پاس سارے کونے کھدرے کھوند مارے کہیں پتہ نہ ملا پیغمبر صاحب تین دن چھپے رہ کر اوپری راستے سے بالا بالا مدینے جا داخل ہوئے یہ داخل ہجرت کہلایا جس کی یادگار میں مسلمانوں کا ہجری سنہ چلا مدینے میں ہجرت سے پہلے ہی اسلام نے بہتیرے دلوں میں جگہ کر لی تھی پیغمبر صاحب کے تشریف لانے سے لوگ ایسے گرنے شروع ہوئے جیسے شمع پر پروانے لیکن باغ میں گل کے ساتھ کانٹے ضرور ہوتے ہیں مکے میں قریش تھے تو یہاں مدینہ میں یہود کہ یہ لوگ مدینہ اور حوالی مدینہ میں کثرت سے آباد تھے اور ہر طرح کا اقتدار رکھتے تھے موسے کی امت اور توراۃ کی پیشین گوئی کی رو سے پیغمبر آخر الزماں کے منتظر بھی تھے مگر پیغمبر موعود کو از خود نسل اسحٰق سمجھ رکھا تھا اور نہیں چاہتے تھے کہ شرف نبوۃ ان کی قوم سے کسی دوسرے کیطرف منتقل ہو۔ چونکہ پیغمبر صاحب اسحٰق کے بڑے بھائی اسمٰعیل کی نسل میں تھے یہود نے اپنی اولی خصوصیت کی بنا پر پیغمبر صاحب سے ضد او خسطہ کا بیر باندھ لیا تھا۔ لگے توراۃ کی پیشین گوئیوں میں طرح طرح کی تحریفیں کرنے غرض مدینے کے یہود پیغمبر صاحب کی مخالفت میں قریش مکہ سے بھی چند قدم آگے تھے یہود کے علاوہ خود مدینے کے اصلی باشندوں میں سے بھی ایکگروہ پیغمبر صاحب کے روزافزوں اقتدار کا حسد رکھتا تھا۔

باقی آئندہ

اسلام اب کہاں رہتا ہے!

کل جو اک سنسان جنگل میں ہوا میرا گزر — آہ! اک ٹوٹی سی مسجد دور سے آئی نظر
اک کشش پیدا ہوئی ایسی کہ میں بے ساختہ — اوسکی جانب کچھ چلا، دل باختہ جاں باختہ
جاکے، دروازے کے اندر جب رکھا میں نے قدم — صحن میں گھانسوں کو پایا قد آدم کم و کم
جم گئی تھیں کائیاں رنج کی ہوئی دیوار و منبر — سبز مخمل کا غلاف اک، تھا چڑھا مینار و منبر
ایک کونے میں تھا واں پختہ کنواں بد تر ز خام — غسلخانہ ایک گوشے میں قریب الانہدام
آشیانے طائروں کے تھے کسی محراب میں — جاگتے تھے جن میں بچے، کچھ تو کچھ تھے خواب میں
سر سے پا تک بے مرمت تھی وہ بے تعمیر تھی — الغرض مسجد نہ تھی، حسرت کی اک تصویر تھی

مجھکو اک حسرت ہوئی یہ ہو کا عالم دیکھکر — گھر کو مالک کے غم و یاس مجسم دیکھکر
صحن میں آکر میں سوئے آسماں تکنے لگا — جوش غمناکی میں آکر اس طرح بکنے لگا
پہلے جو کچھ شک و شبہ تھا، وہ زائل ہوگیا — آج تیری بے نیازی کا میں قایل ہوگیا
کالعدم اسلام، اور مفقود یاں ہو تو ہو — اپنے گھر کی بھی نہیں پرواہ، ویراں ہو تو ہو

میں اسی جھنگی میں تھا گویا، کہ اک خوش رو جواں — ایک گوشے سے اسی مسجد کے نکلا ناگہاں
صحن مسجد رشک عرش معلا ہوگیا — محو حیرت تھا جو میں، محو تجلا ہوگیا
ہائے وہ قامت کی سج دہج، او سیہ وہ زلف دراز — ابروئے پرخم تنی، چتون میں بل تیور میں ناز
جبین پیشانی پہ صدقہ سو ہلال ماہ عید — چشم حق بیں وہ، کہ جس کے سیر کنعاں بھی مرید
ساعدِ سیمیں مصفے صورت شاخ بلور — سینۂ صافی مثال سطح دریائے نور

ہوا بھی محشر بپا، انداز یہ رفتار کا　　　　آرزوئیں جی اٹھیں اعجاز یہ گفتار کا

عرض کی میں نے کہ اے سرمایۂ حسن و جمال　　　　سچ بتا مجھکو، کہ ہے تو کس چمن کا نونہال
اس گھنے جنگل میں سایہ ہے! کیا عرض کرتا ہے تو　　　　ہائے یہ سنسان مسجد، اور تجھ سا خوبرو!
حور ہے تو، یا فرشتہ، یا پریزادوں میں ہے؟　　　　یا ہمیں ناکام جیسے خانہ بربادوں میں ہے؟

کھینچکر ایک آہ اوس نے، تمام کر لیا تو سنبھل　　　　کیا کہوں کیونکر سنایا یہ جواب جانگسل
میں فرشتہ ہوں نہ جن و انس، اک ناکام ہوں　　　　میں زمانے کا ستایا مذہب اسلام ہوں

اب جگہ ملتی نہیں لوگوں کے دولت خانوں میں
اس لیے رہتا ہوں چھپ کر میں انہیں ویرانوں میں

تمنائے عمادی پہلواروی عظیم آبادی

عصمت جسطرح یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ قوم کی ترقی کا انحصار تعلیم النسوان پر ہے
اسی طرح اس میں بھی کلام نہیں کہ رسالہ عصمت لڑکیوں کے واسطے ایک بیش بہا نعمت ہے
جس میں خانہ داری تعلیم و تربیت ۔ مذہب وغیرہ پر منتخب اہل قلم کے مضامین نکل
رہے ہیں
عصمت کنواری لڑکیوں کو فرمانبردار بیویاں اور بیویوں کو سلیقہ شعار گھروالیاں
اور سگھڑ مائیں بنانے کے واسطے ایک لاجواب چیز ہے۔ جوش قیمت کاغذ اعلےٰ
[illegible] چھپائی [illegible] اور تصویروں سے مزین ہو کر ہر مہینہ شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ ہے

مہتمم عصمت تمدن دہلی

کیا مذہب بنی نوع انسان کیلئے مفید ثابت ہوا ہے

یہ ایک فیصل شدہ سوال ہے اگرچہ کہ مذہب کی تحقیق انسان کے لیے ایک نہایت ضروری فرض ہے اس لیے اس پر بحث کیے جانا تو تعجب خیز نہیں لیکن ایک اجتہادی راستے سے غلط خیال قایم کرلینا بیشک تعجب کی بات ہے۔

حضرت زمزمہ نے جون سکے تمدن میں ایسی ہی غلط رائے قایم کرنے کے لیے کہ مذہب فضول اور نقصان (پہونچانے والی چیز ہے) جن وجوہ پر استدلال کیا ہے وہ ایک عجیب پیرایۂ تحقیق ہے فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ مذہب کے لیے عام طور پر دو خیال ظاہر کیے جاتے ہیں۔

اول یہ کہ مذہب ایک فضول چیز اور انسان کے لیے سخت نقصان پہونچانے والا ہے۔

دوسرا یہ کہ مذہب ایک نعمت ہے اور انسان کے لیے مذہب مفید ثابت ہوا۔

میرا خیال ہے کہ ہر چیز کے لیے اسیطرح متضاد خیال قایم کیے جاسکتے ہیں اور جس طرح یہ خیالات آسانی سے قایم کیے گئے ہیں اوسی طرح آسانی سے صحیح نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے۔ مثلاً ہر قول کے قایل اور ہر خیال کے مدعی کو پیش نظر رکھکر اوس کی لیاقت اور قابلیت کے ساتھ کثرت اور قلت پر نظر کرلی جائے۔

اگر ہم (الف) اور (بے) دو امتیازی نشان قرار دے لیں اور پھر (الف) کے نیچے پہلے خیال والوں کو اور (بے) کے سایہ میں اس کے مخالفوں کو جمع کریں تو ظاہر ہے کہ مغربی افریقہ کے اور زار برہنہ انسان کا گوشت رغبت سے کہا جانے والے وحشی۔ آسٹریلیا۔ ادور ادور

غیر ترقی یافتہ جزائر کے جنگلی۔ اسکیمو قوم کے آدمی کھجوروں کے جھالردار پنکھوں سے ستر عورت چھپائے ہوئے۔ یا قطب شمالی وجنوبی کے برفستانی۔ جانوروں کی ایسی کھالوں سے ڈھکے ہوئے جن پر بڑے بڑے بال نہیں نظر آئیں گے اسوجہ سے کہ یہ کسی مذہب کے ماننے والے آدمی نہیں ہیں۔ ان کو الف کے نیچے ہی جگہ پانے کا حق ہے۔ کچھ اور آدمی ایسے نظر آئیں گے کہ جن کو کرامت اور اوستدراج معجزے اور شعبدے میں تمیز کرنے کی لیاقت مرنے کے وقت تک حاصل نہیں ہوتی۔ ایسے آدمی جو انسانی کمزوری کیوجہ سے نفسانی خواہشوں کے شکار ہو گئے ہیں۔ یا وہ جنھوں نے مذہبی تعلیم کو حاصل نہیں کیا اور اسوجہ سے اونکو ترقی حاصل کرنے کے لیے کوئی سیدھا راستہ نہیں ملا ہے۔

قس علیٰ ہذا۔ مذہب کے نہ ماننے والے یا مذہب کو فضول اور نقصان رساں کہنے والے یا وحشی اور جنگلی ایسے آدمی ہوں گے۔ جن کے لیے شائستہ مخلوق اون کے انسان یا حیوان ہونے کی ہنوز تحقیقات نہیں کر چکی ہے۔ یا ایسے آدمی ہوں گے جو۔ مذہب کی شائستہ بنانیوالی تعلیم سے نفور اور معذور رہے ہیں

برخلاف اس کے (ب) کے سایہ میں انبیاء علیہم السلام۔ اولیاء کرام علماء عظام حکماء نیک نام۔ مہندس اور ستارہ شناسان ہند۔ و دانایان فرنگ ایسے شائستہ اور ترقی یافتہ لوگ نظر آئیں گے جو انسان کہلانے کے مستحق ہیں اور جن کی تعداد نسبتاً (الف) والے گروہ سے اس قدر زیادہ ہے کہ جن پر کل بنی نوع انسان کے کہلانیکا اطلاق ہو سکتا ہے۔

الغرض اگر ان دونوں خیالوں کے آدمیوں کو ہی دیکھ لیا جاتا تو نتیجہ نکالنے میں غلطی واقع نہ ہوتی عقل سلیم کا عام مسئلہ ہے۔ کہ دانشمند غلطی پر جمع نہیں ہوا کرتے۔

کسی اچھی اور نہایت مفید چیز کی ہزاروں لاکھوں بلکہ بے شمار مسلمہ خوبیوں سے قطع نظر کرنا۔ اور اپنی غلط فہمی اور کجرائی سے ایک ایسی برائی کو جو اُس چیز میں نہ ہو قرار دیکر بہ اصول غلط اوس اچھی چیز پر الزام قایم کر لینا عقل معاملہ فہم کے نزدیک مضحکہ انگیز بات ہے مذاہب کے پیرو اور احکام مذہب کی پابندی کرنے والوں کا دعویٰ ہے کہ

مذہب نے انسان کو جہالت کے تاریک گڈھے سے نکالا۔
مذہب نے آدمی کو ترکیب اور تہذیب کا جامہ پہنایا۔
مذہب نے امن وامان قایم کیا۔
مذہب نے غصہ کی آگ پر صبر و تحمل کا پانی ڈالا۔
مذہب نے جذبات انسانی کی حفاظت کی۔
مذہب نے انسان کو ہمدردی کا سبق پڑھایا۔
مذہب نے روحانی ترقیات کا راستہ دکھلایا
مذہب نے معرفت اور حقیقت کے پر اسرار راز کھولے۔

اور یہ دعویٰ ہی نہیں اس کا ثبوت بھی پیش کر دیا ہے۔ اگر مذہبی کتابوں کو دیکھا جائے تو ظاہر ہو سکتا ہے کہ مذہب نے سب سے پہلے اپنی صداقت کا ثبوت دیا ہے اور اپنا مفید ہونا۔ اتمام حجت کے لیے قوی دلیلوں سے ثابت کر دیا ہے

حیرت کی بات ہے کہ سوال تھا مذہب کے اچھے یا بُرے ہونے کی بابت۔ اور مذہب کے بُرے ثابت کرنے ثبوت میں بُرائیاں پیش کیجاتی ہیں۔ حالانکہ رسم ورواج اور ظالمانہ کیفیات رذیلہ کی۔ یہ بعینہ ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص صداقت پر الزام لگانے کے لیے کذب و بطالت کی برائیاں گنوا کر سچ کو بُرا ثابت کرے۔ بھلا مذہب کو مغربی افریقہ کے وحشیوں کی اس جاہلانہ رسم و رواج

سے کیا علاقہ ہے کہ کسی مردہ سردار کے ساتہہ زندہ چار آدمی دفن کر دیے جاتے ہیں۔ یا جاہلوں کے کسی مردہ بادشاہ کے ساتہہ صدہا زندہ آدمیوں کو مار ڈالا گیا یا جادو کے وہم پر مشتبہ آدمیوں کو پڑہا ہوا زہر کہلایا گیا۔ یہ توہمات رذیلہ کی اتباع ہے۔ نہ کسی مذہب حقہ کی پابندی۔

مسلمات ہے کہ مذہب نے تو ایسے ذمائم قبیحہ کی بیخ کنی کی ہے۔

الغرض جاہلانہ رسم و رواج اور عامیانہ وہم پرستی کے کارناموں کو مذہب کے کارنامے قرار دینا امتیازی قابلیت کی دلیل ہے۔ ایک سی صفات میں اگر غلط فہمی ہو جائے تو تعجب نہیں مگر متضاد چیزوں میں۔ ایسی غلطی کا پیش آنا تحت خطائے عقل یا فہم کی کمزوری ہے۔

فاضل گریجویٹ کا یہہ کہنا کہ نامعلوم کے معلوم کرنے کی خواہش کا نام مذہب ہے صریح غلط اور انوکھا خیال ہے۔ مسلمات یہ ہے کہ روحانی ترقی سے خدا کی معرفت حاصل کرنے کا نام مذہب ہے۔ مذہب کے لیے ضرورت ہے ایک نبی کی اور نبی کے لیے ضرورت ہے اپنی نبوت کی حجت کو ثابت کر دینے کی معجزات سے خدا کی کتاب کے الہامات، اور صحائف وحی سے۔

خدائے پاک نے نبیوں کو اگرچہ وہ آدمی ہی تہے اتمام حجت کے لحاظ سے ایسی شان و شوکت سے بہیجا۔ کہ بعض کو ان کے انسان سمجہنے میں اب تک تامل ہے بعض نے نبیوں کو خدا کا مظہر قرار دیا۔ اور بعض نے ان کو خدا کا بیٹا۔ یا فرشتہ مان لیا۔ بعض نے ان کو انسان کامل سمجہ کر یہہ کہدیا کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

مذہب کے فضول اور نقصان رساں ہونے کے ثبوت میں فاضل گریجویٹ نے کلیساؤں کی حرام کاریاں صلیبی لڑائیوں کی خون ریزیاں۔ دو پادریوں کی

انتظامی ناقابلیت۔ مذہب ہنود میں ستی وغیرہ کے مذموم مراسم کا جو ذکر کیا ہے یہ بحث پہلی بحث سے زیادہ مبتذل اور کمزور ہے اگر کوئی مذہب کا پابند کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو۔ یا انسانی کمزوری سے کسی بدکرداری کو اپنا شعار بنالے۔ تو کیا کسی ایسے ذاتی گناہ کا بار مذہب کے سر تھوپا جا سکتا ہے۔ مذہب پر اُسوقت تک کوئی الزام عاید نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس مذہب میں ایسے احکام نہ دکھلائے جائیں۔ انجیل پاک میں زنا کے جواز کا کوئی حکم دکھلائے اور پھر عیسائی مذہب پر الزام لگائیے صلیبی لڑائیاں پر جوش تعصب اور جاہلانہ شجاعت کا ولولہ قرار پاتا ہے۔ نہ کسی مذہب کا حکم انجیل مقدس۔ یا قرآن کریم سے ایسا حکم دکھلا کر عیسائیوں اور مسلمانوں کے مذہب پر حملہ کرنا چاہیئے۔

ستی کی رسم ہندوؤں کے ویدوں کا کوئی مذہبی حکم نہیں ہے۔ بلکہ محبت کی فلسفی کا نہایت گہرا اور پُر اسرار راز ہے۔ فاضل ہندوؤں نے اس بستر راز کی اپنی کتابوں میں پوری توضیح درج کردی ہے۔ لہذا اعتراض سے پہلے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

یونانی۔ یہودی۔ عیسائی۔ اور مسلمانوں کے نام کے ساتھ تمام مذاہب قدیمہ اور جدیدہ کو ملا کر صرف مذہب اسلام میں انسانی قربانی کی نظیر دکھلائی ہے۔ اور اس ایک نظیر سے تمام مذہبوں کو متہم اور ملزم قرار دے لیا ہے۔

پہلی غلطی یہ ہے کہ ایک مذہب کی نظیر تمام مذاہب قدیمہ اور جدید کیلئے کیونکر ثبوت الزام بن سکتی ہے۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ خود یہ نظیر انسانی قربانی کا ثبوت نہیں قرار پا سکتی معلومات پر تو یہ نور برس رہا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت

اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح بتایا جارہا ہے اور معاملہ فہمی کی مدیہاں تک پہونچگئی ہے کہ ایک مذہب کی غلط مثال سے ہر مذہب پر الزام قائم کیا گیا ہے کہ ہر مذہب میں کسی نہ کسی صورت سے انسانی قربانی کا ثبوت پایا جاتا ہے دلیل ہے یا حکیم صاحب کی گولیاں اچھی منطق ہے اور عجیب استدلال ہے

مخدوم مخاطب حضرت ذبیح علیہ السلام کی قربانی کا قصہ۔ خدا اور خدا کے نبی کے تعلقات اور راز و نیاز کا ایک دلچسپ راز ہے۔

مذہب اسلام کی کتابیں اس کی توضیح اور تشریح سے بھری پڑی ہیں اعتقاد کی نظر سے نہ سہی اعتراض کرنے سے پہلے تحقیق کی نظر سے تو اُن کو دیکھ لیا ہوتا۔

کہاں خدا اور اُس کے حبیب کے راز و نیاز کا افسانہ کہاں انسانی قربانی کا حکم ظالمانہ قرآن کریم کی کسی آیت سے ثابت کیجئے کہ خدا نے مسلمانوں کو اس آیت قرآنی سے انسان قربانی کا معتقد اور پابند کیا ہے۔ معاذ اللہ جس مذہب کی یہ تعلیم ہو۔ من سلم المسلمون من اللسانہ ویدہ۔ اوسمیں انسانی قربانی کا تلاش کرنا اور ایسے مقدس مذہب پر خونریزی کا الزام لگانا کسی طفل کا کام ہے مذہب اسلام کی برکات عظیمہ اور رحمت کریمہ کی کیا تفصیل کیجائے۔ سب جانتے ہیں کہ شیوع اسلام سے پہلے عرب جاہل وحشیوں کا کیا حال تھا۔ اور پھر مذہب اسلام کے اصول اور بانئے مذہب کی اصلاح نے چند روز میں اون کی کیسی کایا پلٹ دی۔

معترض کا یہ دعوٰے بھی غلط ہے کہ چاند سورج دریا۔ اور پہاڑ بجلی اور بادل کی مذہب نے انسان سے پوجا کرائی۔ کون سے مذہب نے ایسا کیا اگرچہ اسکی صراحت نہیں کی گئی ہے۔ تاہم مذہب اہل ہنود پر شاید

یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے مذہب کی بابت جس قدر تحقیقات کی گئی ہے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ امتداد مدت کی وجہ سے اس مذہب کا شیرازہ ڈہیلا ہو گیا ہے ایسے آدمی جنکو نفس امارہ نے مغلوب اور مسخ کر دیا تہا قابو یافتہ ہو کر۔ اصول مذہب میں رخنہ انداز اور احکام ملت پر متصرف ہو گئے اور بہت سی باتیں جنپر اعتراض ہو سکتا ہے انہوں نے مذہب میں شامل کر لیں ایک عام اصول کے موافق اگر وید آسمانی کتابیں ہیں تو ان میں ہرگز کسی قابل اعتراض غلطی کی گنجایش نہیں اور اگر وہ انسان کی بنائی ہوئی کتابیں ہیں تو اُن کی لغزشوں سے مذہب حقہ کے دامنوں پر دہبہ نہیں آسکتا۔ اہل ہنود میں ایک فرقہ ہے جو اپنا نام آریہ بتلاتے ہیں۔ اُن کا دعوے ہے کہ ویدوں نے مخلوق پرستی کا کہیں حکم نہیں دیا۔ فاضل گرچہ بیٹ کو اگر تحقیق منظور ہے تو وہ اپنا خیال آریوں کے خیال سے ٹکرالیں۔

فاضل مضمون نگار نے اعتراض کے پیرایہ میں یہ بہی دکہلایا ہے کہ ہر آنے والے نئے مذہب نے پہلے مذہب کی برائیاں ظاہر کی ہیں۔ فی الحقیقت اعتراض گزشتہ کی یہ توضیح ہے اگر غور کیا جاتا تو آسانی سے سمجہہ میں آجاتا کہ دوسرے مذہب کے۔ یا یوں کہیے کہ دوسرے نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت ہی یہ ہے کہ پہلے مذہب میں بدکردار آدمیوں نے اپنی بدکرداری سے یا محض انسانی کمزوری سے کچہہ تصرف کر لیا تہا۔ خدا نے اپنے دوسرے نبی کو بہیجکر اوسکی اصلاح کرادی اس کا ثبوت ہے مذاہب کے اصولی مسائل۔ جو اسوقت تک ہر مذہب میں متحد قایم اور لائق اتباع چلے آرہے ہیں۔

فاضل معترض کے خیال کے موافق اگر دماغی ترقی اور روحی معراج کی یہی انتہا ہے کہ آدمیوں میں صرف کتوں کا سا اتفاق ہو جائے۔ یا وہ لنگوروں کیطرح

ایک تیندوسے سے اپنے ابنائے جنس کو بچالیا کریں۔ یا سوبٹ زرلینڈ
کے جھیل کے باشندوں کی طرح گاؤں بسا کر ایک جگہہ آباد ہو جائیں اور کاتنے
اور بننے کی صنعتوں کو حاصل کریں۔ یا آسٹریلیا کے باشندوں کی طرح اون کی
طرز معاشرت ہے تو ہم بھی فاضل گریجویٹ کی رائے سے اتفاق کریں
گے۔ اور ہم مانے لیتے ہیں کہ فاضل معترض نے بشری نشو و نما کا راز اور
انسانی ترقی کا مرکز بخوبی سمجھہ اور پا لیا ہے۔

ہم کو صرف اسباب کے ظاہر کرنے کا حق تہا کہ فاضل گریجویٹ جس
دعوے کے مدعی ہوئے ہیں اس کا انہوں نے کوئی متبذل اور نامعقول ثبوت
بھی پیش نہیں کیا۔ اگر وہ دلائل اور براہین سے ثابت کر دیں گے کہ مذاہب
حقہ نے انسان کو نقصان پہنچایا اور مذہب فضول چیز ہے تو ہم انشاء اللہ اسکی
تردید کے ساتھہ مذہب کے نفع رساں ہونے کا علمی اور عقلی ثبوت پیش کرینگے۔

مذاہب حقہ نے انسانی خونریزی کا جواز درکنار باتوں سے انسان کا
دل دکھانا بھی کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ جو لوگ مذہب کے پابند ہیں اور جن کو
مذہبی تعلیم سے حصہ ملا ہے اور جن کی روحانی قوتیں مدارج علیا پر صعود کرتی
جاتی ہیں ان کو بہشت یعنی خدا کی رضامندی اور دوزخ یعنے خدا کی نارضامندی
کے امید و بیم نے ایسا منکسر المزاج اور صلح کل بنا دیا ہے کہ گناہوں کا ارتکاب
گویا اون کی ذات سے مسلوب ہو چکا ہے۔ خدا سے ڈرنیوالے محض خدا کے عزاب
کے نام سے اسطرح کانپنے لگتے ہیں جسطرح شریر چور سولی کے خوف سے نہیں کانپتا غرض
مذہب نے دماغ کو ترقیات روحانی کے مدارج طے کرنے سے نہیں روکا۔ بلکہ خود رائی سے راہ غلط
پر چلنے کے خطرہ کو میٹ دیا ہے۔ اور ترقی کے سب سے اونچے مقام پر پہونچنے کا ایک ایسا سیدھا
اور آسان راستہ بتلا دیا ہے جس سے بیشمار آدمی اوس مقام پر پہونچ گئے ہیں اور پہونچتے

برسات کی بہار

شکر برسات کی بہار آئی ، پھر طبیعت شگفتہ لہرائی
ہر طرف ہیں نشاط و عیش کے رنگ ہر نفس میں سرور و لطف کے ڈھنگ

اب رکے گا نہ اپنا نفسِ طرب آج رخصت ہیں عقل و ہوش و ادب
رنگ لائے گا فرطِ شوق ضرور ہے تمنائے دل دہی کا وفور

دل میں ہے آج ان کے گھر جاؤں جس طرح بن پڑے منا لاؤں
دلربا سے اگر رہی ان بن لطف کچھ بھی نہ دے گی سیرِ چمن

کرلوں سامانِ عیش سب تیار شاید آجائے آج وہ دلدار

اب تو نامِ خدا جوان بھی ہے آجکل مجھ پہ مہربان بھی ہے
رنگ جب یہ جما ہے ساون کا خوب دلکش سماں ہے گلشن کا

ہے جوبن پہ ہر ایک چمن کا نہال رنگ پھولوں کی لائی ہے ہر ڈال
روشوں پر ہے سبزۂ خودرو اس کی سج دھج ہے دلفریب نکو

یہ درختوں کا لہلہانا خوب اور یہ پھولوں کا دل لبھانا خوب
جمع اسباب دلربائی ہیں لوگ مصروفِ خودنمائی ہیں

واہ کیا ہلکی ہلکی نکلی دھوپ کیا زمانہ بدل رہا ہے روپ
دیکھنا کھیل دھوپ سایے کا دیکھنا میل دھوپ سایے کا

وہ چلی دھوپ دوڑی پیچھے چھاؤں کیا عجب دھوپ کو پکڑ لے چھاؤں
اک ذرا دیر میں چھپا خورشید اب بر آئے گی اپنے دل کی امید

لے لو وہ دھوپ ہوگئی مفقود سایہ اوسکی جگہ ہوا موجود

خوب سی چھائی ہے گھٹا اسوقت — کس قدر سرد ہے ہوا اس وقت
آئے بادل کے دل کے دل کالے — جھومتے ہیں یہ جیسے متوالے
ایں ایہ دن ہو کہ رات آئی ہے — کیا اندھیری گھٹا ہے چھائی ہے
کیسی آواز آئی رم جھم کی — کس نے ہم کو سنائی رم جھم کی
ننھی ننھی ہے کیا پھوار اسوقت — کیسی بوندوں کی ہے قطار اسوقت
کتنی دلکش ہے یہ فضا دیکھو — دیکھو برسات کی گھٹا دیکھو
ہلکی ہلکی ہوائیں آئی ہیں — بوئے خوش بھینی بھینی لائی ہیں
اب تو کچھ زور شور اور بڑھا — سنسناہٹ سی ہوگئی پیدا
ابر کھلنے پہ لطف آئے گا — سبزہ تر ہو کے رنگ لائے گا
سیر کو سوئے باغ جائیں گے — لطف برسات کا اٹھائیں گے
ساتھ ہوں گے ضرور چند احباب — ہم ہیں پہلو سے ہی اور کباب
خوب پکوان جا کے کھائیں گے — غم نہ ہوگا مزے اڑائیں گے
اب نہ آئیں گے آٹھ دس دن گھر — باغ ہی میں جائیں گے بستر
سوچتے کیا تھے ہو گیا لو کیا — نظر آتا ہے دوسرا نقشا
زور پکڑا پھوار نے بڑھ کر — عالم آب اب ہے پیش نظر
زور پانی میں کس غضب کا ہے — موسلا دھار اب برستا ہے
چھپ گئی آب سے زمیں ساری — بہتے دریا ہر اک طرف جاری
یہ لو وہ زور و شور سے آیا — وہ چٹانوں سے جا کے ٹکرایا
ایسا برسا کہ چھپ گئی ہے ریت — خوش ہیں دہقاں کہ بھر گئے ہیں کھیت
زائد امید سے جو یہ برسا — ساحلوں سے نکل گئے دریا
دیکھو دیکھو برستے ہیں بادل — دیکھو دیکھو وہ بہہ گئے جل تھل

مینہ برسا ہے کس قدر شفاف سڑکیں دھل دھل کے ہوگئی ہیں صاف

سارے میدان سبزہ زار ہوئے سارے کہسار پر بہار ہوئے

ہوگئے سبز باغ کے اشجار ہر جگہ پر گلوں کے ہیں انبار

گل کے چہرے پہ رنگ تازہ ہے یا رخِ دلربا پہ غازہ ہے

ہر طبیعت میں تازگی آئی دل کی افسردگی ہوئی راہی

زندہ دل آجکل نہ مانیں گے سیر دشت و چمن کی ٹھانیں گے

سبزۂ دشت لہلہاتا ہے لطف کیا کیا ہوا سے آتا ہے

راغ اور باغ ہوگئے یکساں پیڑ سرسبز، پھول ہیں خنداں

اُف چلی کس غضب کی تیز ہوا دل کچھ ایسا ڈرا کہ کانپ اُٹھا

پھر زمانہ بدل رہا ہے رنگ ہو نہ جائے کہیں یہ رنگ میں بھنگ

ہے یہ نیرنگِ قدرتِ خالق جس سے ظاہر ہے حکمتِ خالق

کھل گیا ہے برس کے اب پانی ابھی بہ جائے گا یہ سب پانی

گو ہے پوشیدہ ابر میں خورشید اب برسنے کی کچھ نہیں اُمید

لو وہ قوسِ قزح نکل آئی یہ کئی رنگ خوشنما لائی

نچلے بیٹھیں گے اب نہ اہلِ شباب آنکھیں بے چین ہیں تو دل بیتاب

آؤ کر آئیں سیر گلشن کی رنگ رلیاں منائیں ساون کی

جشنِ برسات کا منائیں آج سیر گلزار کی کر آئیں آج

کیا سہانا ہے آج کا منظر ہر طرف کیا فضا ہے کیا منظر

پھر کہاں یہ بہار باراں کی پھر کہاں یہ نمود بستاں کی

سیر و تفریح میں نہیں پھر لطف بعد کو ملتے ہیں کہیں پھر لطف

پھر میسر نہ ہوں گے یہ آرام پھر نہ دل بستگی کے یہ ایام

مرسلہ [illegible] محمد حسین [illegible]

ملکی کفایت

پہلا باب

دولت

سلسلہ کے لئے تمدن جون ملاحظہ ہو

دولت منتقل ہوسکتی ہے - منتقل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کوئی شے ایک شخص سے دوسرے شخص کے پاس جاسکے بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ہم اپنے ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں دے سکتے ہیں - مثلاً پنسل - کاغذ - قلمدان - گھڑی وغیرہ - بعض ایسی ہیں کہ ہاتھ سے اٹھا کر نہیں دے سکتے - مثلاً زمین یا مکان کہ اُن کے دینے کے لیے ہم کو تملے اور دیگر سرکاری کاغذات کی ضرورت ہوتی ہے - اسی طرح ایک خدمت گار اپنی خدمت منتقل کرسکتا ہے یعنی ایک آقا کی نوکری چھوڑ کر دوسرے کے پاس نوکر ہوسکتا ہے - اسی طرح جب ہم مولوی صاحب کو وعظ فرمانے کے لیے بلاتے ہیں تو عموماً اُن کی تکلیف کے بدلے کچھ نقدی نظر کردیتے ہیں یا شادی بیاہ کے موقعوں پر ڈومنیوں اور بھانڈوں کو گانے بجانے کے بدلے بیل وغیرہ دیتے ہیں - مگر دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں بھی ہیں جن کا منتقل کرنا ناممکن ہے امیر آدمی اپنے روپے کے زور سے جنگل میں منگل کرسکتا ہے - ہزاروں آدمیوں کو اپنی خدمت کے لیے نوکر رکھ سکتا ہے لیکن اگر وہ خود بیمار ہے اور بیماری لاعلاج ہے تو اپنا سارا مال و متاع خرچ کرکے بھی کسی

دوسرے کی صحت نہیں خرید سکتا ہے۔ ولایت کے اثنائے قیام میں ایک تصویر میری نظر سے گزری جس میں مصوّر نے نہایت خوبی کے ساتھہ اس مسئلے کا ایک پہلو دکھایا تھا۔ چونکہ میرے خیال میں وہ اس مضمون سے بڑا تعلق رکھتی ہے اس سبب یہاں بیان کرنا غیر مناسب نہ ہوگا۔ تصویر پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہار کے موسم میں شام کا وقت ہے آفتاب ابھی غروب ہوا ہے اور جھٹپٹا سا ہوتا جاتا ہے۔ دریا کے دوسری جانب بہت فاصلہ پر ایک عالیشان قلعہ واقع ہے جسکی دوری کے سبب اونچے اونچے برج بادلوں سے ڈھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس قلعہ کے دروازے سے ایک پکی سڑک لب دریا تک چلی آتی ہے اور دریا کے کنارے ایک نوجوان لڑکی ایک سن رسیدہ انگریزی خاتون کے ساتھہ ساکت کھڑی ہے۔ ان کے چہرے اور لباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں بڑی عالی خاندان ہیں اور اغلب ہے کہ سن رسیدہ خاتون تو انگلستان کی کوئی بڑی نوابزادی ہیں اور نوجوان لڑکی ان کی بہو۔ شام کے وقت ہواخوری کے لیے دریا کے کنارے ٹہلنے آئی تہیں اور اب اندھیرا ہوتا دیکھکر گھر کی طرف پلٹی ہیں۔ ان کا رُخ اس عالیشان قلعے کی جانب ہے جو فاصلہ پر استقبال کے لیے استادہ ہے۔ راستے میں نوجوان خاتون ایک دفعہ ہی ٹہٹک گئی ہے اور اپنی صراحی دار گردن موڑکر چشمے کے دوسری جانب کسی چیز پر حسرت آمیز نگاہیں ڈال رہی ہے چشمے کے اس طرف بہوس کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی پڑی ہے اور اُس کے دروازے کے باہر ایک ٹوٹا سا تپائی بچھی ہوئی ہے جس پر ایک جوان عورت دہقانوں کے سے کپڑے پہنے گود میں اپنے ننہے بچے کو لیے بیٹھی ہے اور میٹھی میٹھی۔

نظروں سے اُس کے ٹکڑے کو تک رہی ہے۔ برابر ہی اُس کا نوجوان خاوند پھٹے پُرانے کپڑے پہنے بچے کی طرف مُنہ جھکائے کھڑا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کشتی کو ابھی کنارے لگا کر اُترا ہے اور اپنے بچے کی صورت دیکھ دیکھ کر خوشی کے مارے پُھولا نہیں سماتا۔ اِس تصویر کے نیچے یہ الفاظ تحریر تھے "فقط دولت ساری نعمت نہیں" جن سے اِس سارے منظر کی حقیقت معلوم ہوتی تھی۔ اصل یہ ہے کہ دنیا کے ہزاروں کام دولت کے ذریعے سے ہو سکتے ہیں مگر وہ باتیں جو زر و جواہر سے زیادہ قیمتی ہیں اس سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتیں۔ دولت ہی صرف ایک اچھی چیز نہیں کہ لوگ اسکی تمنا کریں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ دولت ہماری ہزاروں حاجتوں کو رفع کرتی ہے اور ہم کو سخت محنت اور فاقوں سے محفوظ رکھتی ہے اس لیے ہم کو اس کی قدر کرنی لازم ہے۔

دولت کی فراہمی محدود ہے ۔ دولت کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ یہ بے حد نہیں ہوتی بلکہ اس کی ایک محدود مقدار ہمکو میسّر آسکتی ہے۔ اس دعوے کو بعض لوگ غلط خیال کریں گے اور وہ یہ کہیں گے کہ ہم تو روزمرہ دیکھتے ہیں کہ دولت کو دولت کھینچ رہی ہے۔ امیر دن بدن زیادہ امیر ہوتے جاتے ہیں اُن کے پاس تو دولت کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی۔ امریکہ کے باشندوں کو دیکھو کہ جن کے پاس روپیہ پانی کی طرح بہتا ہے۔ مگر مثال سے اس کی اصلیت اچھی طرح معلوم ہو جائے گی ہوا جو ہم کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور ہماری زندگی کے لیے اتنی ضروری ہے دولت نہیں کہی جا سکتی کیونکہ جتنی مقدار کی ہم کو ضرورت ہوتی ہے سانس لے کر اُتنی ہی لے لیتے ہیں اور اُس کی کچھ قیمت نہیں دینی پڑتی مگر اسی ہوا کی

مقدار کو محدود کر کے دیکھو تو فوراً دولت کی خاصیت پیدا ہو جائیگی
مثلاً آجکل جو پانی کے نیچے تیرنے والی کشتیاں ایجاد ہوئی ہیں اُن میں
لامحالہ ہوا ایک محدود مقدار میں رکھی جاتی ہے تاکہ کشتی چلانے والوں کے
کام آئے اور ہر ایک شخص کی صحت اور زندگی کے لیے جتنی ضروری ہے
اُس کے حساب سے اندر کسی خانے میں ہوا بھری جاتی ہے۔ اسی طرح
گہری گہری کانوں میں ہوا کے محدود ہونے سے اُس کی قیمت پیدا
ہو جاتی ہے اور اس لیے کان میں کام کرنے والے کو اور قسم کی دولت
کی طرح بعض اوقات اس کے خرچ میں بھی کفایت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن
سطح زمین پر رہنے والوں کے لیے سارا کرہ ہوائی موجود ہے جس وقت
چاہیں سانس لیں اور جتنی چاہیں استعمال کریں۔

یہ تو ہم نے دیکھا ہے کہ ہوا اگرچہ اتنی ضروری چیز ہے لیکن اُس کی
کچھ قیمت نہیں اب اس کے بالکل برعکس ہیرے کا حال ہے کہ اگرچہ
اتنا قیمتی پتھر ہے کہ کوئی اور شے قیمت میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی
لیکن بہت کم استعمال میں آتا ہے زیادہ تر تو زیورات میں صرف ہوتا
ہے اور بہت سا شیشہ کاٹنے میں کام آتا ہے۔ یہ درست ہے کہ
اس کے قیمتی ہونے کی بڑی وجہ کمیابی ہے مگر یہ بھی لحاظ رہے کہ
کسی چیز کے کمیاب ہونے کا اثر ضروری طور پر یہ نہیں ہوتا کہ وہ قیمتی
ہو۔ کیونکہ بہت سی ایسی دھاتیں ہیں کہ جو بہت کم ملتی ہیں لیکن چونکہ
اُنکا ابھی تک کوئی استعمال نہیں معلوم ہوا اس لیے کچھ بھی قیمتی نہیں۔

دولت مفید یا کارآمد ہوتی ہے دولت کی تیسری شرط اُس کا کارآمد
ہونا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل دنیا اُسکی

استنے شائق ہیں بلکہ اگر دیکھا جائے تو دولت کو ہم عام طور پر دولت
اس سبب سے کہتے ہیں کہ وقت پڑے پر وہ ہمارے کام آتی ہے مثلاً
ہمارے پاس اگر کھانے کے واسطے کوئی اشیائے خوردنی موجود
نہیں اور بھوک کے مارے قل ہو رہا ہے اسوقت ہمکو روٹی میسر آئے
تو وہی ہمارے لیے دولت ہے کیونکہ وہ فاقہ کی تکلیف سے بچاتی ہے
یا اگر ہمارا اسیوقت خوشبو سونگھنے کو جی چاہتا ہے اور ہمارے پاس
ایسے ذرائع موجود ہیں جن سے مطلوبہ خوشبو حاصل کرلیں تو وہ
چیز جو اس خوشبو کا باعث ہوگی دولت کا ایک جز ہے۔ علیٰ ہذا
بخار اُتارنے کی غرض سے جو دوا پی جاتی ہے اور اُس کے اثر سے
بخار کی حدت جاتی رہتی ہے تو وہ دوا بھی دولت کا ایک حصہ کہلائیگی
غرض ہر ایک چیز جو براہ راست یا بالواسطہ ہماری خوشی کا سامان مہیا
کرے یا رنج و کلفت کی مانع ہو دولت میں شامل ہے۔ البتہ یہ سوال
دراصل طلب ہے کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جو براہ راست ہم کو فائدہ بخشتی
ہیں اور وہ جو بالواسطہ مفید ہیں براہ راست سے یہ مراد ہے کہ
مثلاً روٹی کا نوالہ جو منہ میں جاتا ہے وہ درحقیقت براہ راست
ہمکو نفع پہونچاتا ہے مگر وہ چکی جس میں آٹا پیسا گیا ہے اور وہ توا جسپر
روٹی پکائی گئی ہے بالواسطہ ہمارے آرام کا باعث ہوتے ہیں مگر
بعض اوقات اس میں فرق دریافت کرنا مشکل ہوجاتا ہے کیونکہ
انگلیوں سے جو نوالہ بنایا ہے تو اُن کو بالواسطہ ذریعہ آرام کہیں یا براہ
راست؟ بہرحال اس فرق پر زیادہ زور دینا اس مقام پر ضروری
نہیں ہاں یہ بتا دینا لازمی ہے کہ چونکہ دولت کی اصطلاح میں مختلف

اقسام کی کار آمد اشیا شامل ہیں اس لیے آیندہ ہم ایک جز و دولت کو مال کرکے بھی خطاب کریں گے جیسے روئی- اون- چمڑہ- لکڑی وغیرہ مگر ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ چیزیں اسوقت تک مال نہیں ہوسکتیں جب تک کہ ہمارے کار آمد نہوں- مثلاً جنگلوں میں بڑے بڑے تناور درخت وہاں کھڑے کھڑے مال نہیں کہلائے جا سکتے کیونکہ اس صورت میں وہ ہمارے کسی کام کے نہیں لیکن اگر انہیں کو کاٹ کر اور ان میں سے اچھے اچھے شہتیر نکال کر بازار میں فروخت کرنے کے لیے لایا جائے تو وہ مال کی قسم میں شمار ہوں گے- اس حالت میں انکی قیمت اٹھ سکتی ہے اور وہ ہمارے گھروں میں چھتوں کی کڑیوں یا چوبی ستونوں کے کام آسکتے ہیں- اسیطرح چکنی مٹی کہ جس کی شہر کے باہر اتنی افراط ہوتی ہے اور جسکی وہاں پڑے پڑے کوئی قیمت نہیں لیکن اسی کو گدھوں پر لاد کر ایسی جگہ پہونچا دیا جائے جہاں ضرورت ہو تو وہی مٹی مال کی ایک صنف ہے اور اس کا بیچنے والا بھی اور تاجروں کی طرح اپنے مال پر نفع کما کر زندگی بسر کرتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ اشیا کہ جن کی ہم کو واصل ضرورت ہو اور جو ہمارے کار آمد ہوں اور جن کی لوگ خرید و فروخت کرسکیں ان کو اصطلاح میں مال کہتے ہیں-

رؤف

اِسلام

الٰہی کیا ہوئی آخر وہ حشمتِ اسلام　　کسیکے دل میں نہیں ہے وہ حرمتِ اسلام
وہ دبدبہ نہ وہ صولت نہ احتشام ہے وہ　　کہاں ہے اب وہ زمانے میں شوکتِ اسلام
بسانِ مہر کبھی سربلند تھا۔ اب تو　　خمیدہ مثل مہ نو ہے رایتِ اسلام

نجوم بخت کے پستی میں آج ساری ہیں
نہ آسمانِ حشم ہے نہ وہ ستارے ہیں

تھی اک زمانے میں مشہور طاقتِ اسلام　　ہر ایک ملک تھا زیرِ حکومتِ اسلام
یہ اوج پر تھا ستارہ بلند بختی کا　　کہ پہونچی عرش معلّٰی پہ شہرتِ اسلام
مگر زمانے کی گردش نے کھو دیا سب کچھ　　کہاں ہے زور کدھر ہے وہ دولتِ اسلام

کہوں میں کیا کہ کوئی حد نہیں غریبی کی
یہ مفلسی تو علامت ہے بدنصیبی کی

جہاں میں غیرتِ خلدِ بریں تھا یہ گلشن　　خزاں نے کر دیا تاراج اسے بچشم زدن
کھلے نہ پھول وہ اور پھر نہ وہ بہار آئی　　بدل چکا کئی باری نظامِ چرخِ کہن
لیا ہے لوٹ زرِ گل کو خوشہ چینوں نے　　نصیب دیکھو کہ گلچیں نے بھر لیا دامن

اجاڑ دشت کی صورت یہ لالہ زار رہا
مگر زمانے کی آنکھوں میں پھر بھی خار رہا

جو زیردست تھے کرتے ہیں اب زبردستی　　چڑھی ہے بادۂ دولت کی ایسی کچھ مستی
خدا کی شان ہوئے پست اوج کے طالب　　جو اوج والے تھے اونکو نصیب ہے پستی
خیال سر میں ہے سودائیوں کے شاہی کا　　بناتے پھرتے ہیں اپنی نئی نئی بستی

یہ چاہتے ہیں پہونچ جائیں جب حکومت کو

نکالیں شہر سے تیرے نبی کی امت کو

ہمارے پاس وہ اب زور و زر نہیں۔ نہ سہی ہمارا دورِ حکومت اگر نہیں۔ نہ سہی۔
وہ چاہیں یاد اگر ہیں تو کچھ نہیں پرواہ وہ جانتے ہیں ہمیں کچھ خبر نہیں نہ سہی
ہمیں جو کرتے ہیں بدنام سنگدل ناحق ہماری آہ سے انکو حذر نہیں۔ نہ سہی

بگڑ گئے تو مصیبت کا دن دکھائیں گے
جو روئے ہم تو انہیں اشک خوں رلائیں گے

تجھے بھی کیا نہیں یا رب نبی کے دین کا پاس ہماری خواری و زاری کا کچھ تو کر احساس
ستائیں حالِ دلِ بیقرار ہم کس کو ہمیں تو تیرے سوا اور نہیں کسی کی آس
مٹانا اگر تجھے منظور ہے جہاں سے ہمیں پلائے گھول کے پانی میں ہیرۂ الماس

نشانِ دینِ نبی مٹ کے خاک ہو جائے
عدو ہوں خوش جو یہ قصہ ہی پاک ہو جائے

تجھے خبر ہے جو اسلام نے کئے ہیں کام کیا جہان میں روشن اسی نے تیرا نام
نشانِ خلق کو تیرا کہیں نہ ملتا تھا بنا گئے ترا گھر بندگانِ نیک انجام
بھرا تھا کفر و ضلالت سے خانۂ باری صفائے قلب سے کس نے کیا تھا صاف تمام

جمائے مہرِ نبوت پہ پھر قدم کس نے
زمین پہ پھینکدیئے توڑ کر صنم کس نے

بلند شہرہ کیا کس نے تیری وحدت کا دکھایا خلق کو جلوہ تری جلالت کا
دکھا کے معرکہ اسلام کی شجاعت کا بٹھایا سکہ زمانے پہ اپنی ہیبت کا
دبا دبا کے زبردست زیر دست کیے دکھایا دور اک عالم کو اپنی قوت کا

رہِ گریز ہی دشمن پہ سخت تنگ ہوئی
کہاں زمانے میں خیبر سی کوئی جنگ ہوئی

عراق و شام پہ پھر کون حکمران رہا + بلند چین میں کس قوم کا نشان رہا

وہ کون اور تہا اسلام جس کے زیر نگیں؟ بغیر تیری خدائی کے سب جہان رہا

جو پہلے تہا وہی اسلام اب بہی ہے لیکن غضب تو یہ ہے کہ تو ہی نہ مہربان رہا

نہیں غلط طلب ہے۔ یہ گستاخی ہے کمال میری

خطا معاف کر اے ربّ ذوالجلال میری

تو مہربان ہے عادل ہے بندہ پرور ہے ہمیشہ امت احمد پہ سایہ گستر ہے

ہمیں کو بیخبری ہے تیری مشیّت سے خبر جہاں کی تجھے غیب دان بہتر ہے

تری کتاب سے ظاہر ہے الحذر کہ تجھے پسند مذہب اسلام سب سے بڑھکر ہے

یہ کیا سبب ہے کہ ہمکو نصیب ہے پستی

زمانے کو ہے ترقی ہمیں تہی دستی

یہ کہہ رہا تھا کہ ہاتف نے دی ندا آرشل کہی جو تو نے ابھی بات تھی بجا آرشل

سن اسکو ہوش سے کہتا ہے جو خدا آرشل میں سن رہا ہوں ترا نالۂ رسا آرشل

نہ میرے ہوش کو فریاد سے ہلا آرشل قبول ہو کرے اسوقت جو دعا آرشل

پسند آیا نہایت ہمیں سخن تیرا

کہے تو لعل و گہر سے بھر دوں دہن تیرا

مگر یہ سانحہ ہی کہتا ہے تجھکو تیرا رب کہ حال پوچھ نہ اس قوم کا زیادہ اب

دیئے تھے ہم نے خزانے تو بیشمار انہیں انہوں نے زر کو کیا صرف بزم عیش و طرب

کہاں جہان میں اب ہیں وہ کام کے بندے انہیں تو کام سے نفرت ہے ہیں عیش طلب

غرض ہے کچھ انہیں صنعت سے اور نہ حرفت سے

رہیں گے لوگ تہی دست کیوں نہ دولت سے

کہو پکار کے آرشل کہ اے مسلمانو! رہو نہ اسطرح بیکار کچھ ہنر سیکھو

عمارات لکھنؤ

شمالی ہند میں لکھنؤ سب سے زیادہ قدیم اور تاریخی شہر ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے اور جس کے گزشتہ افسانے زبانزدِ خاص و عام ہیں۔ اس کا قدیم نام "لکھنا پری" تھا جو اس کے بانی "لچھمن جی" کے نام سے مشتق تھا اور ہندوؤں کی کتب قدیمہ میں اس کا ذکر موجود ہے اسلامی تاریخوں میں اس کا نام "لکھنوتی" درج ہے اور بعد کو کثرت استعمال سے صرف "لکھنؤ" رہ گیا۔ سورج بنسی خاندان کے عہد حکومت میں جب "اجودھیا" کو سارے ہندوستان کا دارالسلطنت ہونے کا فخر حاصل تھا اور "راجپندر جی" نے لنکا (سیلون) کو فتح کر کے اپنی موروثی سلطنت کے حدود اور بھی وسیع کر لیے تو اُن کے وفادار بھائی "لچھمن جی" نے اجودھیا کے قریب لکھنا پوری کی بنیاد ڈالی۔ اس قدیم عہد کی ایک نشانی "لچھمن ٹیلہ" اب تک موجود ہے جو سارے شہر سے زیادہ بلند ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس زمانے کے کسی قلعہ کے آثار ہوں۔ کیونکہ ہندوؤں کے قدیم شاستروں میں قلعہ کی تعمیر کے لیے سب سے زیادہ بلند مقام کی ہدایت کی گئی ہے۔

یہ سرزمین سورج بنسی خاندان کے زیر حکومت کب تک رہی اس کی صحیح تاریخ بتانا غیر ممکن ہے۔ کیونکہ رامائن کے عہد سے موجودہ زمانے تک بے انتہا انقلابات ہو چکے ہیں اور ہزاروں خانہ جنگیوں کے علاوہ مشہور بودھ مذہب آتنا بڑا سیلاب تھا جو ویدک تہذیب و تمدن کے نشانات تک کو بہا لے گیا تھا۔ صدیوں کے عروج کے بعد بودھ مذہب کو بھی

زوال ہوا اور برہمنی دور شروع ہوا۔ لیکن مٹے ہوئے نشانات پھر نہ قایم ہو سکے۔ برہمنوں کے سب سے بڑی حامی راجہ وکرمادت کی کوشش سے اجودھیا پھر آباد ہو گئی اور اس کو اس قدر مذہبی عظمت دی گئی کہ وہ ایک تیرتھ یا زیارت گاہ ہو گئی۔ لیکن لکھنؤ میں بجز اس کے کہ برہمنوں کا ایک مرفہ حال فرقہ آباد ہو گیا۔ اور راجپوت دوبارہ حکومت کرنے لگے اور کچھ پتا نہیں چلتا۔ جب ہندوستان کی حکومت اہل اسلام کے ہاتھ آئی اور افغان اس ملک کے حکمراں ہوئے تو ہند کے دوسرے حصوں کے ساتھ اودھ بھی اُن کے زیر نگیں ہو گیا جو اس سے پہلے قنوج کے چوہان راجپوتوں کے زیر نگین تھا۔ امتداد زمانہ سے ان افغانوں کے بھی کئی فرقے ہو گئے اور بالآخر ایک فرقے نے اودھ میں اپنی مستقل حکومت قایم کر لی جس کے فرمانروا شرقی پٹھان کہلاتے تھے اور جن کا دار الحکومت جونپور تھا۔ جونپور اور اس کے مضافات میں ان کے عہد کی کثیر التعداد بے نظیر عمارتیں ابتک موجود ہیں +

لیکن لکھنؤ میں اس عہد کی کوئی عمارت نہیں پائی جاتی۔ ایک عرصہ دراز کے بعد جب مغلوں نے حملہ کیا اور افغانوں کی حکومت تاتاریوں کے ہاتھ میں چلی گئی تو سنہ ۱۵۰۵ء کے قریب مسلمانوں کا ایک فرقہ لکھنؤ میں آباد ہوا۔ انہیں عام طور پر شیوخ لکھنؤ کہتے ہیں۔ انہیں اور قدیم برہمنوں میں نہایت دوستانہ برتاؤ قایم تھے اور دونوں اپنے اپنے فرائض مذہبی نہایت آزادی سے ادا کرتے رہے۔ البتہ دونوں فرقوں کی آبادی کے مرکز جدا جدا تھے۔ اس زمانہ میں یہاں صرف ایک پرانا قلعہ موجود تھا جو لکھنا[1] قلعہ کہلاتا تھا۔ اس کے بعد شاہ مینا صاحب کی درگاہ تعمیر ہوئی

[1] "لکھنا" ایک اہیر سوار کا نام تھا جو مسلمانوں کے ابتدائی عہد میں یہاں کا حاکم تھا

جو موجودہ عمارات میں سب سے پرانی عمارت تھی یہ ۱۸۵۸ء کے ہنگامۂ غدر میں مسمار ہوگئی جس کی جگہ پر شاہ موصوف کی موجودہ درگاہ قایم ہے۔ یہ "پیر جلیل کا دھنہ" بھی اسی زمانے کی یادگار ہے جو نہایت خستہ حالت میں اب تک موجود ہے۔

جب دربار اکبری سے شیخ عبدالرحیم کو لکھنؤ اور گردو نواح کے علاقہ بطور جاگیر عطا ہوئے تو انہوں نے لکھنا قلعے کی از سر نو مرمت کرائی اور اس کے ساتھ کئی نادر عمارات کا اضافہ کر کے اسکو اپنا محل قرار دیا۔ ان شیوخ کو یہاں بہت عرصے تک عروج حاصل رہا حتی کہ بہادر شاہ اول کے عہد میں "شیخ ابوالمکارم" کو اودھ کی صوبہ داری بھی عطا ہوگئی۔ اس سے پہلے اورنگ زیب کے عہد میں "فدائی خاں" یہاں کا صوبہ دار تھا۔ ان سب کا صدر مقام لکھنؤ ہی تھا۔ یہاں تک کہ خاندان نیشاپور کے اول حکمراں "نواب برہان الملک" کا دارالحکومت بھی یہیں قایم رہا۔ لیکن ان کے جانشین "نواب صفدر جنگ" نے فیض آباد میں چند عمارتیں تعمیر کرا کے وہاں بودوباش اختیار کی۔ ان کے بعد نواب شجاع الدولہ نے فیض آباد میں بہت سی عمارات کا اضافہ کیا اور ان کے عہد تک اودھ کا دارالحکومت فیض آباد ہی رہا لیکن آصف الدولہ کے عہد میں اس صوبے کا دارالحکومت پھر لکھنؤ کو منتقل ہو آیا اور موجودہ لکھنؤ درحقیقت اسی عہد کی یادگار ہے جو رفتہ رفتہ ایک عظیم الشان شہر کے درجے پر پہونچ گیا اور جس کی شان و شوکت نے سیاحان عالم کی آنکھوں میں خیرگی پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ اس کے مجموعی نظارے کے متعلق

(بقیہ نوٹ) اس زمانے میں بہت سی نیچ قومیں مثلاً "بھر" "تھارو" اور [illegible] قوت پکڑ گئی تھیں کہ انہوں نے اپنی حکومتیں قایم کرلی تھیں

بعض مغربی سیاحوں کی رائے حسب ذیل ہے:۔

"یہ شہر خوبصورت اور عالیشان عمارتوں کا ایک گنجینہ ہے جن کی خیرگی"
"آنکھوں میں چکاچوند پیدا کرتی ہے۔ ان پر طلائی گنبد جگمگا رہے"
"ہیں اور بے شمار بلند مینار و نیز سنہری کلسیاں نمودار ہیں جو اپنی"
"اس عالیشان عظمت کا ثبوت دیتے ہیں جن کے لیے وہ مشہور ہیں۔"

(منٹرن)

"آفتاب غروب ہو رہا ہے اور اس عظیم الشان شہر کا شور و غل کسی قدر"
"تھم چلا ہے۔ شہر سبز و شاداب دکھائی دیتا ہے تاریکی چھا رہی ہے اور ہمارے"
"اردگرد، دور و نزدیک بیشمار طلائی برج و مینار ہیں جو شعلوں کی"
"طرح دہک رہے ہیں۔ یہ نظارہ نہایت ہی تابناک ہے جو جنت"
"کے بیرونی پھاٹک سے مشابہ ہے۔" (ٹیسنر)

"اس شہر (لکھنؤ) کا نظارہ جو مشرق میں نہایت ہی خوبصورت شہر"
"ہے تمام نقائص سے پاک ہے۔ صرف بنارس اس کا مدمقابل"
"یا مشرقی قاہرہ جنہیں میں نے بچشم خود دیکھا ہے۔ اس کا"
"نظارہ اس قدر خالص مشرقی انداز پر مبنی ہے کہ ایک ایسے"
"شخص کے لیے جو مشرقی ممالک میں نہ رہا ہو اس کی حقیقت بیان"
"کرنی غیر ممکن ہے۔ بیشمار شاہی محلات۔ پبلک عمارات"
"مندروں اور مسجدوں کے عالیشان گنبد اور مینار شہر کو"
"اس طرح اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہیں جس طرح"
"چاند کے گرد ہالہ۔"

(Ireland's From Wall Street to Cashmere 1853)

"ایک پرستان! ایک عالیشان محل، میناروں، برجوں
اور سنہرے گنبدوں، جمیل ستونوں، منقش کمانوں، دلربا پیش منظر کی
لمبی قطاروں، ہموار چھتوں کے مرتفع ایوانات (جو ساکن تاہم
چمکیلے سبزہ زاروں کے سمندر سے نکلتے ہوئے) کا پرستان!!
میلوں تک دیکھتے چلے جاؤ تا حد نگاہ یہ ناپیدا کنار ختم نہ ہو جس کے
وسط میں خوبصورت شہر کے گنبد جگمگا رہے ہیں۔ آفتاب کی
شعاعوں سے سونے کی چمک دمک کا لطف۔ سنہری کلس اور
گنبدوں کی چمک سے شہر پر منطقۃ البروج کا گمان ہوتا ہے
سارے شہر میں کوئی بڑی عمارت نظر نہیں آتی۔ یہ شہر لکھنؤ
پیرس سے بہت زیادہ وسیع ہے۔۔ فن معماری کے اعلیٰ نمونے
جن سے سارا شہر بھرا ہوا ہے ہماری آنکھوں میں خیرگی
پیدا کرتے ہیں۔ طلائی میناروں اور گنبدوں کی چمک دمک
ستاروں کی طرح منور ہو رہی ہے۔ روم، ایتھنز، قسطنطنیہ اور جتنے
شہر میری نظر سے گزرے ہیں نہیں کوئی اس کے برابر
خوبصورت اور دلکش نہیں ہے۔ جب میں زیادہ سے زیادہ
غور سے دیکھتا ہوں اسی قدر اس کی خوبیاں زیادہ واضح
ہوتی ہیں"

(Russell's diary 1858)

خصوصیات تعمیر و اقسام تعمیرات

لکھنؤ کی تمام عمارتیں عموماً خشتی ہیں جن میں اینٹ اور چونے کے سوا دوسری چیزیں نہیں استعمال کی گئیں پتھر یہاں عموماً کمیاب تھا۔ اور لکڑی اگرچہ کثرت سے موجود تھی تاہم وہ بھی خال خال استعمال کی گئی ہے پتھر کی کمیابی نے یہاں کی عمارتوں کو دہلی و آگرہ کی عمارات کی طرح بلند و مرتفع نہیں ہونے دیا، لیکن یہاں کے معماروں نے اینٹ اور چونے سے وہ کام لیا ہے کہ اون کی تعمیرات میں پتھر کی سی صفائی اور استحکام پیدا ہو گیا ہے۔ ان کی منبت کاری میں سنگتراشی کی صناعی اور آب و تاب موجود ہے اور صدیوں کی بے مرمتی پر بھی ان کی مضبوطی میں فرق نہیں آیا ہے۔ بعض بعض عمارات میں اگر پتھر استعمال ہوا ہے تو محض چھوٹی چھوٹی برجیوں اور طاق و رواق میں جہاں خشتی صناعی کی گنجایش نہ تھی اور وہ بھی عمارت کے بالائی حصے میں تاکہ اسکا نظارہ دلفریب ہو جائے۔ ان عمارات میں عموماً بہت چھوٹی قسم کی اینٹیں استعمال کیجاتی تھیں جو چونے کے ساتھ اس طرح پیوست ہو جاتی تھیں کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنا مشکل تھا۔ چونا عام طور پر سیپ اور گھونگوں کو پھونک کے بنایا جاتا تھا۔ چھوٹی اینٹوں کے استعمال سے نہ صرف عمارت کا استحکام مد نظر تھا بلکہ فن معماری کے بہت سے صیغوں میں مدد ملتی تھی خصوصاً منڈیروں اور کارنسوں کی نازک صناعی میں آسانی ہوتی تھی جو دوسری صورت میں ممکن نہ تھی۔ عمارات کے بالائی

حصوں میں جو دور سے نظر آتے تھے زیادہ شاندار بنانے کے لیئے
منڈیروں کی جگہ مختلف قسم کی برجیوں، گلدستوں اور طاقتوں کی قطاریں
قایم کیجاتی تھیں اور دوسرے کھلے حصوںنیں بھی عمدہ قسم کی صناعی کھائی
جاتی تھی۔ چنانچہ پردے کی قناتی دیواروں میں بھی فرضی محرابیں وغیرہ قایم
کرکے عمارت کے بیرونی حصوں کو دلفریب کر دیا جاتا تھا۔ لیکن تعمیری
صناعیوں کی زیادہ کثرت عمارت کی رو کار اور اُس کے اندرونی حصوںنیں
ہوتی تھی اور محرابوں میں منبت کاری کی انتہا کر دیجاتی تھی جو لکھنو کی طرز
تعمیر کی خاص خصوصیت تھی۔

اقسام تعمیرات میں۔ محلات و مکانات، مساجد و مقابر وغیرہ ہر قسم کی
عمارتیں شامل ہیں۔ انمیں معمولی درجوں کے علاوہ حوض، حمام، تہ خانے
اور بستان سرا بھی ہوتے تھے۔ بڑے بڑے محلات میں دیوانخانے بھی
قایم کیئے جاتے تھے اور مجلسرائیں بھی ہوتی تہیں۔ بارہ دری بھی ایک
قسم کی پبلک عمارت تھی جو شادی خانوں کا کام دیدیتی تھی۔ بیشتر یہ سب
عمارتیں ایک ہی چاردیواری سے محدود ہوتی تھیں اور اِس مجموعے
کو "محل" کے نام سے خطاب کیا جاتا تھا۔ ان محلات کا صدر دروازہ عموماً
نہایت بلند اور کشادہ ہوتا تھا جس میں عماری دار ہاتھی آسانی سے
گزر جاتا تھا اور اُس کے بالائی حصے میں نہایت خوبصورت درجے قایم
کیئے جاتے جو "نوبت خانہ" کا کام دیتے تھے۔ عام پھاٹکوں میں "تاج" اور
اور "مچھلیاں" التزاماً بنائی جاتی تہیں جو شاہان اودھ کا خاص معرکہ تھا
گنبد اور مینار مذہبی عمارات کے لیے مخصوص تھے تاہم بعض بعض
شاہی محلات میں بھی نفیس گنبد نظر آتے انیں" کمرکہی "گنبد غالباً

نیشاپوری طرز تعمیر کی نقالی بکثرت ہے۔ چنانچہ آصف الدولہ کی مشہور
مسجد اور حسین آباد و جامع مسجد وغیرہ اسی قسم کے نظر آتے ہیں شرف الدولہ
کی کاظمین اور نصیر الدین حیدر کی کربلا میں تو بالکل عربی طرز کے گنبد و مینار
ہیں جو شاید عمارت سے زیادہ مشابہ اور بہت قریب ہیں

تالابوں اور باولیوں کے علاوہ اور بھی بہت قسم کی عمارات ہیں جو لکھنؤ میں
خاص حیثیت رکھتی تھیں مثلاً تالاب اور پل، نہر اور باولی وغیرہ۔ انکی شہر میں
خاص کثرت تھی۔ تالاب عموماً مربع ہیں جن کے چاروں طرف پختہ
سیڑھیوں کی قطاریں قائم ہیں انمیں بعض بالکل کھلے ہوئے ہیں جیسے
راجہ ٹکیت رائے کا تالاب اور بعض متعلقہ قسم کی عمارات کا مجموعہ ہیں۔
جن میں مردانے اور زنانے گھاٹ جدا جدا قائم کئے گئے ہیں اور ان کے
ساتھ دوسری عمارات کا بھی الحاق ہے جن سے ان کا نظارہ بہت
دلفریب ہوگیا ہے۔ اس قسم کے تالابوں میں "حسین آباد" کا تالاب اور
"پتھری والا تالاب" واقع دولت خانہ آصف الدولہ خاص طور پر قابل الذکر
ہیں حسین آباد کا تالاب جس کی بیشتر عمارات اب منہدم ہوگئی ہیں متعدد
عمارتوں کا مجموعہ تھا۔ اس کے ہر طرف نہایت خوبصورت برج اور
اور کوشکیں قائم تھیں اور شاہراہ کی جانب زندہ حیوانات کے کمرے
تھے جن میں شیر، ریچھ، بارہسنگے اور دوسرے جنگلی درندے بند رہتے
تھے۔ پلوں کی ساخت مختلف قسم کی ہے اور سب میں محرابیں لازمی
طور پر موجود ہیں۔ انمیں زیادہ بالکل خشتی ہیں جیسے آصف الدولہ کا پل
جو عرف عام میں "پکا پل" کہلاتا تھا اور حال ہی میں منہدم ہوا ہے۔ زمانہ
شاہی میں اس کے ارد گرد بہت گنجان آبادی تھی اور خاص پل پر سپہر کو

مخمس بر غزل خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ

تا دل اندر خم آن زلف دوتا افتادم عقل و دین ہوش و خرد جملہ بجنبش دادم
مذہب و ملت و آئین ہمہ رفت از یادم فاش میگویم و از گفتہ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہر دو جہان آزادم

طاقتم گشتہ ز بیداد تو اے گردون طاق زحد افزون دل من ہست فنا اشتاق
قید مستی است بسے بر من محنت زدہ شاق طایر گلشن قدسم چہ دہم شرح فراق
کہ درین دامگہ حادثہ چون افتادم

نہ ہمیں مسکن و جا عالم بالائم بود بلکہ بر کنگرۂ عرش برین جایم بود
چہ دہم شرح کجا مسکن و ماوائم بود من ملک بودم و فردوس برین جائم بود
آدم آورد درین دیر خراب آبادم

قصر و نہر لبن و جام بلور و لب حوض روبرو جلوۂ دیدار حضور و لب حوض
چہ دہم شرح دلا حور و قصور و لب حوض سایۂ طوبیٰ و دلجوئے حور و لب حوض
بہ ہوائے سر کوئے تو برفت از یادم

ناصحا پند و نصیحت تو مدہ دیگر بار گرچہ صد بار نمودی و نمائی تو ہزار
من نہ آنم کہ ز خاطر رودم ہیچ نگار نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار
چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

بر سرم چرخ جفا پیشہ بلاہا انداخت بلکہ از آتش حسرت جگرم را بگداخت
چہ کنم قسمتم این است و بدو باید ساخت کوکب بخت مرا ہیچ منجم نشناخت
یارب از مادر گیتی بچہ طالع زادم

شدہ تا منزل من گوشہ ویرانہ عشق گشتہ ام عاشق و سرگشتہ و دیوانہ عشق
مست گشتم بہ یکے جرعۂ ز پیمانہ عشق تا شدم حلقہ بگوش در میخانہ عشق
ہر دم آید غمے از تو بہ مبارکبادم

آنچہ گویم تو ایدل ہمہ آن باشد راست گر شوی غرق وحکی از مژہ ہا بر تو رواست
دیدہ از گریہ اگر کور شود ہم بجاست میخورد خوں دلم مردمک دیدہ سزاست
کہ چرا دل بجگر گوشہ مردم دادم

شہید۔

یاسمین - پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب ایم ۔ اے مصنف خواب ہستی کا دوسرا ناول اور تمدن انگلیسی کی پہلی کتاب جس کے واسطے عرصہ سے لوگ بے چین تھے چھپ کر تیار ہو گئی ہے اس کتاب میں قابل مصنف نے بنگالہ کی ایک نازنین یاسمین کا واقعہ اس قدر دلچسپ اور پر لطف لکھا ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے قابل مصنف کا اسم گرامی بتا سکتا ہے کہ کتاب کس پایہ کی ہوگی قیمت ایک روپیہ (عہ) علاوہ محصول ڈاک وغیرہ

لڑکیوں کی انشاء حامیان تعلیم نسواں کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی انشاء لڑکیوں کے واسطے مولوی محمد عبد الراشد صاحب الخیری کی قلم سے نکلے لطف زبان کے واسطے کچھ لکھنا بے سود ہے ہر خط ایسا موثر ہے کہ ایک ایک حرف کلیجہ پر گرتا ہے قیمت ایک روپیہ ناظرین عصمت و تمدن سے آٹھ آنے (۸) ملنے کا پتہ منیجر عصمت و تمدن دہلی طلب کیجئے

بیوی

میری نظر سے اکثر ایسی مثالیں گذری ہیں جن میں عورتوں نے بڑی بڑی مصیبتوں کا مقابلہ نہایت ہمت اور صبر کے ساتھ کیا ہے۔ وہ مصائب جو مردوں کے بھی کمر ہمت توڑ ڈالتی اور ان کو بالکل عاجز کر دیتی ہیں۔ عورتیں ان کا مقابلہ اپنی تمام تر قوت کے ساتھ کرتی ہیں جن سے ان کی کیریکٹر کی عظمت اور بالاتری ثابت ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض مرتبہ ان کی جدوجہد بڑے بلند پایہ پر پہنچ جاتی ہے۔

ایک عورت کا جس کے قوائے جسمانی کمزور ہیں اور وہ ہر امر میں اپنے خاوند کے مطیع ہے۔ جو زندگی کی چھوٹی چھوٹی مشکلات کا سامنا روزانہ کرتی رہے اور باوجود اس کے آرام آسایش سے بسر کرتی ہو، کسی ناگہانی آفت کے آجانے پر اپنی دماغی قوت سے کام لے کر اپنے خاوند کا بُرے وقت میں معاون و مددگار ہونا، اور نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ مصیبت کا سامنا کرنا، اس سے زیادہ اور کیا بات دلوں پر اثر کر سکتی ہے؟

جس طرح کہ انگور کی بیل کسی بڑے درخت کے تنے کے اردگرد چڑھی رہتی ہے اور جب وہ مستحکم درخت بجلی کے گرنے کے اثر سے گر پڑتا ہے تو انگور کی بیل اسی طرح اس کو چمٹی رہتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہ وہ اپنی نازک تیمبوں سے اس کو تسلی دے رہی ہے اور اس کی ٹوٹی ہوئی شاخوں کو ملائے رکھنے کی کوشش کر رہی ہے، اسی طرح اس صانع عالم نے یہی بات عورت میں رکھی ہے جو اپنے خاوند کے عیش و آرام

کے زمانہ میں اسکی مطیع اور گھر کی زینت ہے، مگر اس کے کسی بلاسئے ناگہانی میں گرفتار ہوجانے پر وہی بیوی اس کی مونس اور مددگار بن جاتی ہے ہمت بڑھاتی ہے، اور اس کے شکستہ دل کو ڈھارس بندھاتی ہے اور شریک حال ہوجاتی ہے،

میں ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو اس کی شادی کی مبارکباد دے رہا تھا۔ اس کی بیوی بچے اس کے چاروں طرف جمع تھے ان میں باہم بڑی محبت تھی۔ میرے دوست نے مجھ سے کہا کہ میں تمھارے لیے اس سے زیادہ اور خوش قسمتی نہیں سمجھتا کہ تم بھی بیاہ کرلو اگر تم مالدار ہو تو وہ تمھاری دولت کی شریک ہوگی اور اگر تم غریب ہو تو تمھاری راحت و آرام کا ذریعہ" اور اس بات کا مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ ایک تنہا آدمی کی نسبت ایک شادی شدہ مرد کو کسی مصیبت سے نجات پانے کا زیادہ موقع حاصل ہے کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ ان لوگوں کا خیال کرکے جن سے اس کو محبت ہے اور جن کا دارومدار اس کی روزی کما کر لانے پر ہے، خوب دل لگا کر ہر قسم کی محنت و مشقت کرتا ہے لیکن زیادہ تر اس وجہ سے کہ کچھ تو اس کے تفکرات گھر کی دلچسپیوں سے کم ہوتے ہیں اور کچھ یہ سمجھکر اس کو تقویت ہوتی ہے کہ خواہ دنیا میں اس کے لیے سوائے تاریکی کے کچھ بھی نہ ہو تاہم گھر کے اندر محبت کی ایک چھوٹی سی دنیا قایم ہے اور وہ اس کا حکمران ہے۔ لیکن ایک تنہا آدمی ایسی صورت میں اپنے آپ کو اس دنیا میں اکیلا اور بے یار و مددگار پاکر اپنی تمام ذمہ داریاں بھول جاتا ہے اور اسکا دل مانند اس عمارت کے جس میں کوئی آباد نہو چاروں طرف ویران منظر دیکھ کر بیٹھ جاتا ہے ✤

یہ باتیں مجھکو ایک واقعہ کی یاد دلاتی ہیں جس کو اگر ایک گھر کی چھوٹی سی کہانی کہیں تو بیجا نہ ہو گا - میرا ایک دوست لزلی نام تہا - اس نے ایک خوبصورت اور سلیقہ شعار لڑکی سے شادی کی تہی - یہ لڑکی فیشن کی بڑی دلدادہ تہی اگرچہ وہ کچھ مالدار نہ تہی لیکن میرا دوست متمول آدمی تہا - وہ یہ خیال کرکے کہ اسکی بیوی ہر ایک دلچسپ کام میں شریک ہوا کرے گی، بہت خوش ہوتا تہا وہ اس خیال پر بہت خوش ہوا کرتا تہا کہ وہ اپنی بیوی کے لیے عمدہ مذاق کی تمام چیزیں مہیا کرے گا، ان سے عورت کی دلربائی پر خوشگوار اثر پڑتا ہے، یہاں تک کہ اس کی زندگی ایک طلسمات کا نمونہ اور وہ ایک پری تمثال بن جائے گی "

ان دونوں کے طبیعتوں کا اختلاف ایک نہایت عمدہ مجموعہ بن گیا میرا دوست قدرے سنجیدہ اور خیال پرست تہا اور اس کی بیوی زندہ دلی کی مجسم تصویر تہی - میں نے بارہا دیکھا ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ اپنی بیوی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تہا - اور جب کبھی میں اس کی بیوی کی تعریف کرتا تہا تو اس کی نگاہ فوراً اپنے خاوند کی طرف پڑتی تہی گویا اسی پر پسند اور ناپسند کا انحصار ہے - جب وہ اس کے کندھے پر جھک کر کھڑی ہوتی تہی تو اس کا نازک اندام اور اس کا قوی بدن، دونوں مل کر ایک دلکش سین، پیش نظر کرتے تہے - جب یہ ایک مشتاق اور پُر اعتماد نظر سے اس کی طرف دیکھتی تہی تو اس کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں ہو جاتے تہے اور ایسا معلوم ہوتا تہا کہ وہ اس کے بار محبت سے دبا جاتا ہے - آیندہ خوشیوں کی امیدوں کے ساتھ شادی کے گلزیز راستہ میں ان سے بہتر کبھی اور میاں بیوی کو چلنا نصیب نہیں ہوا

بدقسمتی سے میرے دوست نے اپنا تمام روپیہ تجارت میں لگا دیا۔ اور شادی ہوئی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ اُسکو نقصان اُٹھانا پڑا اس کی تمام دولت برباد ہو گئی۔ وہ بالکل مفلس ہو گیا۔ ایک عرصہ تک اُس نے، اپنی حالت کسیکو نہ بتائی۔ لیکن اس کا دل ٹوٹ گیا اور اُس کے چہرہ پر افسردگی چھا گئی۔ اس کی زندگی کے حالات جان کنی کی تکلیف سے کم نہ تھے۔ اور وہ اس واقعہ کو اُس پر ظاہر کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ لیکن محبت کے تیز اور دوربین نظر تاڑ گئی اور وہ اس کے دل کا حال جان گئی اس لیئے اُس کا خاوند جو اصل حال چھپانے کی کوشش کرتا وہ اب رائگاں جاتی، وہ اُس کے خوش کرنے اور دل بہلانے کی باتیں کرتی تاکہ اس کا غم غلط ہو سکے اس سے غم کا تیر اور گہرا بیٹھتا چلا گیا، جس قدر وہ اپنی بیوی کو معمول سے زیادہ محبت کرتے پاتا اُسی قدر اُس کو یہ خیال کرکے رنج ہوتا، کہ میری بیوی پر بھی یہی غم کا پہاڑ ٹوٹنے والا ہے۔ وہ یہ سوچتا تھا کہ کچھ عرصہ بعد یہ خندہ پیشانی جاتی رہے گی، اس کے گیت، گانے چھٹ جائیں گے اور اُس کی آنکھوں کی چمک رنج سے دھندلی پڑ جائیگی اس کا خوش و خرم دل جو اب سینہ کے نیچے نہایت آہستگی سے حرکت کر رہا ہے، اس مصیبت سے آگاہ ہو کر ایک وزنی شئے کی مانند بیٹھتا چلا جائے گا +

آخر کار وہ ایک روز میرے پاس آیا اور نہایت مایوسی کے ساتھ اپنا ماجرہ بیان کیا۔ جب میں سب سن چکا تو میں نے دریافت کیا، کہ تم نے اپنی بیوی کو بھی خبر کی یا نہیں؟ اس سوال پر وہ بے اختیار زار و قطار رو دیا اور مجھ سے رو کر کہا "خدا کے واسطے مجھ پر رحم کرو، اور میری

بیوی کا نام مت لو، اُسی کی مصیبت کا خیال تو مجھے پاگل کئے دیتا ہے"
میں نے کہا اس سے کیا فائدہ۔ آخر اُسے معلوم ضرور ہو جائیگا۔ تم اُس سے یہ واقعہ کب تک چھپاؤ گے۔ اگر اسکو یہ خبر اور ذرائع سے لگ گئی تو اُسکو اور بھی زیادہ رنج ہوگا۔ تمہارے خود کہدینے سے اس کو کچھ اطمینان ہو جائے گا کیونکہ ایسے شخص کا طرز بیان جس کو ہم سے محبت ہو سخت سے سخت چیز کو بھی نرم کر دیتا ہے، علاوہ ازیں تم اپنے بیان اُس کی ہمدردی سے بھی محروم کر رہے ہو، صرف یہی نہیں، بلکہ تم اُس رشتہ محبت کو بھی جو دو دلوں کو یکجا ملانے ہوئے ہے، کمزور کر رہے ہو، اُسے بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ کوئی چیز پوشیدہ طور پر تمہارے دل کا شکار کر رہی ہے اور سچی محبت میں کوئی بات چھپایا نہیں کرتے، خاصکر اُس صورت میں جبکہ طرفین میں سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو، اور دوسرے کو خبر نہ کیجاوے کیونکہ اُس سے یہ گمان پیدا ہو جاتا ہے کہ شاید اُس کو میری محبت کم ہے جو مجھے اپنا رازدار تصور نہیں کرتا۔

لزلی نے کہا میرے پیارے دوست! بھلا یہ تو خیال کرو، کہ اسکی تمام آیندہ امیدیں کس طرح پامال ہو جائینگی؟ یہ کہکر کہ اب تیرے خاوند اور مصیبت میں کوئی فرق نہیں، اس کی روح کو کیسے صدمہ پہنچاؤں؟ میں اس سے کیسے کہوں، کہ اب تجھے دنیا کی تمام نعمتوں اور سوسائٹی کے تمام تکلفات سے دست کش ہونا پڑے گا؟ اور میرے ساتھ تجھ کو بھی مفلسی اور گمنامی کا شکار بننا پڑے گا؟ آہ! میرا اس سے یہ کہنا کہ میں نے تجھ کو اُس روشن راستے سے جس پر تو بے خوف چل رہی تھی، ہٹا کر ایک تاریک گڑھے میں ڈالدیا ہے! وہ بیوی جو ہر ایک آنکھ کو روشنی بخشتی

تھی اور ہر ایک جس کی تعریف کرتا تھا کس طرح مفلسی کے کٹھن رستے طے کر سکتی ہے؟ وہ ناز و نعمت سے بڑھی پلی، وہ کس طرح، لوگوں کی بے پرواہی گوارا کرے گی؟ وہ سوسائٹی کے دیوی تھی، آہ! اس کے بتا دینے سے اس کا دل ٹوٹ جائے گا! بے شک اس کا دل ٹوٹ جائے گا!"

میں نے یہ خیال کر کے کہ بے حد رنج کے باعث یہ اس قسم کی تقریر کر رہا ہے اسکو روکا۔ جب اس کا جوش کچھ کم ہوا۔ اور وہ چپ ہوا تو میں نے نہایت احتیاط کے ساتھ پھر وہی ذکر چھیڑا۔ اور اس کو صلاح دی کہ وہ اپنی بیوی کو سب ماجرہ کہہ سنائے۔ اس نے میری بات کو قبول نہ کیا پھر میں نے کہا "تم کس طرح اس سے چھپا سکتے ہو؟ یہ ضروری ہے کہ وہ اس واقعہ سے آگاہ ہو اور پھر تم دونوں مل کر مناسب حال تدبیر اختیار کرو۔ تم کو اپنا طرز معاشرت بدلنا ہوگا (یہ دیکھ کر کہ اس کے چہرے پر اوداسی چھا گئی) نہیں نہیں اس سے تم اپنا دل مت دکھاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ تمھاری خوشی کا انحصار کبھی نمائشی باتوں پر نہیں رہا۔ تمھارے اب بھی بہت سے دوست ہیں جو تمھاری اتنی ہی عزت کریں گے، وہ اس بات کا خیال بھی دل میں نہ لاویں گے کہ اب تمھاری مالی حالت بہت گری ہوئی ہے، اور حقیقت میں اصلی راحت کا لطف حاصل کرنے کے لیے محلوں ہی میں بسر کرنا ضروری نہیں۔"

اس نے ایک بارہی چلا کر کہا "اگر مجھکو غار میں بھی بند کر دیا جائے اور میری بیوی میرے پاس رہے تب بھی میں خوش رہونگا، اگر وہ میرے ساتھ رہے، تو میں مفلس کیا خاک میں ملنا بھی گوارا کروں گا۔ خدا اس پر رحم کرے! خدا اس پر رحم کرے!!" یہ کہکر وہ رونے لگا اور اس کا چہرہ رنج اور محبت کی زندہ تصویر بن گیا۔"

میں نے آگے بڑھکر محبت سے اس کا بازو پکڑکر کہا" کہ میرے پیارے دوست تم یقین جانو، کہ اُس کی محبت میں بالکل کمی نہ ہوگی بلکہ اور زیادتی ہوگی، کیونکہ اس کی تمام چھپی ہوئی قوتوں اور دلی ہمدردی میں از سرِ نو جان پڑجائے گی، اور اب اسکو بلا خیال دولت و ثروت، خاص تمھاری ذات سے الفت ہوگی خداتعالےٰ نے ہر ایک راست باز عورت کے دل میں ایک ایسی صفت رکھی ہے، جو خوشحالی کے وقت میں تو ظاہر نہیں ہوتی لیکن مصیبت اور تنگدستی کے تاریک زمانہ میں اپنی روشن شعاعوں سے اعانت کرتی ہے کسی شخص کو جبتک کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھہ دنیا کی دشوار گذار گھاٹیوں کو طے نہ کرچکا ہو اُس کی فرشتہ صفات کی قدر نہیں ہوتی"

چونکہ میں نے نہایت متانت سے گفتگو کرکے، چند مثالوں سے اُسکو سمجھانے کی کوشش کی تھی اس واسطے میری تقریر نے لڑکی کے دلپر بڑا اثر کیا- میں چونکہ اس کے مزاج سے واقف تہا اس لیے میں نے اپنی بات بہت زور دیکر بیان کی اور کہا" کہ گھر جاکر اپنی بیوی سے تمام حال کہہ دو اور اپنے غمگین دل کے بوجھہ کو کچھہ تو ہلکا کرو"

اگرچہ میں نے یہ تمام باتیں کہنے کو تو کہہ دیں تاہم یہ اندیشہ پیدا ہوگیا کہ دیکھئے اس کا کیا نتیجہ ہو؟ اس عورت کے تحمل اور برداشت کا کون شخص صحیح اندازہ لگاسکتا ہے، جس کی گذشتہ زندگی عیش میں بسر ہوئی ہو؟ شاید اس کا عیش اور زندہ دلی اس نئی اتفاقیہ مصیبت کا سامنا کرنے سے گھبراجائے، اور گذشتہ راحتوں کا خیال دلپر اور گہرا اثر کرے؟ نہ صرف اِس خیال سے کہ اب اعلیٰ سوسائٹی کی شرکت سے محروم رہنا ہوگا، بلکہ یہ بات اور اور مشکلات کا بھی پیش خیمہ ہوگی، اور اُن مصیبتوں کا

سامنا کرنا پڑے گا جن کا اُس کو اب تک خیال بھی نہ آیا تھا، جب کہ میں دوسرے دن صبح کو لزلی سے ملنے چلا، تو مجھے بھی اندیشہ تھا۔ لزلی سے مل کر معلوم ہوا کہ اس نے اپنا راز اپنی بیوی سے بیان کر دیا۔ میں نے پوچھا کہ تمہاری بیوی نے اسکو سُن کر کس طرح سہنا گوارا کیا، اس نے جواب دیا "ایک فرشتہ کی مانند۔ میرا ماجرہ سنکر اس کی تشویش رفع ہو گئی کیونکہ اس نے اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈالدیں اور کہا "کیا یہی بات تھی جس نے تم کو اس قدر مغموم کر رکھا تھا" پھر لزلی نے یوں کہا "اے نادان! تو اُس مصیبت کا پورا اندازہ لگا سکتی جو ہم پر گذری اور گذرے گی! تو افلاس کے معنی بجز اس کے کہ کہیں کسی نظم میں اس کا ذکر پڑھ لیا ہوگا، اچھی طرح نہیں سمجھی ہے! ابھی تک تو اپنی نئی حالت کی مصیبتوں کو کامل طور پر نہیں سمجھ سکی!۔ اور نہ مجھے اِن آسائشوں کے چھوٹ جانے کا کوئی رنج ہوا لیکن جب یہ دقتیں ہماری روزانہ زندگی میں پیش آئینگی اور چھوٹی چھوٹی ضرورتیں لاحق ہونگی، اُس وقت تجھ کو پوری حقیقت کھل جائیگی اور اصل آزمایش اُسی وقت ہوگی"۔

میں نے کہا "اب جبکہ تم نہایت دشوار گذار راستہ طے کر چکے ہو یعنے اپنی بیوی کو تمام حال سنا چکے ہو، تو جس قدر جلد تم اور لوگوں کو اس سے آگاہ کر دو اتنا ہی بہتر ہے اس کے بیان کرنے سے تم کو ضرور صدمہ ہوگا لیکن اور تکلیفوں سے بچ جاؤ گے، ورنہ تم کو ہر وقت اس کا خیال رہیگا اور رنج تازہ ہوتا رہے گا، مفلسی کا ظاہر کر دینا اس قدر شرمندگی کا باعث نہیں، جتنا کہ شیخی خورے کا حال کھل جانا، مفلسی میں غرور کرنے والے اور خراب حالت کو اچھا ظاہر کرنے والے کی قلعی ضرور کھل

جاتی ہے۔ اپنی تنگدستی کو آشکار کرنے کی ایک دفعہ ہمت باندھ لو، پھر تمکو اس کے ظاہر ہو جانے کی خلش جاتی رہے گی،

اس بات پر میں نے لزلی کو بالکل آمادہ دیکھا۔ اس میں نمود نام کو نہ تھی۔ اور اُس کی بیوی اِس مصیبت میں اُس کا ساتھ دینے کو ہر وقت تیار تھی، پھر لوگوں سے چھپانے میں کیا حاصل تھا؟

کچھ دن بعد لزلی میرے پاس شام کے وقت آیا۔ اس نے اپنے رہنے کا مکان فروخت کر ڈالا اور گاؤں میں ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیا۔ گاؤں شہر سے چند میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس دن وہ اسباب بھیجنے کے کام میں مشغول تھا۔ نئے گھر کے لیے متعدد چیزوں کی ضرورت تھی، اور بھی اور نئی قسم کے، اُس نے اپنا تمام بیش قیمت سامان بیچ ڈالا، لیکن اپنی بیوی کے بجانے کا باجہ رہنے دیا۔ لزلی نے کہا کہ باجہ رکھہ لینے کی خاص وجہ ہے وہ ہماری آپس کی ابتدائی محبت کا محرم ہے اور ہماری الفت کے قصہ سے اُس کا تعلق ہے، میرا بہت سا دل خوش کن وقت وہ ہوتا تھا جبکہ میں باجہ پر جھک کر اپنی بیوی کی رسیلی آواز کو سنا کرتا تھا۔ یہ سنکر مجھے ہنسی آگئی

وہ اس وقت اپنے نئے مکان کو جا رہا تھا جہاں اس کی بیوی تمام سامان کو سلیقہ سے رکھہ رہی تھی مجھے اس کے خانگی معاملات میں دلچسپی لینے کا شوق اور بڑھا، اور چونکہ وقت اچھا تھا میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ دن بھر کام میں مصروف رہنے کے باعث تھک گیا تھا۔ چلتے چلتے وہ کسی سوچ میں پڑ گیا، اور ایک سرد آہ کھینچکر یہ کہا "غریب بیوی"۔ میں نے انجان بنکر پوچھا۔ "اُس کا کیا ذکر ہے؟ اس کو کیا ہوا؟" یہ سنکر اس نے بے چینی کے ساتھ میری طرف گھبرا کر چلا کر کہا "کیا! ایک تباہ حالت میں مبتلا ہو جانا

کچھ حقیقت نہیں رکھتا؟ ایک چھوٹے سے گھر میں دن کاٹنا اور ذرا ذرا کاموں
کے لیے سخت تکلیف گوارا کرنا کیا یہ کچھ غیر معمولی بات نہیں" میں نے
پوچھا "تو کیا اُسکو اپنی حالت کا بدل جانا کچھ ناگوار ہوا؟" اس نے متعجب ہوکر
جواب دیا "ناگوار ہونا کیسا؟! وہ ہمیشہ کی خوش مزاج ہے اور اب پہلے سے
زیادہ میں اسکو خوش پاتا ہوں، اس نے مجھے ہمیشہ آرام دیا، اس کی محبت
میں کبھی فرق نہ آیا" میں نے کہا "قابل تعریف بیوی ہے! میرے پیارے دوست
تم اپنے کو غریب بتاتے ہو؟ تم اتنے کبھی مالدار نہ تھے. تم کو ان لاتعداد
خوبیوں اور نیکیوں کے خزانوں کا کچھ بھی پتہ نہ تھا جس کے اب تم اپنی بیوی
کی بدولت مالک و مختار ہو"

لزلی نے کہا "میرے اچھے دوست اگر نئے مکان میں پہلا دن ہنسی
خوشی کٹ جائے تو میرا خیال ہے کہ میں باقی زندگی آرام سے بسر کرسکوں گا
کیونکہ اس نے آج پہلی مرتبہ مصیبت کا تجربہ کیا ہے، وہ آج ایک چھوٹے
اور حقیر مکان میں آئی ہے، اور تمام معمولی چیزوں کی دیکھ بھال میں مصروف
رہی ہے۔ پہلی مرتبہ اس کو گھر کے کاروبار کی تکلیف کا حال معلوم ہوا۔
پہلی مرتبہ آج اس نے چاروں طرف ایسی دیواریں دیکھی ہیں جو آرائشی
سامان سے خالی ہیں، اور تقریباً تمام آرام کی چیزیں اُس گھر میں نہیں ہیں
شاید اس وقت تنگ کردہ زمین پر بیٹھی ہوگی، اور اپنی اس مفلسی پر آٹھ
آٹھ آنسو رو رہی ہوگی" میرے دوست نے جو کچھ کہا وہ درست ہے
اور اسی واسطے میں اسکو رد نہ کرسکا۔ میں خاموش ہو رہا اور ہم دونو آگے بڑھکر
بڑی سڑک سے مڑکر ہم ایک تنگ راستہ پر آئے۔ جس کے دونوں طرف
اس کثرت سے خودرو درخت لگے ہوئے تھے کہ وہ ایک گوشہ تنہائی معلوم ہوتا تھا

آخرکار ہم مکان کے سامنے آگئے یہ مکان شاعر کی طبیعت اور مذاق کے عین مناسب تھا، اس کی وضع گاؤں کے مکانوں کی سی تھی ایک انگور کی ہری بھری بیل اس پر چڑھی ہوئی تھی، کچھ درختوں کی شاخیں اس پر اپنا سایہ کیے ہوئے تھیں، دروازہ کے سامنے، پھولدار پودوں کے گملے ایسی خوبصورتی اور ترتیب سے رکھے ہوئے تھے جس سے دیکھنے والے کے عمدہ مذاق کا ثبوت ملتا تھا۔ سامنے سبز گھاس کا ایک چھوٹا سا قطعہ تھا۔ لکڑی کے دروازہ سے لیکر مکان تک ایک چھوٹا سا راستہ جاتا جس کے دو طرفہ سبز سبز جھاڑیوں کی قطاریں تھیں۔ جونہی کہ ہم وہاں پہنچے، ہم کو گانے کی آواز سنائی دی۔ لزلی نے میرا بازو پکڑ لیا۔ ہم دونو ٹھیر گئے۔ اور کھڑے سنتے رہے۔ یہ گانے کی آواز اس کی بیوی کی تھی اور راگ بہت سادہ اور مؤثر تھا جسے اس کا خاوند خاص طور سے پسند کرتا تھا۔

میں نے دیکھا کہ لزلی کا ہاتھ جو میرے بازو پر رکھا ہوا تھا، کانپ رہا ہے۔ وہ ذرا آگے بڑھا تاکہ آواز صاف طور سے سن سکے۔ اس کے قدموں کی آہٹ کسی کے کان میں پڑگئی اور ایک خوبصورت روشن چہرہ کھڑکی کے باہر نمودار ہوا اور پھر نظروں سے چھپ گیا۔ ہلکی ہلکی قدموں کی آواز مکان میں سے آنی شروع ہوگئی۔ اور اس کی بیوی خوش خوش ہم سے ملنے کو آگے بڑھی۔ وہ گنواری وضع کا خوبصورت سفید رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی اور کچھ تازہ پھول اس کے بالوں میں لگے ہوئے تھے، اس کے رخساروں پر تازگی تھی، اور اس کا تمام چہرہ مسکراہٹ کے باعث چمک اٹھا۔ مجھے اس وقت اس کی صورت بہت ہی

بھلی اور اچھی معلوم ہوئی۔

اُس نے کہا میرے پیارے جارج! مجھے تمہارے آنے سے بہت خوشی ہوئی، میں تمہاری بے حد منتظر تھی، اور تھوڑی دیر بعد اُس چھوٹے راستہ تک تم کو دیکھنے کو جاتی تھی۔ میں نے مکان کی پشت پر ایک سبز درخت کے نیچے لگا رکھی ہے، اور ان کیاریوں میں سے کچھ ترکاری توڑ کر رکھ لی ہے، کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم کو ترکاری بہت مرغوب ہے۔ ہمارے ہاں بہت عمدہ ملائی ہے، اور ہر ایک چیز اس قدر خوش ذائقہ ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ اوہ! اوہ!! ہم کسقدر خوش ہیں"

بیچارہ لزلی بے اختیار ہو گیا۔ اس نے اپنی بیوی کو گلے لگا، اس کے بازو اپنی گردن کے گرد ڈال لیں، اور اس کو بار بار پیار کیا، اس سے بالکل نہ بولا گیا لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے"

اس واقعہ کے بعد لزلی نے مجھے اکثر مرتبہ اس بات کا یقین دلایا ہے کہ اگرچہ میری مالی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی ہے اور میری بیوی بھی بہت خوش رہنے لگی ہے، لیکن مجھے اُس وقت سے زیادہ، کبھی حقیقی اور کامل خوشی نصیب نہ ہوئی"

زنِ نیک خوش سیرت و پارسا
کند مرد درویش را پادشاہ

صدر الاسلام حقی دہلوی

لڑکیوں کی انشاء۔ حامیانِ تعلیم نسواں کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی انشاء لڑکیوں کے واسطے مولوی محمد عبدالراشد صاحب الخیری کی قلم سے نکلے۔ لطف زبان کے واسطے کچھ لکھنا بےسود ہے، ہر خط ایسا خوشتر ہے کہ ایک ایک حرف کلیجہ پر گرتا ہے قیمت ایک روپیہ (عہ) ناظرانِ عصمت و تمدن سے آٹھ آنہ (۸) تمدن منیجر

مسئلہ مشرقیہ تاریخ کی عینک سے

نمبر (۱)

یورپ کی سیاسی تاریخ سے باخبر یا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کی تو میں کہتا نہیں، ورنہ مسئلہ مشرقیہ کی ماہیت سمجھنا تو درکنار، ہم اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ کیا چیز ہے اور کس خطہ زمین پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ باوجود اس امر کے کہ جب سے سرزمین طرابلس پر جنگ چھڑی ہے حریفوں کی سنگینوں کی چمک، غارتگر انسان انجنوں کی دھمک، کبھی چشمک برق کا ہول، کبھی تبسم شرار کی سرخوشی، پیدا کر رہے ہیں، اور اخبار نویسوں کے اشہب فکر کی جولانیوں کے لیے نئی نئی زمینیں نکال رہے ہیں، چنانچہ نظر بحالات جنگ، ان کی چشم قلم عنوان بالا پر بھی اشارے مار جاتی ہے، کیونکہ جنگ طرابلس، ترکوں کے جسم سیاسی کے اس ناسور کی ایک شاخ ہے، جس نے سو سو برس سے زیادہ سے ان کی زندگی تلخ کر رکھی ہے، لیکن بے سمجھے سوگدھا۔ اور ناڑی کی جلنے بلا" کے مصداق اخبار بین حضرات ان مبہم لفظوں پر سے گذر تے ہیں یا اٹکتے ہیں اور کچھ وہیں کا جھگڑا ہوگا" کہہ کر اپنے دل کو سمجھا لیتے ہیں، مگر وہ بیچارے بھی کیا کریں، ہماری مادری زبان میں سیاسی لٹریچر و اسلامی تاریخ ہی سرے سے الشاذ کالمعدوم ہے۔

مسئلہ مشرقیہ کے جنم لینے سے پہلے یا انیسویں صدی کے آغاز میں یورپ کی حالت بہت دگرگوں ہوگئی تھی، نپولین کی مافوق العادت فتوحات نے تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے

کہ فرنگیوں کی ساتوں ٹوپیوں کو ایسا ناچ نچایا تہا کہ اگر وہ اتفاق و اتحاد کر کے خوفناک غنیم عام سے اپنی ہستی کو نہ بچاتے، تو وہ تمام یورپ پر چھا جاتا، یورپ دعا دے برطانیہ عظمے کو، کہ اس کی زوردار تحریک سے، ولنگٹن کی سرکردگی میں، دول یورپ کا متفقہ ٹڈی دل لشکر اُس شخص کے سامنے آ کہڑا ہوا جس کے نام سے اگیممنن[۵۱] اور اکیلیس[۵۲] کی ہڈیاں بہی قبر میں لرزتی ہیں، اور چند سال تک سرگرم پیکار رہ کر آخر اسکو بساط یورپ سے مطلقاً ہٹا دیا +

نیپولین کی دول یورپ سے بیس سالہ قیامت خیز معرکہ آرائیوں سے نے ہنڈرڈ ایرز وارز (صد سالہ جنگ) کی داستانیں بہی دل سے محو کرا دی تہیں، آدم زاد تو آدم زاد، زمانہ کا دل بہی توپ و تفنگ کی گرج و کڑک سے اُکتا گیا تھا، فوق الانسان کوششوں کا ایک ابنائے جنس کو نیچا دکھانے میں مونہ پھر گیا تھا، سلاطین یورپ کا دُو ذو قرن سے جنگ کے متوحش خواب دیکھتے دیکھتے خون خشک ہو گیا تہا، لیکن اس عظیم مہم سے فارغ ہوتے ہی دول کا دل ہلکا پہول ہو گیا اور امن و امان کی زندگی بعد ہزار حسن و فریب ان کی نگاہوں میں کہنے لگی، وہ نہایت بیقراری سے اس کے دامان سے لپٹ گئے، اور فوراً قرارداد باہمی ہوئی، کہ یورپ کا اخلاقی و تمدنی شجر، جس کا تار و پود بھی باقی نہ رہا تہا، از سرِ نو لگایا جائے، یورپ کا سیاسی محل جسکی بونا پارٹ نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تہی، سنئے سرے سے چنا جائے اور نئے یورپ کی نہایت ایمانداری سے سیاسی تقسیم کر کے خیر و امن کا

۵۱ agamemnon. ۵۲ achelles.

ایسا مستحکم منارہ بلند کیا جائے، جو قیامت تک جنبش نہ کھائے، ان عافیت اندوہ
تجویزوں کو معرض عمل میں لانے کے لیے سلاطین یورپ نے وائنا دارالخلافہ
آسٹریا میں ایک کانگرس ۱۸۱۵ء میں منعقد کی جسکو یورپ کی پولیٹیکل ہسٹری
کی داغ بیل، اور عیسائی طاقتوں کے اتحاد و ترقی، اور ترکوں کے انحطاط کی
آیات بینات سمجھنی چاہیئے!!! اور جس کے واقعات کی لڑی کا ایک نمونہ
جنگ طرابلس ہے۔!

مذکورہ بالا کانگرس کے چند اجلاس ہفت اقلیم مغرب کے نظام سیاسی
و اتحاد ملی کو راہ پر لگانے کے لیے ظاہرا کافی تھے، اس لیے ایک طرف
تو دول اپنے اپنے ملک میں اصلاحوں کی ریل پیل کر رہے تھے۔ بالخصوص
فرانس جس کا معرکہ آرائیوں اور خانہ جنگیوں سے شیرازہ بکھر گیا تھا، اس کے
مجتمع کرنے میں مصروف تھا، موجودہ جرمنی اپنی اقلیم کے پراگندہ و منتشر
اعضاء کو جوڑ رہا تھا، ہسپانیہ اور پرتگال اپنے مطلع سیاست پر سے بغاوتوں کی
گھٹا دور کر رہے تھے، اور اٹلی اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو ایک مرکز اتحاد
پر لا رہی تھی، دوسری طرف یورپ کے جال سیاست متفرق مقامات پر
سال بسال بین الاقوامی جلسوں میں غیر معمولی فصاحت و بلاغت کے ساتھ
گونج رہے تھے، اور اپنے اپنے سیاسی و اقتصادی فوائد کے جوڑ توڑ کے
ساتھ یورپ کی تمام بڑی بڑی سلطنتوں کو ایک سلک اخوت میں منسلک کر رہے
تھے کہ دفعتاً بلقان کے پہاڑوں پر سے ایک ہیبت افزا سیاہ بادل اٹھا،
اور آن کی آن میں دولت عثمانیہ پر چھا گیا، الکزنڈر اول زار روس جنہوں
نے مسیحی برادری کے پاک اتحاد کا بیڑا اٹھایا تھا، لیبا ئنگ کی کانگرس کی کارروائیوں
مبصرانہ و ناقدانہ نظر ڈال رہے تھے، کہ ۱۵-مارچ ۱۸۲۱ء کو بیغا سبریہ خبر لیکر

پہنچا، کہ دریائے ڈینیوب کے اردگرد کی تمام عیسائی ریاستوں نے سلطنت عثمانیہ
کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے، اور عزم بالجزم کر لیا ہے کہ دولت عثمانیہ
کو (خاکم بدہن) بیخ و بن سے اکھاڑ دیں اور قدیم بائزنطائن سلطنت کو
اُس کی جگہ بحال کر دیں۔

یہی ابتدا تھی اس نحوست آثار اور اس سوز مسئلہ کی جس میں دولت عثمانیہ
کی قسمت کا فیصلہ سربستہ ہے اور جس کا نام دول یورپ کی قسیسی بارگاہ
نے، اپنی سیاسی خط وکتابت کی سہولت کے لیے، ایسٹرن کوئسچن
یا مسئلہ مشرقیہ رکھا۔

جب اس ناہنجار مسئلہ مشرقیہ نے جنم لیا، تو اسوقت ترکوں کو سرزمین
یورپ پر قدم رکھے ہوئے چار سو برس گذر چکے تھے۔ لیکن اس
مدت دراز میں عمرانی اصول کے تباین سے نہ مفتوحین کو اپنے میں ملا
سکے نہ خود ان میں مل سکے، مذہب، طرز معاشرت، انداز خیالات سب
میں زمین آسمان کا فرق تھا، یورپ بہیمیت سے انسانیت کی طرف
صعود کر چکا تھا، مسلمان اپنے علوم وفنون کو کھو چکے تھے، ان کا آفتاب
کمال نصف النہار پر جگمگا کے، اپنی عالمگیر ضیائے ایک عالم کو مستنیر
کر کے جانب غروب ڈھل چکا تھا، اقوام مغرب نے اسے دیکھکر
اسکی تابان شعاعوں سے اپنے فانوس عقل وہوش کو روشن کر لیا تھا،
اور پھر ان لوگوں کے سامنے، جو انہیں حقیر، خوشہ چین اور اپنا زلہ ربا سمجھتے
تھے، جدید علوم وفنون کے پر لگا کے آسمان ترقی پر اڑنے لگے
تھے، یہی سفید غول جن کے دلوں پر مسلمانوں کی عظیم الشان محاربات کے
ہزاروں سکے بیٹھے ہوئے تھے رب النوع جنگ کہلانے لگے تھے

بھلا اب ترکوں کو کیوں خاطر میں لاتے وہی صدی کے دور میں انکی طرز ماند و بود پر موہنہ آنے لگے، ان کو یورپی کف میں ایک بے میل عنصر سمجھکر ترقی یافتہ عیسائیوں پر حکمرانی کے ناقابل سمجھا ان کے مغربی تہذیب کے دوش بدوش نہ چلنے اور اس کے قبول کی فقدان صلاحیت کے باعث اپنی سطح مرتفع سے نیچا خیال کیا۔ انتہا یہ کہ ان کے وجود کو سر چشمہ شورش وفساد قرار دیکران کے اخراج کی تدبیر سوچنے لگے، اللہ اللہ ؎

آنانکہ نیم خوارہ ما بود خوردشاں

اکنوں زنیم خوارہ ایشاں خوریم آہ

وہ "جسکو خدا رکھے"، اس کو کون چکھے کے بموجب رب العلا نے دول یورپ کی رقیبانہ چشمکوں کو ترکوں کے قیام کے لیے سد سکندری بنا دیا ورنہ (خدا وہ دن نہ دکھلائے) آج ترکوں کا یورپ میں نام و نشان بھی نہیں ہوتا ترکوں کی خدا داد مہارت حسن تدبیر دول یورپ کے امور متنازعہ فیہ کی سربراہی کے لیے اول اول نعمت غیر مترقبہ سمجھی جاتی تھی، چنانچہ یہ اسی کا طفیل ہے کہ مملکت فرانس اس احسان عظیم کے اعتراف میں جو سلطان اعظم نے نہایت نازک وقت میں فرانس اول شہنشاہ فرانس کی مدد پر آسٹریا کے خلاف اپنے پرجبروت جوانان ترک کا لشکر بھیجکر کیا تھا باوجود اپنے گوناگوں وقیامت خیز انقلابات حکومت کے آجتک اپنے محسن کا منت پذیر اور قدیم روایات دوستی وخوشنودی باب عالی کا خیال کرتا رہا۔ مملکت آسٹریا بھی روس کی کشور کشایانہ ہوس کو خاکان اسلام کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اور خطرناک سمجھنے لگی آسٹریا کو روس کے تغول بیابانی کی یزد کا جنوبا سد باب کرنے کا ایسا خوف پیدا ہوا کہ وہ

اپنے تمام مذہبی تعصبات کو بھی بھول گیا، اور دولت عثمانیہ کی سلامتی کا وظیفہ پڑھنے لگا، ورنہ اس سے قبل اپنے ہمنوا روس کے مانند سلاطین عثمانیہ کو یورپ کے جائز سلاطین میں شمار کرنا یورپ کی توہین شان سمجھتا تھا لیکن اب اپنے تدرج کی خیر مناتے ہوئے اس نے بخوشی سلطان المعظم کو یورپ کے جائز سلاطین میں تسلیم کر لیا۔ علیٰ ہذا انگلستان نے بھی بحیرہ قلزم اور مشرق کے تمام تجارتی راستوں پر اپنا قبضہ و اقتدار جمائے رکھنے کی غرض سے دولت عثمانیہ کی بقا کو اپنی مذہب سیاسی کا رکن اولین قرار دیا، دول یورپ میں صرف ایک زار روس وقت ایسا باقی رہ گیا تھا، جس کا خون بازنطائن سلاطین سے ملتا تھا، اور اسی بنا پر انہی کا لقب سیزر اختیار کیا تھا وہ جانتا تھا کہ یہ ترک وہی ترک ہیں جنھوں نے ہمارے آبا و اجداد کو ناک سے چنے چبوا کر صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تھا، اور ان کی سلطنت کا ورق الٹ دیا تھا، چنانچہ طبیعت بشری کے اقتضا سے اُسے اباً عن جدٍ ترکوں ترکوں کے خلاف معاندانہ جذبات پہنچے تھے، وہ ترکوں کا جانی دشمن اور اُن کے خون کا پیاسا تھا۔

اگر برطانیہ عظمیٰ جیسی طاقتور سلطنت کا جس کی ہمدردی ترکوں کے ساتھ یقینی تھی خوف نہ ہوتا، تو وہ ترکوں کی بربادی میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتا اور ۱۸۱۵ء کی کانگریس کبھی بھی کامیاب ہو سکتی۔

"شوکت"

ناظرین تمدن براہ کرم خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں ورنہ عدم تعمیل کی شکایت معاف۔ مینیجر

میمونہ

رات کے سناٹے میں اٹلی کے مشہور پہاڑ ایلپس کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ چاند تین سے زیادہ منزلیں طے کر چکا تھا اور اس کوہستان سے متعلق جو چاروں طرف سناٹا طاری تھا صرف آبشاروں کی آواز رات کو الوداع کہہ رہی تھی دامن کوہ میں ایک خانقاہ تھی جس کے مکین علائق دنیوی کو خیرباد کہہ کر اپنے معبود کی تسبیح کرتے تھے۔

خانقاہ رنگ برنگ کے پھولوں سے آراستہ تھی سرسبز و شاداب پودے لہلہا رہے تھے اور ہوا پھولوں کو گدگدا گدگدا کر چادر مہتاب لٹا رہی تھی دفعۃً ایک مہ جبین جو روشوں پر ٹہل رہی تھی اور جس کو تنہا پاکر ہوا نے اپنے دست گستاخ بڑھا دیے تھے اکتا کر گلاب کے پودے کے پاس آئی پھولوں نے اس کا استقبال کیا پودوں نے اسے سجدے کئے چاند اس کے پاؤں پر لوٹا اور درختوں نے سر اٹھا کر اس کی آمد پر مبارکباد کے نعرے لگائے۔

مسفرہ صنعت حقیقی کا ایک نمونہ تھی اور سن سولہ سال سمند ناز پر ایک تازیانہ لباس سادہ اور چال مستانہ رسیلی آنکھیں بیباکانہ پھولوں پر وار کر رہی تھیں کہ ایک نوجوان قریب پہنچا جس کی صورت دیکھتے ہی مہ جبین پہلے جھجک کر پیچھے ہٹی اور پہچان کر یہ کہتی ہوئی آگے بڑھی۔ ایلسٹن آ گئے۔

ایلسٹن یہ شاہی گرجا کا گھنٹہ دو بجا رہا تھا جس وقت میں یہاں پہنچا ہوں تمہارا پیغام جس وقت میرے پاس پہنچا ہے آفتاب غروب ہونے کی

تیاریاں کر رہا تھا بس گریٹ کیس اور دیا سلائی کے بیٹنے میں ضرور توقف ہوا ورنہ سی آفتاب کے ساتھ ہی آخر کار مسافرت میں مجھکو وغا دے گیا روانہ ہوا تھا۔ چاندنی رات اور دریا کا کنارہ ٹھنڈی ہوا اور یہاں تک پہونچنے کی اُمید دلکی جو کیفیت تھی بیان نہیں ہوسکتی۔

رہ جبین "میرے واسطے حضور اقدس نے جو کچھ حکم دیا ہے تم نے سن لیا ہوگا

الیشن " میں نے یہ اُڑتی سی خبر کل دوپہر کو کرائپ میں سُنی تھی کہ شہنشاہ معظم نے پانچ سال کے واسطے اپنی پیاری بیٹی اور میرے دل و جان کی مالک سیمونہ کو جلاوطن ہونے کا حکم دیا ہے۔

سیمونہ " ہاں اس حکم کی تعمیل میں چند گھنٹے باقی ہیں اور محض ماں کی سفارش اور چچا کی ذمہ داری پر مجھے آج پورے تین سال بعد آتنی اجازت ملی ہے کہ مقدس پوپ کی زیارت کرلوں الیشن اب میں تم سے پانچ سال کو رخصت ہوتی ہوں تم خاندان شاہی کی ایک رکن ہو اس خیال کو اپنے دل سے دور کرو مجھے اُمید نہیں کہ اب جانبر ہوسکوں گی۔ مادۂ وفا میری سرشت میں ودیعت تھا میں تم پر نہیں اپنے خیال پر قربان ہوئی خوشیوں بھری دنیا تم کو مبارک ہو بد نصیب سیمونہ کی یہ انگوٹھی اس کی یادگار اپنے پاس رکھنا بس خدا حافظ "

الیشن کی آنکھ سے اسوقت آنسو گر رہے تھے ضبط نہ ہوسکا تو سیمونہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا آنکھوں پر رکھا اور اس کے سوا کچھ نہ کہا،

"ہوا کے جھونکو اسوقت کے شاہد رہنا"

سیمونہ اس فطرتی اصول کے بموجب جس نے اس کے منہ پر مہر سکوت لگا دی تھی ہر چند کوشش کر رہی تھی کہ حالت ظاہری کیفیت قلب کو

آشکارا نہ کردے مگر واقعات مؤثر تھے اور وقت نازک گورنمنٹ نے شکایت زبان تک نہ آنے دی۔ مگر اس کا لازمی نتیجہ دماغ کی پریشانی اور اضطراب قلب تھا آگے بڑھی ایلسٹن کے کندھوں پر سر رکھدیا اور بیہوش ہوگئی۔

(۲)

خانقاہ کے اندر مقدس پوپ جس کا آخری نیوی فعل شہنشاہ سلاپیسٹر کے باپ کے سر پر تاج شاہی رکھنا تھا ایک مٹی کے ڈھیر پر بیٹھا کر الیعالیہ کا مشہور پر ندا ملیکو صبحکا پیغام سے آیا ہے سامنے کی دیوار و پر تین تصویریں لٹک رہی ہیں داہنی طرف یسوع مسیح۔ بائیں طرف ہولی ورجن اور بیچ میں صلیب عیسوی۔

شہنشاہ بیگم مقدس پوپ کے آگے سجدے میں پڑی ہے تاج شاہی خاک پر لوٹ رہا ہے لباس گرد آلود ہے اور گو خانقاہ سے باہر شاہی باڈی گارڈ ننگی تلوار کا پہرہ دے رہا ہے مگر اس موقعہ پر کوئی آنا بھی نہیں کہ ملکہ کا سر اٹھا کر اسکو تسکین دے جب بیگم کی تمام رات اس حالت میں بسر ہوگئی تو پوپ نے گردن اٹھائی سفید پلکیں انقلاب زمانہ کی تصویر تھیں آنکھوں سے شعلہ نکل رہے تھے خنجر براں ہاتھ میں تھا اور قہر آلود نظریں ملکہ کے سر پر تھیں

کچھ تامل کے بعد مقدس پوپ کھڑا ہوا اس کا تن بدن کانپ رہا تھا خنجر زور سے پھینکا اور کہنے لگا۔ ملکہ! تو میری گودیوں کی کھلائی ہوئی ہے گو پچاس برس سے زیادہ ہوگئے۔ مگر میرے سامنے ہی وہ وقت جب تو پنگھوڑے میں پڑی تھی بھولا نہیں ہوں میں وہ دن جب میں نے تجھ کو اصطباغ دیا کل تو ایک لاشئے محض تھی اور آج اقلیم الیعالیہ کی شہنشاہ بیگم تو اپنے گذشتہ پچاس سال میں روز بروز ترقی کرتی رہی سینکڑوں اِن

تیرے آگے سربسجود ہیں اور ہزاروں جانیں تیرے قبضۂ قدرت میں مگر یہ
پچاس سال جو تیرے واسطے نعمت تھی میرے لیے مصیبت ۔ اور اب
میری دلی آرزو یہ ہے کہ اگر زندگی کے کچھ تھوڑے روز باقی ہیں تو ایسی سرزمین
پر بسر ہوں جہاں یورپ کا سایہ تک نظر نہ آئے ۔ اینٹن اور سیمونہ کی محبت
پر دہوکا نہ کہا یہ عیسائی نژاد یورپ کے باشندے مہر و محبت سے بالکل
آشنا نہیں شباب کا بھوت دو نو سر و نیم سوار ہے جو اچھی طرح مٹی خراب
کرے گا ۔ مگر خلوص جو شیوہ انسانیت ہے اس سرزمین سے مدتیں ہوئیں کہ گم ہو گیا
اُٹھ اُٹھ ملکہ سہ اُٹھ صبح صادق کا سہانا وقت ہے ٹھنڈی ٹھنڈی محل
سے باہر جا ایسا نہ ہو تمازت آفتاب رخ نازک کو تکلیف دے مبارک ہوگا
وہ وقت جب میرے پاؤں اس دغا باز وطن کو خیرباد کہیں یہ لہلہاتے
ہوئے مرغزار بہتے ہوئے چشمے گاتے ہوئے پرند جن میں عمر بسر ہوئی
ہمیشہ ہمیشہ کو رخصت ہوں ۔"

شہزادی ! مقدس انسان ! میری یہ مجال نہیں کہ آپ سے کسی امر پر بحث کرسکوں
ہولی وَرجن کا سایہ آپ کے سرپر (تصویر کیطرف دیکھ کر) خدا وند میری التجائیں
اشر دہانے وہ پاک ذات جس کے آگے میرے باپ اور دادا نے سر تسلیم
خم کیا میرے اوپر رحم کر اور کلیجے کے ٹکڑے سیمونہ کو جلا وطن ہونیکی
مصیبتوں سے بچا لے ۔

پوپ " جا ! جا ! چلی جا ! چلی جا ! ملکہ ایطالیہ کی بسنے والی کوئی روح رحم کی مستحق
نہیں یہ جو کچھ ہو رہا ہے نہایت خفیف سزا ہے تمہارے اعمال
و افعال کی بیدردو ! ظالمو ! اسنگدلو ! ایک بچی کی چند روزہ جدائی
نے دیوانہ بنا دیا مگر او دغا باز ملک کی ملکہ جا .. جا .. چلی جا .. چلی جا

۲

بحیرۂ روم کے شرقی کنارہ پر ایبریٹیریا میں ایطالیہ کا وہ محل آسمان سے باتیں کر رہا ہے جو خاندان شاہی کے قیدیوں کے واسطے مخصوص ہے یہ محل جو ساٹھ برس کے قریب غیر آباد رہا اب ایک مہ جبین کا مسکن ہے، ہر چہار طرف سنگین پہرہ ہے اور پرندہ کو بھی اجازت نہیں کہ اندر جاسکے سیمونہ ایک نواڑی پلنگ پر مردوں کی سی صورت لیٹی ہے، اس کے گلابی رخسار زرد ہوچکے ہیں اور گو وہ نہایت ذلت کے ساتھ قیدیوں کی سی زندگی بسر کر رہی ہے مگر محبت کا تاج اس کے سر پر جگمگا رہا ہے کپڑے چکٹ ہیں اور بال پریشان مگر یہ حسن کی پوٹ اسوقت بھی خدا کی قدرت کی ایک تصویر ہے وہ بیش بہا ہیرے سرگوشیاں کر رہے تھے کہ ایک سہیلی حاضر ہوئی جھک کر سلام کیا اور ایک پھول نذر کیا۔

سیمونہ کا پھول کو ہاتھ لگانا تھا کہ خیالات کہیں سے کہیں پہنچے، یاد دلدار نے اسکو خون کے آنسو رلوا دیے البیٹن کی تصویر اس کے سامنے تھی اور باپ کے ظلم اس کا کلیجہ توڑ رہے تھے کہ ایک فوجی جوان سگریٹ پیتا ہوا اس کمرہ میں داخل ہوا جسکو دیکھ کر سیمونہ چیختی ہوئی بھاگی اور یہ کہتی ہوئی باہر آئی۔ اے نمک حراموں یسوع کا واسطہ مجھکو اس ظالم میجر سے بچاؤ،

میجر "شہزادی صاحبہ میری طرف سے مطلق خوف نہ کیجئے میں اپنی فوج کے ایک جانباز کپتان کی وصیت پوری کرنے آیا ہوں اگر آپ اجازت دیں تو میرے پاس آپ کی ایک امانت ہے وہ پیش کر دوں"

میجر گینفس کی زبان سے ان الفاظ کا ادا ہونا تھا کہ سیمونہ سہم گئی،

قریب آئی اور نہایت لجاجت سے کہا فرمایئے،

گیلفس :- ٹریپولی وار تو آپ کے سامنے ہی شروع ہو چکی تھی اس معرکہ میں آپ کے اقبال سے اٹلی نے جس شجاعت کا ثبوت دیا ہے اس نے نہ صرف دشمن کے چھکے چھڑا دیئے بلکہ تمام یورپ کو دہلا دیا میں آجکل اس فوج کا سپہ سالار ہوں جو بنغازی میں مکار ترک اور عربوں کا قیمہ بنا رہی ہے۔ پرسوں کا خونریز معرکہ قابل دید تھا جس میں ہزاروں مسلمانوں کے سر اطالیہ کی تلوار نے تن سے علیحدہ کرکے شہر پر پورا قبضہ کیا مگر افسوس ہمارے بھی دو افسر اور تین سپاہی زخمی ہوئے جس میں سے ایک مجروح المیسٹن آج صبح کو جانبر نہ ہو سکا آخر وقت اُس نے مجھے یہ انگوٹھی دی اور کہا شہزادی سیمونہ کی امانت ہے پہونچا کر میری روح کو خوش کرنا،

یہ بیان ایک بجلی تھا جس نے اندر ہی اندر سیمونہ کو جلا کر خاک کر دیا آنکھ میں آنسو نہ تھے لب پر آہ نہ تھی، مگر چہرہ کا رنگ یہ پتہ دے رہا تھا کہ دل مجروح اس صدمہ کی تاب نہ لا سکا۔ وہ گم سم بیٹھ گئی انتہائے مصائب و تکالیف میں امید کی جو جھلک کبھی تر و تازہ کر دیتی ہے اس وقت اس کا انقطاع درحقیقت سیمونہ کی زندگی کا خاتمہ تھا تاہم اس نے استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا اور میجر گیلفس سے کہا تو کیا المیسٹن کی لاش دفن کر دی

میجر :- کل صبح کو میری موجودگی میں دفن ہو گی۔

سیمونہ :- کیا آپ کی عنایت سے یہ ممکن ہے کہ میں بھی رسم تدفین میں شریک ہو سکوں۔

---

(۴)

دوپہر کے سنسان وقت میں عدالت العالیہ کا شاندار کمرہ وکیلوں اور گواہوں سے بھرا ہوا ہے دروازہ پر دورویہ فوج کھڑی ہے مگر خلقت کا ہجوم اس قدر زیادہ ہے کہ مسلح گارد بھی بمشکل انتظام میں کامیاب ہوسکا ایک متبرک صورت نیک سیرت بزرگ ماخوذ ہیں اور ہر شخص گردن نیچے کئے ساکت کھڑا ہے دفعۃً چیف جج نے گردن بلند کی اور فرمایا۔

"مقدس پوپ! ملکہ معظمہ کی موجودگی میں جو الفاظ آپ نے فرمائے اس سے نہ صرف سرکار عالیہ کی توہین و تذلیل ہوئی بلکہ آپ نے تمام یورپ کو ظالم و سفاک بناکر مذہب عیسوی کی وہ ہتک کی ہے جس نے گورنمنٹ کو نہ فقط صدمہ پونچایا بلکہ آپ کی طرف سے بالکل بدظن کر دیا آجکل جبکہ اسلام سے ہمارا معرکہ ہو رہا ہے اندیشہ ہے کہ آپ کا وجود بغاوت کا باعث ہو اور رعیت بھڑک اُٹھے اس لیے میں آپ کو موقعہ دیتا ہوں کہ اگر آپ اپنی بریّت میں کچھ کہنا چاہیں تو کہیں۔"

پوپ ۔ معزز ججو! مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے فرض منصبی کو اس خوش اسلوبی سے انجام دیا اور انصاف کے کسی پہلو کو جس کی آپ سے توقع ہے نظر انداز نہ فرمایا! ازریل ججو! درحقیقت میں نے شہزادی کے سامنے یہ لفظ کہے اور اگر یہہ کہنا جرم ہے تو میں واقعی اس کا مرتکب ہوں لیکن انصاف کے مدعیو! ایمان کو ہاتھ سے نہ دو اور بتاؤ کیا مذہب عیسوی کی تلقین یہی تھی کہ ہزاروں بندگان خدا کو خانماں برباد کردو لوٹ لو اور پھونک دو تہ تیغ کردو اور محض اس لیے کہ تمھارے جسم میں طاقت ہے کمزور کو ذبح کردو!

اُس نے جس بیدردی سے بوسینا اور ہرزیگوینا کے واقعات میں لکھوکہا انسان تہ تیغ کئے ہیں۔ تاریخ اسکو فراموش نہیں کرسکتی جس چالبازی اور مکروفریب سے فرانس نے مراکو میں قتل عام کیا ہے عالم بالا کے شاہد اِس سے اغماز نہیں کرسکتے اور اے بے ایمان حکومت کے بے ایمان ججو تم نے طرابلس میں بیگناہ اور مظلوم بڈھوں اور بچوں کے ساتھہ جیسا برتاؤ کیا دنیا اسکو بہول نہیں سکتی! کیا ایسے عیسائی منہ دیکھنے کے قابل ہیں اور کیا یہ سرزمین کسی سچے عیسائی کے بسنے کے لائق ہے، جلد حکم دو اور مجھکو پہانسی چڑہاؤ کہ میں تم مکاروں کے پہندے سے رہائی پاؤں +

(۵)

رات چاندنی ہے اور جارڈا گلابی ایک بجے کے قریب اس ناپیداکنار سمندر میں جو بحیرۂ روم کے نام سے مشہور ہے ایک تارپیڈو کشتی شمال مشرق کی طرف بہی چلی جارہی ہے۔ میجر گیلفس اور بدنصیب سیمونہ دونوں خاموش بیٹھے ہیں مگر سیمونہ کا عکس پانی میں چاند کیطرح لوٹ رہا ہے کچھہ دیر سکوت کے بعد گیلفس اٹہا سیمونہ کا ہاتہہ پکڑکر کہینچا اور بہ منت کہا۔

شہزادی! مجھپر رحم کر!

سیمونہ:۔ میجر گیلفس آپنے ایک ایسی عورت کو دہوکا دیا ہے جسکا دل محبت سے چور ہے یہ آپ کی شان کے خلاف تہا اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں گے تو یقین سمجھئے کہ یہ بہتا ہوا پانی سیمونہ کا خاتمہ کردے گا +

میجر گیلفس کی آنکھیں غصے سے بہڑک اٹھیں اس نے خنجر کمر سے نکالا اور سیمونہ کو گرا۔ اُس کے سینہ پر رکھہ کر کہا

اگر تو اب بہی ہٹ سے باز نہیں آتی تو یہ خنجر تیرا فیصلہ کردیتا ہے "

ٹھیک اسوقت جب میجر گیلینس نے خنجر کی چمکتی ہوئی دھار نازک اندام سیمونہ کے سینہ پر رکھی ہے ایک کشتی پاس سے گذری جس کی آواز سنکر سیمونہ اس طرح چلائی :۔

"کیا اس آدھی رات کے سناٹے میں جبکہ ایک ظالم میری عصمت برباد کرنے کے درپے ہے اس سمندر میں جس کا کوئی کنارہ نہیں کوئی شخص ایسا ہے جو میری عصمت کے بچانے میں مجھے مدد دے"۔

میجر:۔ "بحری اور بری آس پاس کی تمام دنیا اسوقت میرے قبضۂ قدرت میں ہے کسکی ہستی ہے کہ میرے پنجہ سے تجھکو چھڑا سکے سیمونہ اگر زندگی عزیز ہے تو میری درخواست قبول کر ورنہ یہ خنجر اب سینہ کے پار ہوتا ہے۔

میجر گیلینس کے یہ لفظ ختم ہی ہوئے تھے کہ برابر کی کشتی ٹھیکی اور ایک نوجوان مسلح ترک نے اس کشتی میں آنے کی کوشش کی میجر گیلینس یہ دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا غصہ کی کوئی حد نہ تھی للکار کر کہا کہ او کافر خبردار اگر ادھر کا قصد کیا چشم زدن میں روح عالم بالا کو پرواز کر جائے گی۔

نوجوان ترک کے واسطے یہ بڑی مصیبت کا سامنا تھا اسکو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ظالم کشتی تارپیڈو ہے مگر ارادہ کا پکا تھا پہلی ہی جست میں اندر داخل ہوا۔ اب میجر گیلینس کو تاب نہ تھی اس نے دور ہی سے رائفل کا فیر کیا رات چاندنی تھی اور ترک کو اتنی مہلت نہ ملی تھی کہ وہ اپنے ہتیار نکال سکتا سر اور سینہ کو بچا کر گولی ہتیلی پر لی۔ اور خنجر نکال کر آگے بڑھا میجر گیلینس نے دوسرا فائر اور کیا اور اگر ترک اسوقت بیٹھ نہ جاتا تو اس کی لاش کشتی میں تڑپتی ہوئی دکھائی دیتی وہ بیٹھتے ہی اٹھا اور خنجر کھینچکر سر پر جا پہونچا۔

اب ہتیھاروں کا وقت نکل چکا تہا اور محض گاؤزوری تہی لیکن ترک کا ایک ہاتہہ کمزور ہو چکا تہا مگر اس نے ایک نعرہ مار کر اس زور سے گلیلنس کو نیچے پہینکا کہ عاشق بدنصیب چیخ اُٹھا اور آناً فاناً کشتی میجر گلیلنس کے خون سے سُرخ ہوگئی۔

سیمونہ کی رسیلی آنکھیں یونہو شروع ہی سے جوان ترک کی شجاعت کی داد دے رہی تہیں مگر اب وہ اُٹھی قریب آئی اور کہا۔

میں کن الفاظ میں آپ کا شکرادا کروں۔

ترک۔ میں شکریہ کا محتاج نہیں میری کشتی تیار ہے میں جاتا ہوں آپ صرف اتنا بتلایئے یہ مرنے والا کون تہا اور آپ کو کہاں سے لایا۔

سیمونہ۔ میں کون ہوں یہ دریافت نہ کیجئے یہ میجر گلیلنس افواج الطالیہ کا کمانڈر تہا۔ آپکو تکلیف تو ضرور ہوگی مجہکو بنغازی یا طرابلس پونہچا دیجے آپ کا کیا نام ہے؟"

ترک۔ میرا نام حسن ہے میں نہایت خوشی سے آپ کو طرابلس پونہچا دیتا ہوں مگر ساحل پر الطالیہ کی پچاس ہزار فوج میرے خون کی پیاسی ہے طرابلس سے کچہ دور ادھر آپ کو اُتار دوں۔"

سیمونہ۔ الطالیہ کے کسی متنفس کی اب اتنی مجال نہیں ہے کہ آپ کی طرف ٹیڑہی آنکہہ سے دیکہہ سکے آپ اطمینان سے چلیں الطالیہ کے آپ مہمان ہیں۔

کشتی نے طرابلس کا رخ کیا یہ کہنا مشکل ہے کہ سیمونہ کی ان نظروں میں جو بار بار جوان ترک پر پڑ رہی تہیں محبت شامل تہی یا نہ تہی مگر یہ ظاہر ہے کہ ایلسٹن کی موت کا صدمہ وہ فراموش کر چکی تہی اور اس نے مکرر کہا کیا کوئی چیز دنیا میں ایسی ہے جو آپ کے احسان سے سبکدوش کر دے

حسن ''ہاں ہے! صرف یہی کہ آپ مجھ کو اپنا محسن تصور فرمائیں۔
سیمونہ۔ مجھکو اجازت دیجئے کہ میں آپ کے اس ہاتھ پر پٹی باندھ دوں
جس سے اب تک خون جاری ہے۔
حسن ''یہ خود ہی تھم جائے گا آپ اس کا خیال نہ کیجئے
سیمونہ یہ سنکر اپنی بلاؤس میں سے رومال نکالا۔ اور حسن کا ہاتھ اپنے
ہاتھ میں لے کر رومال باندھا''
حسن '' آپکے نازک ہاتھ ان کاموں کے قابل نہیں آپ کی عنایت نے
مجھکو اور بھی گھائل گیا۔ آپ کی فوج کی روشنی نظر آنے لگی۔
ساحل کے قریب کشتی جاکر ٹھیری حسن اور سیمونہ اترے اور کیمپ کیطرف
چلے مگر اس سے پہلے کہ یہ دونو پونہچیں ملاح نے میجر گیلفس کے قتل کی
واردات کی رپورٹ کی اور گو سیمونہ ہر چند چیخی چلائی مگر حسن پاشا گرفتار
کر کے کورٹ مارشل میں پیش کر دیا گیا۔ باقی آیندہ

''راشد الخیری''

یاسمین۔ پروفیسر مرزا محمد سعید صاحب ایم اے مصنف خواب ہستی کا یہ لاجواب و نتیجہ خیز
ناول ہے اور تمدن ایجنسی کی پہلی کتاب جس کا عرصے ملک کو انتظار تھا تیار ہو گئی ہے یہ
کتاب جو درحقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان
طلباء کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بے
ساختہ داد دینی پڑتی ہے یاسمی جو اس تمام قصہ کی جان اور بنگالہ کی ایک مشہور نازنین
ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفۂ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے قابل
مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونے کی کافی ضمانت ہے قیمت فی جلد (عہ)
منیجر عصمت و تمدن۔ دہلی

غزلین

جناب حاجی محمد باقر صاحب حوم ملبا طبائی

من نمی گویم کہ جاں از قالیم بیگانہ است ‎ ‎ انیقدر دانم مکین خانہ ام جانانہ است

از شراب ذوق سرمستم مپرس از بیخودی ‎ ‎ ساقیم دل خون دل می دیدہ ام پیمانہ است

فہم حیراں عقل سرگرداں بہ حسن ذات او ‎ ‎ دل بہ سودائے خیالش روز و شب دیوانہ است

آنکہ ماہ عالم تجرید شمع بزم اوست ‎ ‎ چشم ملو محفلش پروین و دل پروانہ اوست

دامن ہمت ز خار آرزو بیروں کشید ‎ ‎ ہر کہ در گلزار ہستی عاقل و فرزانہ اوست

در دل حق بین بجز عشق حقیقی رہ نیافت ‎ ‎ ہر کجا عشق مجازی ہست آں بتخانہ است

باقرا معموری دلہا ز فیض عشق اوست
ہر دلے کز عشق او خالی بود ویرانہ است

چشم میگوں سے مجھے آنکھ لڑانا کیا تھا ‎ ‎ ہوش کھو بیٹھا ہوں میخانے میں آنا کیا تھا

پھول جو نکلا وہی چاک گریباں نکلا ‎ ‎ بلبل زار ابھی تجھے شور سے گانا کیا تھا

آتش عشق سے دل خاک ہوا ہے یکسر ‎ ‎ راکھ کو اوبت بیدرد! جلانا کیا تھا

تیر دل دوز تھا یا آہ شرر بار تھی یہ ‎ ‎ کوئی بلبل ہی سے پوچھے کہ ترانا کیا تھا

غم سے یاری نہ تھی مجھ کو نہ الم سے کھٹکا ‎ ‎ ہائے افسوس وہ بچپن کا زمانا کیا تھا

آشیانے ہی میں تھے صحن گلستاں کے مزے ‎ ‎ موسم گل کا بھی واللہ زمانا کیا تھا

تیرے افضال نہ ہوتے جو میرے شامل حال ‎ ‎ قعر دوزخ کے سوا میرا ٹھکانا کیا تھا

سایۂ ابر کرم نے تجھے گھیرا فوراً
اے حزیں وادی عشاق میں آنا کیا تھا

حکیم حزیں

اصل قیمت (عہ) رعایتی (عہ) علاوہ محصول - آخر اگست ۱۹۱۲ء تک محصول معاف

وصلِ حبیب کے متعلق ایک تازہ اور وقیع رائے

از مولوی حکیم بشیر احمد خان صاحب دہلوی چیف میڈیکل آفیسر - ریاست دوجانہ

ناول وصلِ حبیب بذریعہ وی پی موصول ہوا - خدا معلوم آپ کی تحریر میں کیا کشش مقناطیسی ہے کہ باوجود عدیم الفرصتی بغیر ختم کیے چھوڑنے کو دل گوارا نہیں کرتا - برخلاف تمام ناولوں کے آپ کا رنگ مخصوص ہے اور یہ صرف آپ ہی کا حصہ ہے - آج کل علاوہ مشاغل دربار - انتظامات طاعون میں سخت منہمک ہوں - اور ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں - مگر آپ کے مصنفہ ناول کے واسطے دو راتوں کی پیاری نیند کو قربان ہی کرنا پڑا - علاوہ میرے جس شخص نے دیکھا بے حد پسند کیا - اور غائبانہ آپ کے مشتاق ہیں -

۱۹ - اپریل ۱۹۱۲ء

مندرجہ ذیل کتب بھی رعایت پر مل سکتی ہیں

سیر ظلمات ...	عہ	دیگز و قصیدا	عہ/	حلوۂ ایثار	۴؍
فسانۂ لندن ہر دو حصہ	۱۲؍	فتح اندلس	۱۲؍	عیار شہزادہ	۱۲؍
انتقام کامل	عہ	مقدس نازنین	۱۲؍	روز البرٹ	عہ
غیبی دلہن	۱۲؍	حسن انجلینا	۱۲؍		

المشتہر محمد عبد العلیم مہتمم کتب خانہ حبیبیہ ڈاکخانہ گوہر گنج - ریاست بھوپال

جلد ۱ ستمبر ۱۹۱۲ء نمبر (۶)

تمدن

معاشرتی - تمدنی - ادبی - فلسفی - اخلاقی - تاریخی - اور علمی مضامین کا

مخزن

ایڈیٹرز - محمد عبدالراشد الخیری - شیخ محمد اکرام

:- فہرست مضامین :-

باہتمام محمد عبدالراشد الخیری دہلوی

تمدن پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا ۱۳۳۰ھ

قیمت سالانہ قسم اول ۳ قسم دوم ۲ قیمت فی پرچہ

کتبہ ... مرزا دہلوی

نئے شہنشاہی شہرمن

شاہی حکیموں کا دواخانہ یونانی نورتن - دہلی

معززشائقین یہ مشہور قدیم دواخانہ نورتن اپنے خاندانی مجربات اور کل یونانی مرکب ادویات مثل اطریفل۔ جوارشات خمیرے ملوے۔ عرق اور معجونیں وغیرہ نہایت صحیح اور عمدہ تیار کرنے سے دنیا بھر میں اپنی شہرت اور نیکنامی حاصل کرچکا ہے یہ دواخانہ معتمد الملک احترام الدولہ عالی جناب حکیم محمد احسن اللہ خانصاحب مرحوم کی یادگار ہے اور عالیجناب حاجی حکیم محمد بدرالدین خانصاحب کی سرپرستی میں مدت دراز سے اپنے فرائض انجام دے رہا ہے یہ کوئی معمولی دواخانہ نہیں ہے اس نیکنامی اور ہردلعزیزی اور عمدہ نفیس ادویات کا شہرہ لنڈن آسٹریلیا۔ افریقہ۔ جاوا۔ عدن۔ وغیرہ پہنچ چکا ہے اس دواخانہ کو بڑے بڑے شاہی حکما کے خاندانی مجربات کا بھی فخر حاصل ہے۔

اس دواخانہ کی بڑی فہرست معہ جنتری و طریق علاج مفت ملتی ہے

طلاء حیات — جوانی کی غلط کاریوں کے لیے اکسیر۔ کجی ولاغری کو بیحد مفید ہے فی بکس ایک تولہ دو روپے آٹھ آنے (دعہ)

حب مقوی باہ — اعضاء رئیسہ کی کمزوری کو دور کرتی ہیں سست کو چست نامرد کو مرد بناتی ہیں (۲۴ عدد) ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

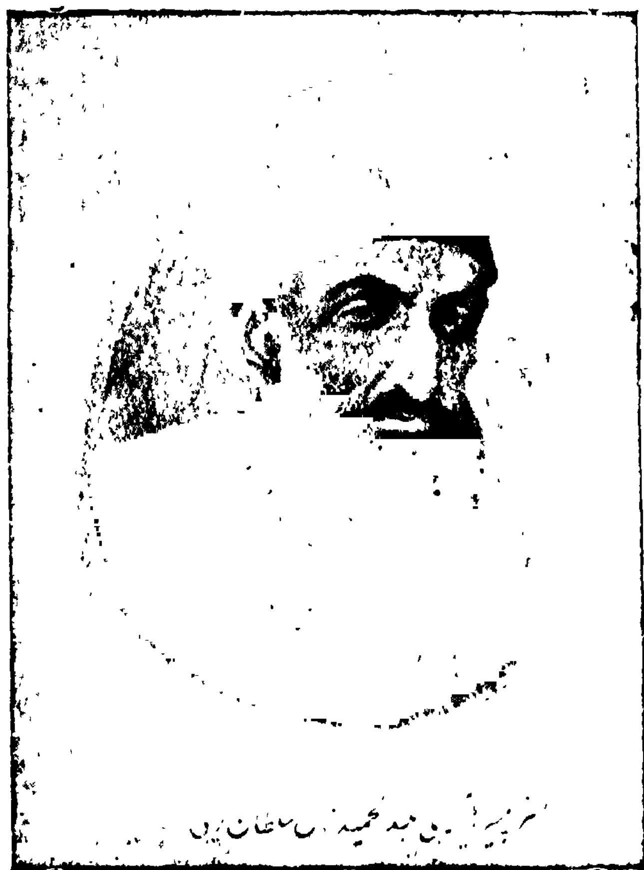
حب سوزاک — یہ گولیاں سوزاک کا بہت جلد روگ کھودیتی ہیں قرحہ کو بہت جلد بھردیتی ہیں (۲۰ عدد) ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

حب جریان — یہ گولیاں منی کو گاڑھا کرتی ہیں اور بہتی کو روکدیتی ہیں باہ بڑھاتی اور رکاوٹ پیدا کرتی ہیں (۲۰ عدد) ایک روپیہ۔ (عہ)

نوٹ۔ ہر مندرجہ بالا دوا کی پوری مقدار کامل صحت کے لیے کافی ہوگی پرچہ ترکیب استعمال ہمراہ روانہ ہوگا

المشتہر

حکیم محمد یعقوب خان مالک دواخانہ یونانی نورتن دہلی بازار فراشخانہ



تمدن

اُمہاتُ الاُمّہ

گذشتہ سی پیوستہ

(از شمس العلما مولوی حافظ محمد نذیر احمد صاحب - ایل - ایل - ڈی - مرحوم)

یہ لوگ در پردہ یہودیوں سے میل جول رکھتے تھے مگر مسلمانوں کے مقابلے میں تھے مغلوب اور اسی لیے ظاہر میں مسلمان بنتے تھے غرض یہ لوگ ایسا جوا کھیلتے تھے کہ طاق اور جفت دونوں داؤں اپنے. قرآن میں منافقوں کو جا بجا سرزنش کی گئی ہے منافقوں سے یہی لوگ مراد ہیں ان کا رئیس تھا ایک شخص عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول مدینے کے رہنے والوں میں اوس اور خزرج دو برابر کی ٹکر کے بڑے زبردست قبیلے تھے ان میں پشت ہا پشت سے خانہ جنگیاں چلی آتی تہیں عبداللہ حقیقت میں قبیلہ خزرج کا بڑا باوقعت سردار تھا پیغمبر صاحب کی ہجرت سے ذرا پہلے لوگ اسکو بادشاہ بنانے کی طیاریاں کر رہے تاج شاہی تک

بنوا لیا تھا پیغمبر صاحب کی تشریف آوری سے منصوبے ناتمام رہ گئے تو عبداللہ
کو پیغمبر صاحب کا جتنا حسد ہو تھوڑا۔ پیغمبر صاحب کے آنے پیچھے برسوں اسلام
سینے میں کھچڑی رہا۔ عبداللہ منافق اسلام کی بیخ کنی کے درپے پیغمبر
صاحب کو دیکھکر اندر ہی اندر اس کا خون کھولنے لگتا تھا اسی کا بیٹا جناب
ظاہر و باطن راسخ العقیدت مسلمان جہاں پیغمبر صاحب کا پسینہ گرے اپنا
خون گرانے کو موجود پیغمبر صاحب کو اس عبداللہ سے مجھی مار کی طرح کی بڑی
سخت تکلیفیں پونہچیں۔ ازانجملہ یکے از ہزار مشتے نمونہ از خروارے یہ کہ ہجرۃ کے
دوسرے برس مسلمانوں سے اور قریش سے بدر کی لڑائی ہوئی اس لڑائی
میں باوجودیکہ لشکر قریش کے مقابلے میں مسلمانوں کی کچھ بھی حقیقت
نہ تھی قریش کو فاش شکست ہوئی۔ چوٹی کے سردار مارے گئے بقیۃ السیف
گرفتار۔ مگر بھاگتے بھاگتے بھی قریش دھمکی دیتے گئے کہ اگلے برس
اس اتفاقی شکست کا بدلہ لیں تو سہی چنانچہ اگلے برس لشکر جرار سے مدینے
کو آگھیرا چاروناچار لڑنا پڑا پیغمبر صاحب کا قاعدہ تھا کہ جو بات کرتے تھے
سب کی صلاح سے پیغمبر صاحب کی اپنی رائے تو یہ تھی کہ مدینے کے باہر
چل کر لڑیں۔ لوگوں سے مشورہ لیا تو منافقوں نے بڑی سختی کے ساتھ
اختلاف کیا کہ نہیں شہر کے اندر مکانات کی آڑ پکڑ کر لڑنا مناسب ہے
لڑائی تو آخر کار پیغمبر صاحب کی رائے کے مطابق مدینے کے باہر دو
ڈھائی کوس کے فاصلے پر کوہ احد کے پاس ہوئی مگر منافقوں کے
اختلاف کیوجہ سے بہتیرے لوگ تو مدینے سے نکلے ہی نہیں اور
جو بادل ناخواستہ دکھاوے کو نکلے بھی تھے انکو بھی عبداللہ بہکا کر بے لڑے
لوٹا لایا بعض نے اسکو بہتیرا پس و پیش سمجھایا کہ اسطرح کی صریح مخالفت سے مسلمان

ہمیں مدینہ میں نہیں رہنے دینگے تو کہتا کیا ہے۔ لَئِن رَّجَعنَآ اِلَی المَدِینَۃِ لَیُخرِجَنَّ الاَعَزُّ مِنہَا الاَذَلَّ۔ (سورۂ منافقون ع۱) منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو عزت والا

اس نے اپنے تئیں اعز سے تعبیر کیا اور پیغمبر صاحب کو نعوذ باللہ اذل سے۔ بیٹا یہ سنکر اپنے آپے سے باہر ہو گیا اور اگر پیغمبر صاحب اس کو نہ روکتے تو اس نے باپ کو قتل ہی کر دیا ہوتا اس ایک واقع میں کتنی ہی باتیں مضمر ہیں عبداللہ کی حد درجے کی گستاخی۔ بیٹے کی عقیدت پیغمبر صاحب کا حلم۔ بالآخر وہ وقت آیا جو سب کو آنا ہے کہ عبداللہ مر رہا ہے اس کو حب جاہ نے تباہ کیا اب آخری وقت میں اسکو جاہ کی طرف سے بالکل نا امیدی ہوئی تو اس نے الغریق یتشبث بالحشیش[1] کفن کے لیے تبرکاً پیغمبر صاحب کا کرتہ منگوا بھیجا پیغمبر صاحب نے اس کے بیٹے کی دلداری سمجھو یا اگر دشمن کی تالیف و استمالت سمجھو یا عبداللہ کے ظاہری اسلام کا لحاظ سمجھو تو بے تامل اوتار اپنا کرتہ بھجوا دیا عمرؓ کے منع کرتے کرتے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ شریک دفن ہوئے اور دیر تک قبر پر کھڑے ہوئے اس کے حق میں دعا کرتے رہے دشمن کے ساتھ اس کے مرے پیچھے اتنی عنایت کا اظہار پاک نفس پیغمبر کے سوائے کس سے ہو سکے بات سے سلسلہ میں عمرؓ کے روکنے کا ذکر آگیا تو ان کے منع کرنے کی وجہ بھی اسلام کی خیر خواہی تھی کہ یہی منافق اسلام کی چلتی گاڑی میں روڑے اٹکاتے رہتے تھے اور عمرؓ شدید الباس اور مزاج کے کسیقدر تند بھی تھے نظر بہ حالات ملکی اس وقت کے اسلام کو پیغمبر صاحب کی نرمی اور انکی سختی دونوں کی یکساں ضرورت تھی جیسے کھیتی کہ اسکو وقت پہ پانی [illegible]

[1] ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا پکڑا کرتا ہے ۱۲

اور وقت پر تمایش آفتاب سنہ

درشتی و نرمی بہم در بہ است		چو رگزن کہ جراح و مرہم نہ است

یہ عمری ہیبت ہی تو تہی جس کی وجہہ سے پیغمبر صاحب ابتدائے رسالت
میں خدا سے دعائیں مانگا کرتے کہ اللھم اعز الاسلام بابی جھل
بن ھشام۔ او بعمر بن الخطاب۔ یہ عمری ہیبت ہی تو تھی کہ عمرؓ کے
اسلام سے پہلے مسلمان تھوڑے ہی سہی مگر کسی کی جرأت نہ تھی کہ
ادائے نماز کے لیئے خانۂ خدا کی طرف رخ تو کرلے ہاں عمرؓ اسلام
لائے تو سب کو دندناتے ہوئے ساتھ لیکر کعبے گئے چہت پر چڑھکر
اذان دی نماز پڑہی قریش خانہ کعبے کے گرد بیٹھے دیکھا کئے کسی نے چوں کی
یہ عمری ہیبت ہی تو تہی کہ پیغمبر صاحب کے مدینے گئے پیچھے باقی ماندہ مسلمانوں پر
قریش کیطرف سے بڑی سختیاں ہونے لگیں رہتے ہیں تو ستائے جاتے
ہیں جاتے ہیں تو جانے نہیں پاتے نہ پائے رفتن نہ رائے ماندن۔
تو بیچارے چوری چھپے رات نکل بھاگتے اور کسی طرح گرتے پڑتے
مدینے جا پہنچتے عمرؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو دن دہاڑے ساز و سامان
سفر درست کرکے ہتہیار لگائے اور پکار پکار کہتے ہوئے چلے کہ
جسکو اپنی بیوی کو رانڈ اور اپنے بچوں کا یتیم کرنا منظور ہو وہ شہر کے باہر مجھے
اور مجھے روکے یہاں سب کو سانپ سونگھ گیا تہا ایک سے نہ ہو سکا کہ جاتے
کو پکڑتے یہ عمری ہیبت ہی تو تہی کہ اسلام کی بنیاد تو پیغمبر صاحب نے
رکھی اور عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں روم اور فارس جیسی زبردست
سلطنتوں کو زیر کرکے اس بنیاد پر سلطنت اسلام کی ایک شاندار عمارت

سنہ خداوندا ہشام کے بیٹے ابو جہل یا خطاب کے بیٹے عمر سے اسلام کو غلبہ عنایت کر ۱۲

بناکہڑی کی اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء عمرؓ کی خود خصلت کی پوچھو
تو مختصر یہ ہے کہ وہ اسلام کے آگے کسے باشد کسی کی لگی لپٹی نہیں رکھتے
تھے انہوں نے پیغمبر صاحب کے ساتھ منافقوں کا اور رئیس المنافقین
عبداللہ بن ابی کا برتاؤ دیکھا تھا اور منافقوں کے بارے میں آیات
قرآنی سنی تھیں اور ان کے دل پر نقش تھیں از انجملہ استغفر لہم
او لا تستغفر لہم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لہم[1] اسلامی جوش
میں آکر انہوں نے پیغمبر صاحب کو عبداللہ کے جنازے کی نماز پڑھانے
سے روکا اور سبعین سے ستر کا عدد خاص نہیں بلکہ مطلق تکثیر مراد لی
عمرؓ اصل عرب تھے ان سے بڑھکر محاورات زبان عرب سے کون
واقف ہو سکتا ہے ادھر پیغمبر صاحب نے باوجودیکہ افصح العرب تھے
سبعین سے ستر کا عدد خاص مراد لیا اور فرمایا کہ میں ستر بار سے زیادہ
بار عبداللہ کے لیے استغفار کروں گا شاید خدا اس پر رحم
کرے بات اس پر چلی تھی کہ آیت فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی
و ثلث و ربٰع کے اعداد کی نسبت ہمارا ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ عجب
نہیں اعداد خاص نہیں بلکہ مطلق تکثیر غیر محدود مراد ہو جیسا کہ اردو اور فارسی
بولیوں میں ہے پھر زبان عربی سے سند لینی چاہی تو آیہ ان تستغفر لہم
سبعین مرۃ خیال میں آئی کہ پیغمبر صاحب نے سبعین سے ستر کا عدد
خاص سمجھا اور عمرؓ نے اسکو تکثیر پر محمول کیا اس کے ضمن میں ہم نے

[1] اے پیغمبر تم ان کے حق میں مغفرۃ کی دعا کرو یا ان کے حق میں مغفرۃ کی دعا نہ کرو
ان کے لیے یکساں ہی اگر تم ستر دفعہ بھی ان کے لیئے مغفرۃ کی دعا کروگے
تو خدا ہرگز ان کی مغفرۃ نہیں کرے گا۔

ہجرۃ اور منافقوں کا حال اور عشرہ کا حال بہت سے مضامین لکھ ڈالے ناظرین
ان مضامین کو بے ربطی کے مضامین سمجھیں گے۔ مگر ہمارا عذر یہ ہے کہ
موسیٰ کو کوہ طور پر پیغمبری اور معجزۂ عصا دیتے وقت خدا نے
موسیٰ سے اتنا ہی پوچھا تھا کہ وما تلک بیمینک یموسیٰ موسیٰ
نے جواب میں عرض کیا ھی عصای اتوکؤ علیہا واھش بہا علی غنمی
ولی فیہا مآرب اخریٰ۔ وما تلک بیمینک یا موسیٰ کا جواب
عصای بس کرتا ہے مگر موسیٰ کو شوق ہمکلامی پروردگار نے بس
نہ کرنے دیا ہم کو بھی پیغمبر صاحب کی باتوں میں مزہ آتا ہے کچھ کہنا ہو
ہو تو خود بخود بات جی سے نکلی چلی آتی ہے اسی کو ہم اپنا ایمان اور
اسی کو ہم اپنا اسلام اور اسیکو ہم اپنا عمل سمجھتے ہیں اور اسی کے
بھروسے پر نجات آخرت کی آس لگائے بیٹھے ہیں بہر کیف ناظرین
سے درازی سخن کی معافی مانگ کر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں
کہ گو عمرؓ بجائے خود زبان عربی کے محاورات اور اسالیب الکلام
کے بڑے ماہر تھے اور قریش کی فصیح تر عربی ان کی مادری زبان تھی
مگر پیغمبر صاحب کو زبان دانی کے اعتبار سے بھی ہم سب سے برتر اور
بہتر سمجھتے ہیں۔ اور خود صحابہ نے بارہا اس کا اعتراف کیا ہے پس
آیہ ان تستغفر لھم سبعین مرۃ کے قیاس پر مثنیٰ وثلث وربع میں
بھی اعداد خاص مراد لیتے ہیں نہ مطلق کثیر۔ اور بخاری کی دو حدیثوں نے

لہ موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ ۱۲

لہ میری لاٹھی ہے میں اسپر سہارا لگاتا ہوں اور اسی (سے اپنی بکریوں پر درختوں کے)
پتے جھاڑتا ہوں اور (اسی لاٹھی) میں میرے اور بھی منافع ہیں ۱۲

تو ہمارے خیال کو ظن فاسد قرار دے کر اس کا قطعی فیصلہ کر دیا عن ابی هريرة ان غيلان اسلم وتحته عشر نسوة فقال رسول الله صلى الله عليه قل امسك اربعاً وفارق باقيهن عن كعب ان نوفل بن معاويه اسلم وتحته خمس نسوة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم امسك اربعاً وفارق واحدة۔

(ترجمہ) ابو ہریرہؓ سے روایہ ہے کہ غیلان مسلمان ہوا تو اس کے پاس پوری دس عورتیں تھیں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار (عورتیں) کو رکھ لو اور باقی (چھ عورتوں) کو چھوڑ دے کعب کہتے ہیں کہ معاویہ کا بیٹا نوفل مسلمان ہوا ہے تو اس کے پاس پانچ عورتیں تھیں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار کو رکھ لو اور ایک کو چھوڑ دو +

غرض یہ بات تو طے پا گئی کہ مسلمانوں کو قرآن کی رو سے وقت واحد میں چار بیبیوں تک کے جمع کرنے کی مشروط اجازت ہے مطلق تکثیر کی نسبت تو بقدر کافی اوپر لکھا جا چکا جس سے ظاہر ہو گیا کہ تکثیر نسل آدم اور مرد اور عورت کی نطرۃ دو چیزیں تو متقاضی ہیں کہ مرد کو تکثیر ازواج کی اجازت دی جائے تا کہ وہ نسل کو بڑھا سکے اور چونکہ عورت میں تکثیر ازواج سے نسل کے بڑھانے کی صلاحیت نہیں اسکو تکثیر ازواج کی اجازۃ دینا لاحاصل۔ لیکن تکثیر نسل کے ساتھ اسکی بھی ضرورت ہے کہ مرد اور عورۃ جو میاں بی بی ہیں امن و عافیت کے ساتھ زندگی بسر کریں +

مشکل یہ ہے کہ تکثیر ازواج حد شرعی کے اندر ہو یا باہر جائز ہو یا ناجائز

ہر حالت میں منافی امن وعافیت ہے جیسا کہ دیکھا جاتا ہے اس سے تو ہر شخص یہی نتیجہ نکالیگا کہ تکثیر کی اجازت گو وہ مشروط اجازت ہے صرف قرآن میں لکھنے کے لیے ہے کوئی مرد اس سے بطریق جائز مستفید نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام جو دین فطرۃ ہونے کی شیخی مارتا ہے مِلَّۃً مُہملۃً سمحلۃ اور ما جَعَلَ علیکم فی الدین من حرج عیسوی دین ہوگیا مجموعہ محالات کہ عیسائیوں میں ناممکن التعمیل احکام بہت ہیں جیسے رہبانیت یا یہ کہ کوئی دائیں گلے پر طمانچہ مارے تو بے تامل تو بایاں گلہ بھی سامنے دے کرے اور مار یا کل کے لیے ذخیرہ مت کر یا اپنے جانی دشمن کے لیے اپنے اکلوتے بیٹے کی طرح خلوص دل سے دعا کر۔ اسطرح کے احکام کتاب میں سب لکھے ہوئے شاندار ہیں عملاً ہیچ ایسے احکام کے ہوتے نہ دنیا چلتی ہے اور نہ چل سکتی ہے۔ ہاں اسلامی حکم جزاء سیئۃ مثلہا فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ ایک واجبی اور معقول بات ہے لیکن تکثیر ازواج کا حکم تو وہی عیسائیوں کی بات ظاہر میں تو یہ اعتراض بڑا قوی معلوم ہوتا ہے لیکن تکثیر ازواج شرعی کا ناممکن التعمیل ہونا تسلیم نہیں ہے۔

باقی آیندہ

مہر افروز بیگم ۔ یہ وہ کتاب ہے جو ڈھونڈھے نہیں ملتی تھی اور اب عصمت ایجنسی نے نہایت محنت وصرف سے تیار کی ہے قصہ کی دلآویزی زبان کی سلاست دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قابل مصنف مولوی سید احمد صاحب کا نام ہی اسکی خوبیوں کی کافی ضمانت ہے۔ قیمت ۸؍ مینجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجئے۔

بنی نوع انسان کے لئے مذہب نہایت مفید ثابت ہوا

ہم زمزمۂ زمزم کی دل سے قدر کرتے ہیں جس نے مدہوشان مذہب کے سرود کا کام دیا ہے اور بیخبروں کو ہوشیار کیا ہے !!

قبل اس کے کہ ہم ان خیالات و توہمات مملو از مغالطات کے مفصل جوابات تحریر کریں اجمالاً اتنا ضرور عرض کر دیتے ہیں کہ مسٹر زمزم نے اپنی اس نوا سنجی میں علاوہ اس کے کہ محض مغالطوں سے کام لیا ہے اونکو مذہب کے معنی سمجھنے میں غلط فہمی بھی ہوئی ہے! چنانچہ کہیں تو عقائد باطلہ کو مذہب قرار دیا ہے!! اور کہیں رسم و رواج اقوام وحشیہ کو!! اور کہیں مغلوبانِ شہوات نفسانیہ کے اصول و قوانین تحصیل لذائذ فانیہ دنیویہ کو!!! اور کہیں زہر قاتل بلیگ اور غضب الٰہی کو مذہب کا شعبہ قرار دیا ہے! اور کہیں جہالت و ضلالت کو مذہب کا مترادف ٹھیرایا ہے! اور آخر میں مذہب کی تعریف لامذہبان یورپ کے تخیلات سے اخذ کر کے صاحبان مذاہب کو اوس سے آگاہ کیا ہے یعنے "مذہب نامعلوم چیزوں کے معلوم کرنے کا نام ہے"!

شاید مسٹر زمزم کو اُن کے تخیلات سمجھنے میں کسیقدر تغافل ہوا ہے کیونکہ اون کے نزدیک مذہب کی تعریف صرف اتنی ہی نہیں ہے "To Know the unKnown." بلکہ یہ بھی ہے

the one thing which has been unknown and shall always be unknown

جس کا مطلب محض اوصاف باریتعالی میں تدبر و تفکر کرنا ہے! نہ دیگر اشیا کے حقائق دریافت کرنا بدیہی ہے کہ جب ایسے عجیب و فریب تخیلات و توہمات کو مذہب قرار دیا جائیگا تو اوس سے وہی نتائج فاسدہ ظہور میں آئیں گے جو اُس کے مقدمات سے متوقع ہیں بقول شخصے ؎

خشت اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج

پہر ایسے نتائج وہمیہ کو مطلق مذہب کے نتائج قرار دینا مغالطہ (fallacy) اور ابلہ فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس لیے ہم پہلے مذہب فطرت (اسلام) کی صحیح تعریف و تحدید سے ناظرین کو آگاہ کر دیتے ہیں تاکہ نفس حقیقت سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

مذہب اُن اصول و ضوابط کا نام ہے جسکو خلاق عالم نے اولاً اپنی مخلوقات کی فطرت و نیچر میں اون کی درستی معاش و معاد کے لیے ودیعت فرمایا اور ثانیاً اپنے رسولوں کی وساطت سے اوس کو اون تک پہونچایا۔ تاکہ غلبۂ شہوات و تنازع بقاء نوعی کی کشمکش میں آکر مذہب الٰہی محو ہونے سے محفوظ رہے اور جو امن امان سے زندگی بسر کرنا چاہیئے اوس صراط مستقیم پر رفتار کرے۔ اس لیے تدین تمدن اور اخلاق حسنہ سب ایک ہی حقیقت کے مختلف حیثیت متعدد نام ہیں۔ یعنے تدین صورت باطنیہ ہے اور تمدن و حسن خلق اس کے ظاہری اور بیرونی آثار ہیں۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ تدین و مذہب صورت اعتقادی کا نام ہے اور تمدن ہے اور اخلاق حسنہ صورت عمل کا نام ہے پس مرتبہ اعتقاد تدین اور مذہب ہے اور مرتبہ عمل تمدن اور اخلاق و کریکٹر ہے۔

پس مطلق مذہب یعنی مذہب الٰہی اوسکی مخلوقات میں امر فطری ہی سے یعنی خالق عالم نے اپنی مخلوقات کی طینت و سرشت میں دین و مذہب کو ودیعت فرمایا ہے۔ فقال عز وجل فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم۔ مذہب الٰہی امر فطری ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو مخلوق فرمایا ہے اور اس مذہب فطرت کو بدلنا ناممکن ہے اور یہی دین محکم ہے۔ گو بظاہر والدین یا احباب اپنے ساختہ پرداختہ اصول و ضوابط کا انسان کو پابند بنا لیتے ہیں لیکن اوس کے مذہب فطری کو نہیں تبدیل کر سکتے جب اسکو موقع ملے گا وہ اپنے مذہب فطرت کی طرف مائل ہوگا۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کل مولود یولد علی الفطرۃ وابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ ہر مولود دین فطرت ہی پیدا ہوتا ہے گو اوس کے والدین اوسکو یہودی نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔

چونکہ ماسوا اسلام کے بعض مذاہب مخلوط اور افراط و تفریط سے پر ہوگئے ہیں اور اُن کے قائلین میں نورانیت علمیہ ترقی کر رہی ہے جو اونکو اصول فطری پر عمل کرنے کو مجبور کرتی ہے لیکن وہ اپنے مذاہب میں اُن اصولوں کو مفقود پاتے ہیں اس لیے انہوں نے بمقتضائے طبیعت دوسرے مذہبوں کو بھی بلا تحقیق ویسا ہی خیال کر کے مطلقاً مذہب کو امر غیر فطری تصور کر لیا ہے لیکن یہ اون کا تحکم ہے ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اسلام مذہب فطرت ہے چنانچہ ہم اپنے اس دعوے پر ایک محقق یا پانی کا قول پیش کرتے ہیں:

”معتقدات انسانی میں اسلام کو وہ درجہ حاصل ہے جو عدیم النظیر اور فقید المثال ہے۔“

اسلام مذہب فطری ہے اسلام کی بنیاد اُن صداقتوں پر مبنی ہے جس کا جلوہ ہم موجودات عالم میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسلام سائنس کی حقیقتوں سے

مطابق قدرت رہتا ہے اور ان تمام خواہشوں کو بوجہ احسن پورا کرتا ہے۔ جو مذہب کے متعلق انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ تثلیث پرستی اوہام پرستی اصنام پرستی وغیرہ سب لغو ہیں سچی پرستش وہی ہے جو اسلام نے سکھائی ہے یہ وہ مذہب ہے جو عابد و معبود کا درمیانی پردہ اٹھا کر بندے کو اپنے خدا کے سامنے کھڑا کر دیتا ہے اور خالق سے مخلوق کا رشتہ جوڑ دیتا ہے خدا ہمیں اسی کامل مذہب پر ہمیشہ قایم رکھے ؎

حسن تو ہی ہے خلق میں تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھکو خلق خدا غائبانہ کیا

پس چونکہ کل بنی نوع انسان وحیوان میں مذہب امر فطری ہے اسیواسطے جبتک بنی نوع انسان میں خواہشات نامشروعہ نہیں پیدا ہوئی تھیں نہایت امن و امان سکون و اطمینان سے زندگی بسر کرتے رہے اور جب خواہشات نفسانی پیدا ہوئیں تو فتنہ و فساد کشت و خون کی بنیاد قایم ہوئی قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کیا بخت نصر نے بیت المقدس کو تاراج و برباد کیا اور بنی اسرائیل کو قید کر کے اپنی غلامی میں رکھا جنگ صلیبی میں لاکھوں نفوس ضائع ہوئے وقس علی ہذا۔

ابتدائے آفرینش میں جبکہ ناجائز خواہشوں نے مذہب فطری پر غلبہ نہیں پایا تھا ہر جگہ امن و سکون اور سب کے اخلاق نہایت عمدہ تھے اور جب شہوات نفسانی کو ناجائز وسائل سے پورا کرنے کے درپے ہوئے تو فتنہ و فساد برپا ہوا اور خون کے ندی نالے زمین پر جاری ہوگئے یہ سب [illegible] وحشیانہ لامذہبیت کے کرشمے ہیں نہ مذہب کے کیونکہ اگر لوگ انہیں قواعد و ضوابط کی پابندی کرتے جو انکو انبیاء علیہم السلام نے [illegible]

تو وہ ہرگز دوسروں کے حقوق پہ دندان آزوراز نہ کرتے اور اپنے نفوس امّارہ کو صبر و صلوٰۃ سے کنٹرول میں رکھتے حیوان اور انسان میں فرق ہے گو اُن کا مذہب فطری جس پہ وہ روزمرہ رفتار کرتے ہیں بعینہٖ ہمارے مذہب فطری جیسا ہے۔ لیکن اون کی خواہشات نفسانی محدود ہیں اسواسطے وہ دوسروں کو مغلوب کرکے اپنی خواہش پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتے پس اون کا قدم دائرہ مذہب فطری سے باہر نہیں ہوتا کہ اُنمیں کشت و خون کی نوبت آسکے اور شیرازہ اخلاق و اتفاق درہم و برہم ہو انسانی خواہشات لاتعدو لاتحصے ہیں اور یہ اون سب کے پورا کرنے کی طمع میں بلا تامل مذہب فطرت کی زنجیروں کو توڑ کر آزادی کا اعلان کرتا ہے اور حالانکہ اپ لامذہبیت کی مضبوط زنجیروں میں مقید ہو جاتا ہے۔ پس یہ خیال کہ غیر مذہبی دنیا نسبتہً مذہبی دنیا سے زیادہ پُر امن اور جامع اخلاق حسنہ تھی۔ اس کی وجہہ یہ ہوگی کہ اُن لوگوں کا مذہب فطری تو سن نفس امارہ کی تگ و دو سے پامال نہیں ہوا ہوگا جسطرح اب تک حیوانات کا تک محفوظ ہے لیکن جب اون میں مقتضائے طبیعت بشری تنازع بقا نوع کا خیال آیا ہوگا اور زیادہ کی حرص پیدا ہوئی ہوگی تو فتنہ و فساد برپا ہوا ہوگا۔ کیونکہ انسانی ترقی حیوانات کی طرح محدود نہیں ہے۔ اس لیے جب تک انسان درجہ حیوانیت میں رہا ہوگا بیشک اسوقت تک پُرامن زندگی حیوانوں کی طرح بسر کرتا رہا ہوگا۔ لیکن جب اوس کی فطرت نے اوسکو زیادہ ترقی کرنے کے لیے اُکسایا ہوگا اور اوسکا کوئی رہبر پیغمبر بھی اُس کے ہمراہ نہ ہوگا تو منزہ ویسی ہی خونریزی ہوئی ہوگی جیسا معترض نے بیان کیا ہے۔

مذہب میں جو انسانی قربانی جائز سمجھی گئی ہے تو یہ مذہب فطری کا منشا ہرگز نہیں ہے۔ یہ اُن نفس پرست خودغرض پریسٹ اور پجاریوں کی ساخت پرداخت ہے جو اپنے ٹیمپلوں اور مندروں کے خداؤں کو زیادہ خوفناک اور مضر ثابت کرکے نادانوں سے فوائد کثیر حاصل کرنا چاہتے تھے مشاہدہ ہے کہ جس بت کو زیادہ خونخوار اور مضر خیال کرتے ہیں اوسی پر زیادہ بھوگ اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں +

اسلام کی قربانی کا وہ مطلب نہیں ہے جو سمجھا گیا ہے۔ اصلیت اوسکی یہ ہے کہ ایک روز ابوالاضیاف جناب ابراہیم نے دیر کے بعد مہمانوں کے آنے کی خوشی میں بچھڑے کو بچھری میں اوس کی ماں کے سامنے ذبح کردیا۔ جس پر اون کو تنبیہ ہوئی کہ اپنے فرزند کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرو مہر پدری کا مزہ چکھو۔ پس جب وہ مستعد ہوئے تو اونکو معاف کیا گیا اسلام نے انتہا درجہ کی مروت کی تعلیم دی ہے اور ہر طرح کی انسانی قربانی کو روکا ہے آپ زمانہ جاہلیت کی تاریخ کو ملاحظہ فرمائیں بنی نوع انسان کو زندہ درگور کرنے سے کس مذہب نے روکا؟ اسلام نے اُن بتوں کو جنپر انسانی قربانی ہوتی تھی چکنا چور کردیا۔

معترض کا یہ طعنہ کہ اہل مذاہب سبب اور مسبب تک میں تمیز نہیں کرسکتے! پس اس کے جواب میں اگر ہم یہ کہیں تو بجا ہے کہ خود معترض کا دماغ سبب اور مسبب کے سمجھنے سے قاصر رہا ہے جبکہ حرکت بائیسکل کا سبب سیگریٹ کے دھوئیں کو تبلاکر اولیان مذاہب کو لایعقل ٹھہرایا اور خود مذہب اور غیر مذہب کا ملغوبہ بناکر جو اثر اور نتیجہ اوس معجون فلاسفہ سے پیدا کیا ہے اوسکو بلا توقف مطلق مذہب کا اثر اور نتیجہ

قرار دیدیا ہے۔ جو حقیقتاً مطلق مذہب کا نتیجہ اور سبب نہیں ہے اشہد میں
زہر ملا کر دیدینا اور پہر شہد کو موت کا سبب بتلانا سبب اور مسبب کی عدم واقفیت
نہیں تو اور کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ بد خلقی ظلم و تعدی کشت و خون اور
سارے اخلاق ذمیمہ کا سبب لانا ہبیت کا وجود میں آنا ہے جس سے
بے روک ٹوک خواہشات نفسانی اور شہوانی پوری کی جاتی ہیں اور سارے
اصول و ضوابط فطری طاق پر رکہے رہ جاتے ہیں۔

اگر مذہب فطرت کے مغلوب ہوجانے پر انبیا علیہم السلام اوسکو
دوبارہ رواج نہ دیتے تو یقیناً انسان اپنے جذبات کے پورا کرنے
میں کمزوروں کو معدوم کرتا رہتا اور رفتہ رفتہ کل بنی نوع کا خاتمہ ہوجاتا۔ یہ
مذہب کا ہی طفیل ہے کہ نوع انسان ابتک موجود ہے ورنہ کب کا
خاتمہ بالخیر ہوچکتا۔

مذہب کی ترویج سے پیشتر جو قومیں Plain living high thinking[1]
کے زرین اصول پر عامل تہیں یقیناً اون کا زمانہ پر امن ہوگا
اس لیے کہ ان کا مذہب فطری جو مذہب تلقینی کی حالت اولیٰ کا نام ہے
اون کا بدرقہ تہا۔

رہا عیسائیوں کا عیسائیوں کو قتل کرنا یا مسلمانوں کو یا اوس کے برعکس پس اگر
یہ قتل قصاصی تہا تو فطرت کا مقتضی یہی ہے کہ ظالم سے مظلوم کا قصاص
لیا جائے ورنہ وہ اور نفوس بہی ضائع کرے گا۔ اسلام نے قصاص کو
نہایت ضروری سمجہا ہے قال عز و جل فی القصاص حیواۃ یا اولی
الالباب اے صاحبان عقل و خرد قصاص میں حیواۃ ہے اگر تم قصاص
لینا ترک کردو گے تو ظالم کا ظلم لاانتہا ہی سلسلہ اختیار کرے اور تمہارے

---

[1] سادہ طور پر رہنا، اعلیٰ تفکر۔

بنی نوع کا ایک روز خاتمہ ہو جائے گا +

اور اگر حصول اغراض ذاتی کی خاطر تھا تو مذہب کا کیا قصور ہے؟

مذہب اسلام تو فتنہ و فساد اور قتل و قمع کا سخت مخالف ہے قرآن جو اصل اصول اسلام ہے اسکو ملاحظہ فرمایئے لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا یعنے حالت امن وامان میں خرخشہ مت ڈالو!

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق کسی نفس کو ناحق مت قتل کرو۔

مذہب اسلام نے انسان کو ہرگز جائز ترقی سے نہیں روکا بلکہ اوس کے لیے تو خصوصیت سے تاکید فرمائی ہے۔ فقال عزوجل لیس للانسان الا ما سعیٰ یعنے اگر ترقی کی خواہش ہے تو کوشش کرو ورنہ حالت جمود ہی میں سڑ جاؤ گے! مذہب اسلام نے ہرگز مذہب فطرت کو غلط نہیں کہا اور نہ کبھی اسکی تردید کی ہے البتہ غیر فطری اصولوں کو اور جو اوس پر عمل کرتے ہیں غلط بتایا ہے قال عزوجل ما کان ابراہیم یہودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما!

جنت دوزخ کا خیال محض بے بنیاد نہیں ہے بلکہ ایک نہایت محکم اصل پر مبنی ہے وہ یہ کہ ہر شخص فطرتاً ظالم سے مظلوم کا قصاص چاہتا ہے۔ اگر صاحبان مذہب کو اس دنیا میں نہیں ملتا تو دوسرے عالم کی امید پر مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی لامذہب کو یہاں نہیں ملتا تو وہ فساد پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جسکا ہنیں بیٹھتا امن عامہ میں خلل ڈالدیتا ہے۔ پس اگر یہ خیال بھی ہوتا تو معلوم نہیں کہ کیا انجام ہوتا۔

اگر مذہب کی بنیاد محض توہمات پر مبنی ہوتی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار معصوم پیغمبر

اور ایسن اوس کی اشاعت اور ترویج میں تکالیف شاقہ کو ہرگز گوارا نہ کرتے
ایک کو دیکھکر دوسرے کو نصیحت ہو جاتی۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ہر نبی نے
پہلے سے زیادہ مصائب کا مقابلہ نہایت اطمینان و یقین سے کیا ہے اور
اول سے آخر تک اپنے مشن میں ثابت قدم رہے ہیں!

طبائع خبیثہ کو خواہ کیسی ہی سخت قید کی دہمکی دی جائے یا شتر بے مہار کی آزاد کر دیا جائے وہ ہرگز اخلاق حسنہ سے متخلق نہوں گے کیا آپ انارکسٹوں کو نہیں دیکھتے۔

مذہب اسلام میں حسن و قبح اشیاء عقلی ہے نہ تقلیدی اسی لئے اسلام ہمیشہ برائی کو بحیثیت برائی کے سمجھاتا ہے فقال عز و جل لا تقربوا الفواحش ما ظہر منہا وما بطن یعنے برائیوں کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی برائی سمجھ اور اون کے قریب تک مت جاؤ کیونکہ برائی برائی ہے سا

اور یہ محض مغالطہ ہے کہ کیریکٹر اور مذہب دو علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا چیزیں ہیں۔ ہم نے مذہب کی تعریف میں واضح کر دیا ہے کہ مذہب مرتبہ اعتقاد ہے اور اخلاق و کیریکٹر مرتبہ عمل۔

نیکی ہمیشہ نیکی سمجھ کر کی گئی ہے۔ اور خوشنودی پروردگار اوس کا انعام ہے بدیہی ہے کہ تحصیل علم علم کی خاطر ہے نہ سکالرشپ کے لیے!

مذہب اسلام نے اپنے ہی اوپر بھروسا کرنا سکھلایا ہے فقال عز و جل من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ یعنے جو جتنا عمل کرے گا اوتنا ہی اوس کا نتیجہ حاصل کرے گا وقال لا تزر وازرۃ وزر اخرے کوئی کسی پر ہرگز بھروسا نہ کرے کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کرے گا وقال لیس للانسان الا ما سعے!

مذہب اسلام نے قوای ذاتی کی ترتیب کرنے اور اون سے فائدہ اُٹھانے کی سخت تاکید کی ہے قال عز وجل ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا قوۃ سامعہ قوۃ باصرہ اور قوہ تمیز سے اگر تم کام نہیں لوگے تو اسپر تم سے سخت مواخذہ ہوگا! مذہب اسلام ہمیشہ انسان کی دماغی اخلاقی اور سوشیل ترقی کا سبب ہوا ہے کیونکہ وہ ہدایات جو ان ترقیات کا باعث ہوتی ہیں اون کا ماخذ محض انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام ہیں آپ تاریخ عالم کو ملاحظہ فرمائیں۔

خاکسار

نبی بخش مولوی فاضل منشی فاضل

یاسمین } پروفیسر میرزا محمد اسمعیل صاحب ایم۔ اے مصنف خواب ہستی کا یہ لاجواب و نتیجہ خیز ناول اور تمدن ایجنسی کی پہلی کتاب جس کا عرصہ سے ملک کو انتظار تھا ابتیار ہوگئی ہے یہ کتاب جو درحقیقت حسن و محبت کی زندہ تصویر ہے۔

قابل مصنف نے خصوصیت سے نوجوان طلباء کے واسطے لکھی ہے اور مختلف مضامین پر اس قابلیت سے بحث کی ہے کہ بیساختہ داد دینی پڑتی ہے۔ یاسمین جو اس تمام قصبہ کی جان ہو بنگالہ کی ایک مشہور نازنین ہے اسکی زندگی کا ہر ورق فلسفۂ حیات کے پیچیدہ مسئلہ کو نہایت خوبی سے حل کر رہا ہے قابل مصنف کا اسم گرامی کتاب کے لاجواب ہونیکی کافی ضمانت ہے۔ قیمت عمہ

منیجر عصمت و تمدن دہلی

غم

ہستیِ [illegible] ہے تو | [illegible] ہے تو
ہے سکون یابِ راحت انتہائے جادۂ | گو بظاہر خستگیِ ہمتِ راحل ہے تو
کامرانی ہے رہینِ اضطرارِ سعیِ گرم | اضطرارِ سعی ہائے گرم کا منزل ہے تو
موج کی بیتابیوں سے عرضِ گوہر کھل گیا | نغمۂ سیالِ جیحون بر لبِ ساحل ہے تو
ہے وفورِ یاس میں پنہاں نمودِ قیسِ نجد | دردِ بیتابیِ قلبِ صاحبِ محمل ہے تو
خنجرِ تلخیِ ناکامی سے ہے خاطر نشیں نگہ | چشمِ حق بیں میں فراغِ خاطرِ بسمل ہے تو

تھا خلش تو آدم و حوا کی یار و دلمیں ہا
بہی خلد سے تو جہان کا آئین ہوا

شانِ دلداری شکستِ عہدِ جاناں سے ہے | رونقِ عارض سوادِ گیسوئے پیچاں سے ہے
صبحِ نو کی پیشانی پہ ہے کارِ شام | گل شگفتہ اضطرارِ شبنمِ غلطاں سے ہے
پارہ پارہ سے کھلا یہ رازِ صبحِ انبساط | خندۂ دل انقباضِ غنچۂ پیکاں سے ہے
ہو نکمال اپنے کو تو ہو خلق میری دشنام | مہرِ عالم دوست اپنی ہستیِ سوزاں سے ہے
رقصِ پروانہ، سرودِ خندۂ بزمِ وصال | ایک شمعِ شبستاں کے دیدۂ گریاں سے ہے
اضطرابِ زخمہ سے ہے مرتعش تارِ رباب | یعنی کیفِ سازِ ہستی نالہ و فغاں سے ہے

گل گریباں چاک ہے تو خوشنوا بلبل بھی ہے
ہے فشارِ تاک، تو مینا بھی ہے قلقل بھی ہے

اٹھو، دلِ راحت طلب پیدا سرِ شوریدہ کر | آپ بھی غمدیدہ ہو اوروں کو بھی غمدیدہ کر
پھونک دے محفل کو اپنے شعلۂ آواز سے | گرمیِ ہنگامہ سے ہر قلب کو تفسیدہ کر

سُرمہ آسا اہلِ بینش کی نگاہوں میں سما ذرۂ ہستی کو اپنے اور بھی سائیدہ کر
شور پیدا کر جہاں میں نالۂ بیتاب سے زخمہائے سینہ کو اپنے نمک پاشیدہ کر
کر کے عریاں شمعِ ہستی کو دکھا اس کا فروغ یعنی نذرِ شعلۂ غم جامۂ بوسیدہ کر
اِک زمانہ دیکھ لے رفعت تری شکلِ ہلال اور بھی اپنے تنِ کاہیدہ کو کاہیدہ کر

کارواں کی چشمِ خوابیدہ کا ہو جا دُردِ تو
جب وہ سرگرمِ تگاپو ہو، تو بن جا گرد تو

ساقیا پھر جلوہ پیرا ہو اسی انداز سے زندہ کر دے اہلِ محفل کو اُسی اعجاز سے
طائرِ سدرہ، ہماری خستگی پر کر نظر زورِ بازو گھٹ گیا، پر رہ گئے پرواز سے
جھانک لے پھر پردۂ بے پروبالی سے ذرا پھر سکھا طرزِ فغاں چشمِ نوا پرواز سے
وہ حُدی خوانی کے نغمے، وہ سُرودِ رجز راہ ہو گئے بیگانہ سب اپنے شکستہ ساز سے
ہمنوا ہوں غیر کا میں بھی، بھلا ممکن کہاں جب کراہا تک نہیں جاتا یہاں آواز سے
محو کر دل سے خطا دلدادگانِ حُسن کی روٹھتا ہے یوں بھی کوئی عاشقِ جانباز سے

بٹ گئی غیروں میں ساری سلطنت اسلام کی
راہ ہی دیکھا کیے ہم آپ کے اکرام کی ÷

نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری

لڑکیوں کی انشاء حامیانِ تعلیمِ نسواں کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی کتاب لڑکیوں کے واسطے مولوی محمد عبد الراشد صاحب الخیری کی قلم سے نکلے۔ [illegible] زبان کے واسطے کچھ لکھنا بے سود ہے ہر خط ایسا مؤثر ہے کہ ایک ایک [illegible] کلیجہ پر گرتا ہے قیمت ایک روپیہ۔ ناظرینِ عصمت و تمدن سے آٹھ آنے [illegible]
منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب [illegible]

حارث

(۳)

نیا رفیق

(سلسلہ کے لیئے مئی کا تمدن ملاحظہ ہو)

میں بھی کچھ پستہ قامت نہیں ہوں۔ درمیانہ قد والی سے بھی کچھ اونچا ہی سمجھنا چاہیے۔ مگر وہ تو مجھ سے بھی ایک ہاتھ نکلتا ہوا تھا! میں نے جس وقت اسکی طرف دیکھا اسے قدر غور کے ساتھ دیکھا۔ تو گویا خود بخود میں سمجھنے لگا کہ اس سے پیشتر خوبصورتی اور ذہانت کو، انسان کی ظاہری شکل و شباہت میں، اس قدر خوبی کے ساتھ اکٹھا کبھی نہیں پایا! سانچے میں ڈھلا ہوا سر ایسا سر جس سے قوت و ادراک دونوں ظاہر ہوتے تھے، بھرے بھرے شانوں کے درمیان پر ستم جیسے شانوں کے درمیان۔ بے عیب تناسب کے ساتھ نظر آتا تھا! چہرہ بالکل کتابی! رنگ نہایت عمدہ زرد: زرد رنگ میں شعلہ کی طرح چمکنے والی سیاہ بھونرالی آنکھیں، اور ان آنکھوں میں عجب اور غضب کی کشش کچھ مسرت اور کچھ مصیبت ملی ہوئی کشش!! مگر اس شاندار چہرہ کا دہانہ۔ ناقابل تشبیہ دہانہ انتہائے خوبصورتی کے ساتھ گولائی لیئے ہوئے، اس قدر تنگ نہیں کہ زنانہ پن کی نزاکت جھلکے۔ بلکہ مضبوطی کے استقلال، اور مردانگی کی شان والا دہانہ سچ پوچھیئے تو تمام نقشے کی جان تھا! مجھے اچھی طرح خیال ہے کہ، اطمینان کی حالت میں - یا بالفاظ دیگر، بغیر کسی تصنع کے۔ اس دہانے سے ایک قسم کی درشتی، نفرت، بلکہ ظلم سا

پٹکتا ہے: اور محض ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ، وہی عجیب و غریب دہانہ ایک ایسی لطافت ظاہر کرتا تھا جس کی تشبیہ کسی انسانی جذبہ سے نہیں دیجا سکتی، ایک بجلی کی چمک کی طرح چشم زدن میں میں حیرت زدہ تھا، بہوت، تھا، سکتہ کے عالم میں کھڑا سوچ رہا تھا کہ یہ عجیب سے پیارا اور ناقابل بیان چیز کیا ہے؟ یہ تمام اثر ڈالنے والے نیچر کے نمونے۔ اپنے نو وارد دوست کے اُبھرے ہوئے خد و خال میں نے پہلے ہی غور میں نظر میں معلوم کر لیے تھے، اور جس وقت میرا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے چھوٹا، مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں اسے اپنی مدت العمر سے جانتا ہوں اور اب میں اور وہ، لیمپ کی تیز روشنی میں بالکل آمنے سامنے کھڑے تھے کہ مجھے یکایک اپنی ظاہری حالت کا خیال آیا! ٹھنڈا کمرہ، انگیٹھی نام کو بھی نہیں، بنیر فرش کی سیمنٹ جھینٹ زمین، میرا اپنا ذلیل حیثیت کا لباس؛ اور اس کے مقابلہ میں اس کا شاندار جسم، اس کا خوبصورت چہرہ، اس کا بیش قیمت سوٹ، اور اس کا اوور کوٹ کے بٹن کھولکر ایک تحکم آمیز انداز کے ساتھ کھڑا ہونا! بس، میں کچھ شرما رہا تھا، کچھ گھبرا رہا تھا، اور اس قدر سردی میں بھی کچھ پسینے پسینے ہوا جاتا تھا! وہ ایک خفیف مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا تھا، میری اندرونی حالت کا مطالعہ کر رہا تھا، اور آخر کار وہی سینہ بولا، "میں دیکھ رہا ہوں کہ واقعی میں نہایت ناموزوں وقت آیا!"

بدقسمتی سے یہ میری ایک خصوصیت ہے! میں جہاں کہیں جاتا ہوں ایسے ہی وقت پہنچتا ہوں! میں جانتا ہوں، تربیت یافتہ حضرات ایسی جگہ نہیں جاتے جہاں ان کی ضرورت نہ ہو، اور اسی وجہ سے میرا خیال ہے کہ

میں آداب زندگی میں پورا نہیں ہوں! خیر مہربانی فرماکر اس خط کی خاطر!" یہ لیا
اُس نے ایک خط نکال کر مجھے دیا جس کے لفافہ کی تحریر سے ہی میں نے تاڑ لیا
کہ وہ معین کا تھا۔" میری اس بدتہذیبی کو اپنی یاد سے بھلا دینے کی کوشش
کیجئے، اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں اتنے بیٹھ جاؤں جتنے آپ یہ خط
یا میری اسناد پڑھیں!"

اُس نے ایک کرسی لی اور وہ بیٹھ گیا! مگر میں ؟ اُس کے خوبصورت
چہرے کو دیکھ رہا تھا! اُس کے ایک ایک انداز کو جانچ رہا تھا! اور اُس کے
بے تکلفانہ برتاؤ سے اور زیادہ اُس کا مداح ہوتا جاتا تھا! "کسی قسم کے خط
یا اسناد کی حاجت نہیں" میں نے اُس تمام محبت کے ساتھ جو خودبخود
میرے دل میں پیدا ہوگئی تھی جواب دیا" میرے پاس ایک خط مسٹر معین کا اس سے
پہلے آچکا ہے: اس میں وہ آپ کی خوبیوں اور احسانات کو پوری طرح
بیان کرچکے ہیں! سچ یہ ہے کہ۔کہ۔واقعی۔پرنس آپ مجھے معاف فرمائیں
گر حیرت زدہ یا گھبرایا ہوا ہوں میں۔ کیونکہ... کیونکہ... میں آپ کو ایک سن رسیدہ
شخص سمجھے ہوئے تھا..." اس سے زیادہ میں کچھ نہ کہہ سکا، کیونکہ اس کی
چمکتی ہوئی آنکھیں غور کے ساتھ مجھے گھور رہی تھیں!!

"جناب من! آجکل کوئی بھی سن رسیدہ نہیں۔ایک بھی نہیں!" اُس نے
اطمینان کے ساتھ جواب دیا" اور تو اور، اس زمانہ کے باپ دادا بھی ۵۰
پچاس برس کی عمر میں اُس سے زیادہ شوخ طبع اور چنچل ہو جاتے ہیں جسقدر
کہ وہ پندرہ برس کی عمر میں ہوں گے! آجکل کوئی شخص مہذب سوسائٹی
میں عمر کا ذکر نہیں چھیڑ سکتا! یہ ایک بیہودہ سی بات سمجھی جاتی ہے! پہلے
آپ جانتے ہیں بدنما باتیں ناقابل ذکر ہیں، اور عمر ایک بدنما چیز ہوگئی ہے

اس لیے اس کے ذکر سے پرہیز کرنا فیشن اور تہذیب کا فرض اعظم ہے ہاں تو، آپ مجھے سن رسیدہ شخص سمجھے ہوئے تھے، اور واقعی میں ہوں ہی فی الاصل، آپ کو معلوم نہیں کہ میں کس قدر زیادہ سن رسیدہ، سالخوردہ ہوں؟"

میں نے اس لغو معلوم ہونے والے فقرہ پر ہنستے ہوئے کہا "کبھی نہیں! آپ مجھ سے بھی کم عمر ہیں، اور نہیں ہیں تو، کم از کم معلوم ضرور ہوتے ہیں"

"اوہ! بالکل غلط" اس نے ہنسکر جواب دیا "میری ظاہری حالت میرا طرز و انداز۔ یہ سب باتیں آپ کو دھوکا دیتی ہیں! میں اُن چند خوبصورت ہمیشہ جوان نظر آنے والے۔ انفاس میں سے ہوں جو اس خصوصیت کے لیے بہت مشہور ہیں! در اصل میں جس قدر معلوم ہوتا ہوں اُس سے کہیں زیادہ سن رسیدہ ہوں! خیر، جانے دیجئے! اب آپ مہربانی فرما کر میری درخواست پوری کیجئے، مجھے اس وقت تک اطمینان نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ اُس خط کو پڑھ نہ لیں!"

اس طرح درخواست کیے جانے پر، اور اس سے بھی زیادہ اپنے آپ کو خوش خلق ظاہر کرنے کے لیے۔ کیونکہ اس سے پہلے میں تمام حرکات سے نہایت گنوارپن کا اظہار کر چکا تھا، مجھے خواہ مخواہ خط پڑھنا ہی پڑا۔ میں نے فوراً لفافہ چاک کیا، خط کھولا، اور عجلت کے ساتھ نظر دوڑانی شروع کی! اس خط میں بھی معین نے پرنس حارث کی خوبیوں کی بہت کچھ تعریف کی تھی اور یہ بیان کیا تھا کہ وہ ایک نہایت پرانے خاندان سے ہے! اُس کے مورث شالڈیا کے شاہزادے تھے جو کچھ عرصہ بعد تاتار میں چلے گئے تھے! پرنس حارث نے خاص مجبوریوں اور پولیٹیکل معاملات کی وجہ سے جلاوطنی اختیار کر لی ہے اور دنیا کے ایک ایک حصہ کی

سیر کرنا اپنا مقصد زندگی بنالیا ہے! وہ بے انتہا متمول ہونے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا گانیوالا اور شاعر بھی ہے! چونکہ وہ دنیا کے چپہ چپہ سے واقف ہے اس لیے اس کا تجربہ قابل اعتبار ہے! اسکو انسان۔ بلکہ تمام دنیا کی ہر شے سے پوری واقفیت ہے، اور اسی لیے اپنی وسیع معلومات کی بدولت وہ زندگی کے ہر تجربہ پر، سائنس کے ہر مسئلہ پر اعلیٰ درجہ کی گفتگو کرسکتا ہے! وغیرہ، وغیرہ! خط تو میں نے جوں توں کرکے ختم کرلیا۔ لیکن ایک خیال خود بخود میرے دل میں پیدا ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معین کو کوئی دوسرا شخص لفظ بلفظ بتاتا گیا ہے اور معین محض املا کیطرح لکھتا گیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا یہ خیال میرے دلمیں کس وجہ سے پیدا ہوا۔؟ تاہم پیدا بھی ہوا اور جاتا بھی رہا، لیکن میں نے اُسپر کوئی خاص توجہ نہیں کی! اب میں پیر حارث کیطرف مخاطب ہوا۔" یہ خط۔ پرنس! میری ندامت اور میرے افسوس کو، دوبالا کیئے دیتا ہے! کیسے سے کیسے عاجزی اور معافی کے الفاظ اُس ناموزوں برتاؤ کو نہیں، ہو سکتے جو مجھ سے ظاہر ہوا! یہ ناپاک تنگ و تاریک جگہ اس قابل نہ تھی کہ میں آپ کا خیر مقدم بیاں کرتا! واقعی میں نادم ہوں، شرمندہ ہوں، پانی پانی ہوا جاتا ہوں ....."

اُس نے ایک خفیف سی حرکت اپنے ہاتھ سے کرتے ہوئے، بات کاٹ کر کہا:" شرمندگی چہ معنی دارد! میرے خیال میں آپ کو فخر کرنا چاہیئے کہ آپ تمول کے بیہودہ لوازمات سے پاک و صاف ہیں! علم و فراست تنگ و تاریک جگہ میں ہی پرورش پاتے ہیں، البتہ مرتے ہیں تو محل میں مرتے ہیں! کیوں ہے نا؟"

میں:" میرے خیال میں تو ایسا نہیں ہے! ممکن ہے کہ علم و ذکاوت کبھی

عمر بھر میں ایک دفعہ کبھی محل میں یہانتک آئے ہوں! لیکن اکثر بلکہ ہمیشہ
تو وہ فاقوں کے مارے ہی مرتے ہیں!

حارث: درست، بالکل درست! اگر فاقوں کے مارے مرنے کے بعد وہ کتنے
احمقوں کو اپنی محنت پر کھانے اور چین پانے کے لیے چھوڑ جاتے ہیں؟
میرے عزیز دوست اسمیں ہی ایک زبردست مصلحت ہے! مرزا
غالب ہمیشہ تنگی و عسرت کی وجہ سے نالاں رہے اور اسیطرح
ہائے ہائے کرتے چلے گئے: لیکن اب کس قدر ذلیل مطابع ایسے
ہیں جو اسی شخص کی دماغی قابلیت کو۔ اُس کی نظم و نثر کو۔ چھاپ
کر، بلکہ غالباً غلط سلط ستیاناس کرکے اپنا پیٹ پاتے ہیں اور
مزے اوڑاتے ہیں! یہ نیچر کا سب کو فائدہ پوہنچانے والا قاعدہ
ہے! دنیا کے اعلیٰ افراد۔ وہ نہیں جن پر محض تعلیم کا پولش چڑھا
ہوا ہو: بلکہ وہ جو نیچر کے فیاض ہاتھوں سے اعلیٰ درجہ کا دماغ
لے کر پیدا ہوئے ہوں۔ بُرے سے بُرے احمقوں کے
آرام و آسایش مہیا کرنے کے لیے خود قربان ہوتے رہا کریں"
یہانتک پونہچکر وہ عجیب دلکش انداز کے ساتھ ہنسنے لگا!

مین: "پرنس آپ نہایت بُری طرح ہجو کرتے ہیں! میں جانتا ہوں، آپ
جو کچھ فرما رہے ہیں دراصل اس کو مانتے نہ ہوں گے!"

حارث: "میں نہ مانتا ہونگا! اور وہ بھی اپنی ہی تلقین کو، اپنے ہی تجربوں کو
اگر ایسا ہو تو میں پھر کس مصرف کا ہوں! یقین کیجیے میرا اعتقاد ہے
کہ شیطان کو ڈرا ہاتھ میں لیے، اس احمق دنیا کو جدہر چاہتا ہے
ہنکائے لیے جاتا ہے" اس کے دہارے سے اب کسی قدر

درشتی ظاہر ہونے لگی تھی کہ اوسنے ہنسی پیدا کرتے ہوئے کہا "خیر! پند و نصائح کو چھوڑنا چاہیئے! پند و نصائح سے ہر تعلیم یافتہ شخص کو اس مہذب زمانہ میں ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے! ہر ذی فہم اسکے سننے سے نفرت کرتا ہے کہ۔ اسے کیسا ہونا چاہیئے اور کیسا نہیں ہونا چاہیئے! میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ آپ سے دوستانہ ربط وضبط پیدا کروں، بشرطیکہ آپ بھی اجازت دیں! اس نئے فضول تکلف برطرف! کیا آپ مہربانی فرماکر میرے ساتھ ہوٹل تشریف لے چلینگے، اور وہاں چلکر کھانا تناول فرمائیں گے، میں کھانیکے لئے حکم دے آیا ہوں"
اُس کے حسن عجیب نے، اس کی شان وشوکت نے، اُس کے محبت آمیز بے تکلفانہ برتاؤ نے، یا کسی اور چیز نے جسکو میں نہ سمجھ سکا ہوں۔ میں قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا، کس چیز نے۔ مجھے اس کا گرویدہ بنا دیا تھا: میں اپنے اور اُس کے مزاج وعادات میں بہت سی باتیں مشترک پاتا تھا! اور میں اپنے دل میں فیصلہ کرچکا تھا کہ میں اور وہ شریک زندگی بنکر نہایت خوش وخرم رہسکتے ہیں! میری ردّی حالت سے پیدا ہونیوالی شرمندگی بھی اب کسیقدر کم ہوگئی تھی۔ میں مطمئن تھا، اور اسکی درخواست۔ محبت آمیز درخواست پر سوائے اس کے اور کچھہ نہ کہہ سکا" نہایت خوشی کیساتھہ! مگر۔ مگر میں آپ سے کسیقدر اپنی موجودہ حالت بیان کرنی چاہتا ہوں! غالباً آپ میری نسبت میرے مہربان دوست معین الدین صاحب سے پوری طرح دریافت کرچکے ہوں گے اس جانتا ہون آپ شریفانہ ارادہ سے تشریف لائے ہیں اور غالباً آپ کو امید ہوگی کہ آپ ایک مفلس اور مجبور شخص سے ملینگے۔ واقعی دو گھنٹے پہلے آپ مجھے ایسا ہی پاتے لیکن اب حالت بالکل پلٹ گئی ہے! آج ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔

"اور غالباً آپ کے موافق ؟" اُس نے بات کاٹ کر پوچھا!

"اِس کو آپ خود معلوم کر سکتے ہیں" جواب دیتے ہوئے میں نے وہی پچاس لاکھ کی خوشخبری کی چٹھی اُس کے ہاتھ میں دیدی! وہ لیتے ہی پڑھنے لگا، اور ختم کرتے ہی بلا کسی حیرت و استعجاب کے بولا "اچھا تو، یہ کہئیے! آپ کو مبارکباد دینی چاہیئے!! اور میں سچے دل کے ساتھ مبارکباد دیتا ہوں! مگر بُرا نہ مانیئے گا۔ یہ رقم جس پر آپ قانع نظر آتے ہیں۔ میری نگاہ میں تو کچھ بھی نہیں!!"

اُس نے ایک قہقہہ مارا، اور میں حیرت زدہ ہو گیا! پچاس لاکھ کی رقم اور نہیں کچھ بھی! میں مبہوت تھا، میں بالکل حیرت و استعجاب کی تصویر بن گیا تھا اور میرے سمجھ میں کسی طرح نہیں آتا تھا کہ میں اس کے الفاظ کو صحیح سمجھوں یا محض لاف زنی!! مگر وہ میری حالت کی پروا کیئے بغیر کہے گیا "میرے عزیز دوست انسان کی ناقناہی طمع کسی طرح بجھ نہیں سکتی! اگر وہ زندگی کے ایک مشغلے سے دلچسپی نہیں رکھتا، تو کسی دوسرے پر ضرور جان چھڑکتا ہے اُس کے تمام مشاغل صرف فضول خرچی پر مبنی ہوتے ہیں! مثلاً عورتوں کو لیجئے! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سوسائٹی کی چند حسین اُٹھتی جوانی والیاں فیشن اور انداز کی دلدادہ محض جواہرات کے مول لینے میں آپکے پچاس لاکھ اُڑا دیں گی! گھوڑ دوڑ اِس سے بھی آسانی کے ساتھ اِس رقم کو بہا سکتی ہے! نہیں، نہیں۔ میرے نقطۂ خیال سے آپ کبھی ہرگز متمول نہیں ہیں! یہ رقم ہمیشہ کے لیے آپ کو غنی اور بے فکر نہیں بنا سکتی! میری رائے میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی مستقل آمدنی ایک شخص کو اس قدر کر سکتی ہے کہ وہ محتاج خانے سے

بچ جائے! آپ اب بھی محتاج ہیں، صرف فرق یہ ہے کہ آپ کی ضروریات پہلے کی طرح آپ کو مجبور اور پریشان نہیں کرسکتیں! اور اسی کا مجھے افسوس ہے! میں ایک خاص ارادہ سے ایک لایق شخص کی امداد اور سرپرستی کے ارادہ سے آپ کے پاس آیا تھا، مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ معمول کے موافق میرے ارادہ میں ایک چیز حائل ہو گئی! یہ بھی میری ایک خاص بدقسمتی ہے! جب کبھی میں کسی خاص امداد کے ارادہ سے جاتا ہوں تو ہمیشہ نیچر ایک نہ ایک سدراہ پیدا کر دیتی ہے!" ان خیالات سے عجیب فکر اور پریشانی اُس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگی؛ مگر اُس نے فوراً اپنی حالت بدلتے ہوئے کہا:" ہاں تو اب چونکہ آپ لکھ رہی ہیں! اور عنقریب سوسائٹی کے شیر بننے والے ہیں، اس لیے مجوزہ دعوت قابل اعتراض نہیں ہوسکتی! اور اس کے بعد میوزک ہال! فرمائیے کیا رائے ہے؟"

اُس نے عجیب محبت کے ساتھ میرے شانے پر ہاتھ مارا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر میری طرف دیکھنے لگا: آہ، وہ پراثر دلکش نظریں شعلہ جیسی چمکتی ہوئی آنکھوں سے نکلنے والی نظریں۔ اور اُن میں نہایت ہلکے ہلکے آنسو ڈبڈبائے ہوئے؛ کچھ نہ پوچھیے کہ ان میں کس غضب کا جادو تھا؛ درحقیقت میں اُس کشش کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، اور نہ میں نے اُس کی کوشش کی! تاہم میں نے اپنے خراب و خستہ لباس پر نظر ڈالتے ہوئے کہا:" معاف فرمائیے، پرنس میں آپ کی ہمراہی کے لائق نہیں ہوں! میں اپنی ظاہرہ حالت سے ایک بازاری آوارہ گرد معلوم ہوتا ہوں؟"

"کیا واقعی آپ معلوم ہوتے ہیں!" اس نے ہنستے ہوئے کہا "لیکن خاطر جمع رکھیئے آپ ہر رنگ میں کروسٹس[1] ہیں! کپڑوں کی خوبصورتی اور نت نئی تراشش کا خیال اوسط درجے کے مغرور نوجوانوں کو ہوا کرتا ہے یا سوسائٹی کی نوجوان شوخ اچھوتیاں اس پر جان دیتی ہیں! اگر وزیر اعظم پر ڈھیلا ڈھالا اور بدنما کوٹ ہی کھلتا ہے! اگر تھیلی خوب بھری ہوئی ہو تو لباس چنداں قابل لحاظ نہیں! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ صبح ہوتے ہی دس پانچ اخباروں میں آپ کا یکایک لکھ پتی ہو جانا شائع ہوا نہیں کہ کسی اعلیٰ درجہ کے ٹیلر نے آپکے نام سے، بالکل آپ کے اس پرانے کوٹ کی قطع پر ایک۔ جواں بخت چسٹر فیلڈ! میلے خاکی رنگ کا ایجاد کر دیا! آپ اس کی مطلق پرواہ نہ کریں! بس اب کہانیکو زیادہ دیر ہوئی جاتی ہے! میرے ساتھ میرا اپنا باورچی ہے اور غالباً آپ اس کے ہاتھ کا کھانا پسند کریں گے! فی الحال میں صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ خوشی کے ساتھ مجھے اپنا بینکر بنانا منظور کریں۔"

یہ عنایت کچھ ایسے بے تکلفانہ لہجہ میں محبت آمیز لہجہ میں۔ کی گئی تھی کہ مجھے منظور کرتے ہی بن آئی، اس کے علاوہ میں اس کے منظور کرنے سے اکثر عارضی جھگڑوں سے سبکدوش ہو گیا! میں نے فوراً اپنے مکان دار کے نام ایک خط لکھا۔ یہ بتانے کے لیے لکھا کہ میں اس وقت سے مکان چھوڑتا ہوں، کرایہ واجب الادا کل بذریعہ ڈاک روانہ کروں گا! اب میں نے وہی اپنا پسند نہ کیے جانے والا ناول۔ میری دماغی محنت کا ثمر۔ اٹھایا اور اپنی جیب میں لیا

[1] دوسرا صفحہ ملاحظہ ہو۔

رکھ لیا! میں نے اپنے سنئے رفیق کا ہاتھ ہاتھ میں لیا، لیمپ گُل کیا اور اُس عجیب ہستی کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اپنے گوشۂ عافیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا!

مجھے قطعی خیال نہیں تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے جبکہ میں اُسی ذلیل کمرہ کی یاد میں بیتاب رہوں گا، جبکہ اُسی پریشان کرنے والی تنہائی کو دل سے ڈھونڈوں گا، جبکہ اُسی ناگفتہ بہ افلاس کی یاد میں آٹھ آٹھ آنسو رؤں گا! کاش کہ میں افلاس کو سچا راستہ بتانے والا پاک فرشتہ سمجھتا، اُسکو اُن ہی آنکھوں سے دیکھتا جن سے اب دیکھتا ہوں! کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ نیچر نے ہمارے مستقبل کو ہماری نظروں سے پوشیدہ رکھنے میں کیسی عظیم الشان حکمت سے کام لیا ہے؟ کیا ہم کو اپنے مستقبل سے آگاہی ہوتی تو ہم بُری باتوں سے بچ سکتے، اور اگر نہ بچ سکتے تو کیا زندگی وبال جان نہ ہوجاتی؟ یہ ایک نہایت اُلجھا ہوا سوال ہے جس کا جواب محض ذہانت نہیں دے سکتی! بہرحال میری اُسوقت کی ناواقفیت اپنے مستقبل سے ناواقفیت۔ میرے لیے نہایت اچھی ثابت ہوئی: کیونکہ میں خوشی خوشی اُٹھا، مسرت کے ساتھ باہر آیا، اور نہایت دلجمعی کے ساتھ۔ کیونکہ میں آنے والے زمانہ کو بہترین زمانہ سمجھ رہا تھا۔

نوٹ: کروسس۔ یونان کا نہایت متمول بادشاہ گذرا ہے، یونان کا ہر شخص تمول کی وجہ سے اس کے آگے گردن جھکاتا تھا، وہ لدیا کا بادشاہ تھا اُس کا زمانہ ۵۶۰ھ سے ۵۴۶ھ قبل حضرت مسیح تھا۔ وہ اپنے تمول کے لیے قارون کی طرح مشہور ہے۔ (جوش۔)

(باقی آئندہ)

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پرانے مسکن کو چھوڑ گیا! اس موقع کی
اور کوئی بات تو مجھے یاد نہیں، البتہ اس قدر ضرور یاد ہے
اور اچھی طرح یاد ہے کہ وہی گانے والا۔ نظر نہ آنے والا ہارمونیم
نواز۔ پوری آواز کے ساتھ، رات کے سناٹے اور سنسان
میں عجیب وسو بہرے لہجہ میں گا رہا تھا:-

یاران ہمنشین ہمہ از من جدا شدند
مائیم و آستانۂ دولت پناہ تو!!

سلطان حیدر جوش (علیگ)

ہیضہ کی شدت اور ملیریا کی کثرت نے افسوس کہ اس پرچہ کی اشاعت میں
غیر معمولی تاخیر پیدا کی گو ابھی تک ملیریا میں کمی نہیں ہوئی لیکن امید ہے
کہ اکتوبر نومبر کے رسالے آخر نومبر تک ناظرین تمدن کے ملاحظہ سے
گذر جائیں گے +

میں پچھلے مہینہ میں زیادہ تر دلی سے باہر رہا اور ابتک ہوں اس لیئے بعض
ضروری خطوط کا جواب بھی خود نہ دے سکا امید ہے کہ ناظرین تمدن
معاف فرمائیں گے۔ میری عدم موجودگی اور پروف ریڈر صاحب کی علالت
سے اس پرچہ میں زیادہ غلطیاں رہ گئیں نامہ نگار صاحبان سے امید ہے
کہ وہ مجبور سمجھکر معاف کریں۔ ایڈیٹر

سراپائے نبی کریم صلعم

کئی سال ہوئے کہ میں نے ایک طویل مسدس لکھا تھا، جس میں واقعہ جنگ بدر نظم کیا گیا تھا اسی طرح کچھ دن اور قبل ایک مسدس میں واقعہ جنگ خیبر منظوم کیا گیا تھا۔ مگر دونوں کی بحروں میں فرق تھا ایک مسدس میں سے صرف سراپا کے بند انتخاب کرکے رسالہ الناظر لکھنؤ میں شائع ہوئے تھے۔ آج دوسرے مسدس کے صرف سراپا کے بند نکال کر بذریعہ تمدن ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

تمنا

چہرہ کی آب و تاب سے ہے چاند بھی خجل — خورشید الگ ہے سر بگریباں و منفعل
گلزار میں ہے رشک سے ہر پھول مضمحل — شمشاد ہے جدا غمِ قامت سے پا بگل

کیا پوچھے کوئی عارضِ پُرنور شاہ کو
خورشید کو تو ہے یرقاں، برص ماہ کو

گیسو وہ مشک فام، کہ عنبر نثار ہو — لب ایسے نازنیں، کہ گلِ تر نثار ہو
دنداں وہ آبدار، کہ گوہر نثار ہو — عارض وہ آئینہ، کہ سکندر نثار ہو

گردن چمک رہی ہے عجب آب و تاب سے
مکھڑے کو بھی ملائے کوئی آفتاب سے

آنکھیں بعینہ گلِ بادام کی طرح — گردش ہے جنکی گردشِ ایام کی طرح
مخمور، مست بادۂ گلفام کی طرح — پھرتی ہے چار سمت نظر جام کی طرح

آنکھوں کو جام بادۂ اطہر بتاتے ہیں — ہوئے مژہ کو ہم خط ساغر بتاتے ہیں

کس منہ سے ہو بیان دہنِ پاک کی ثنا　　جو خاص دستِ قدرتِ خالق سے ہو بنا
لازم ہے جس کے آگے قمر کو بھی انحنا　　مِنْ هِجْرِهٖ اَصَابَ بِنَا مَا اَصَابَنَا

چُپ تھے تو غنچۂ نو بہارِ قبول تھا
جب ہنس پڑے تو نخلِ رسالت کا پھول تھا

پہلے تو روئے غیرتِ گلشن کو دیکھئے　　پھر اس کے بعد چاند سی گردن کو دیکھئے
پھیلائے ہاتھ گیسوئے پُرفن کو دیکھئے　　تب سیرِ استعارۂ روشن کو دیکھئے

اک مے فروش سامنے قرآن نکال کے
بیٹھا ہے ہاتھ گردنِ مینا میں ڈال کے

روشن ہے یہ کہ چاند میں ایسی چمک کہاں　　کندن میں ہو دمک مگر ایسی دمک کہاں
گوہر ہے آبدار مگر یہ جھلک کہاں　　ایسا ہوا جہان میں کوئی اب تک کہاں

لاکھ آفتابِ روزِ جزا دوش پر نثار
سو صبحِ عید صبحِ بناگوش پر نثار

عارض میں وہ ضیا کہ ملاحت نثار تھی　　گردن میں وہ صفا کہ صباحت نثار تھی
ہاتھوں میں وہ سخا کہ سخاوت نثار تھی　　قامت میں وہ ادا کہ قیامت نثار تھی

کیا کوئی مثل ہو، شرفِ اسبق تھے آپ
سایہ کہاں سے آئے کہ خود ظلِّ حق تھے آپ

کرے مصافحہ یدِ قدرت سے جس کا ہاتھ　　جس ہاتھ میں دیا یدِ بیضا نے اپنا ہاتھ
چومے ہیں جس کو جن و ملائک نے ایسا ہاتھ　　وہ پیاری پیاری انگلیاں وہ بھولا بھالا ہاتھ

ہے کفر، خاص دستِ خدا کیسے ہم کہیں
مانع ہے جوشِ عشق اگر اس سے کم کہیں

کیا پاؤں ہیں کہ نور کے سانچے میں ہیں ڈھلا　　ہے فرض جس کے نقشِ کفِ پا کا چومنا

جس کے قدم کے ساتھ ہی محشر لگا ہوا　　　دھو دھو کے روز پیتے ہیں اس کو ملائکہ

حیران اس کی کنہ میں ہر عقلمند ہے

اس پاؤں کا تو عرش سے پایا بلند ہے

قامت کے وصف کا جو ہوا شوق ایکبار　　　ہم نے کیا تلمذ شمشاد[1] اختیار

پھر بھی نہیں ملا کوئی مضمون آبدار　　　ہاں اک مثال سرو، وہ ہے ہمکو ناگوار

تعریف ہی جو صرف زباں سے ادا ہوئی۔

اک عرصہ سخن میں قیامت بپا ہوئی

اس حسن کا کوئی بُتِ طنازی کہاں؟　　　نرگس کو آنکھیں ہیں مگر انداز ہی کہاں

قد سرو کو ہی چشم فسوں ساز ہے کہاں　　　سوسن کو ہے دہن، مگر اعجاز ہی کہاں

سنبل ہے پیچ میں قد دلجو نہیں مجھے

شمشاد پابگل ہے کہ گیسو نہیں سہی مجھے

تمنا عمادی پھلواروی

---

[1] یعنی حضرت شمشاد لکھنوی۔ فرنگی محلی منیجر مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور، مدظلہم ۱۲۔ تمنا۔

راحت نسوانی۔ مولوی سید احمد صاحب کی بیش بہا تصنیف جو علاوہ دلچسپ ہونے کے ایک نہایت سودمند کتاب ہے۔ مصنف نے از سر نو ترمیم کے بعد نہایت محنت سے تیار کی گئی ہے بیگماتی زبان قلعہ معلی کے محاورے۔ قصہ کی دلچسپی مختصر یہ کہ کتاب بغیر ختم کیے چھوڑنیکو جی نہیں چاہتا۔ قیمت۔ ایک روپیہ (عہ)

منیجر عصمت و تمدن۔ دہلی سے طلب کیجیے

تاریخ اسلام کا دردناک واقعہ

یعنی

ہسپانیہ سے مسلمانوں کا اخراج

تاریخ شاہد ہے کہ ہسپانیہ (اندلس) میں مسلمانوں کی کیسی شاندار اور باعظمت حکومت تھی اور اُنہوں نے اس ملک میں کیسے چار چاند لگا دیئے تھے۔ اسلامی کارناموں کے یادگاریں اب بھی موجود ہیں اور منصف مزاج وصاحب دردسیاح ان کو دیکھ کر ضرور افسوس کرتے ہیں۔ ہر شکستہ درودیوار سے اُس کے بانی کی اولوالعزمی اور شوکت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اب کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ آٹھ صدیوں کی سلطنت اعمالِ بد کے ہاتھوں آناً فاناً تباہ و برباد ہوگئی اور بقول مولانا حالی ؎

اک کہانی سیرزن کی رہ گئی   راج کسریٰ کا رہا باقی نہ پاٹ

مصری سیاح احمد زکی آفندی[1] اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے ہسپانیہ کی مردم شماری مسلمانوں کے عہد میں چار کروڑ تھی مگر اب صرف ایک کروڑ ستر لاکھ ہے۔ زمینیں اکثر ویران پڑی ہیں اور معاش کے وسائل

---

[1] احمد زکی نے یورپ کا سفر ۱۹۰۲ء میں کیا تھا اور یہ فاضل شخص محکمۂ ترجمہ مصر کا رئیس المترجمین اور زندہ ہے اس کا سفرنامہ جس کا نام السفر الی المؤتمر ہے معلومات اور تحقیقات کا خزانہ اور زمانہ حال کے بہترین تالیفات میں سے ہے ۱۲۔

نہایت کم ہیں قلت آبادی اور کثرت ویرانی کا یہ باعث ہے کہ فلپ ثانی نے
چھ لاکھ مسلمانوں کو جو سب کاشتکار تھے ایک دم سے جلا وطن کر دیا تھا۔ اسلامی
عہد کی ترقیاں عظمت و شوکت۔ نزاکت و تکلف کے جلوے اب بھی نظر آتے
ہیں۔ غرناطہ کا قصر حمرا عجیب و غریب عمارت ہے اگرچہ اب اس کے کھنڈر
سے باقی رہ گئے لیکن ان میں بھی جو بات ہے وہ انگلستان
و فرانس کی بڑی بڑی عمارتوں میں نہیں" مصنف کے خاص الفاظ
یہ ہیں:-

ویعلم اللہ انی ما رأیت فی طول سیاحاتی شیئاً ادق واتقن
واحمل واکمل مما رأیتہ فی ھذہ المدینة (خدا جانتا ہے کہ میں نے
اس تمام سفر میں کہیں ایسی دقیق الصنعت استادانہ۔ خوبصورت۔ عمدہ ترین چیزیں
نہیں دیکھیں جیسے اس شہر میں دیکھیں) آگے چل کر لکھتا ہے:-

"اگرچہ عرب اس ملک میں نہیں رہے لیکن ان کی یادگاریں
ہر جگہ موجود ہیں۔ ملک میں جو قوانین جاری ہیں ان میں اسلامی
آثار موجود ہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کے اخلاق و عادات میں
اسلامی جھلک پائی جاتی ہے۔ تمام یورپ کے برخلاف یہاں کے
لوگ بیگانہ نواز مہمان پرست ہیں۔ یہ لوگ اجنبی آدمیوں سے
ساتھ نہایت اخلاق سے پیش آتے ہیں اور ہر کام میں ان کی
اعانت کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ یورپ کے دیگر ممالک اور اس ملک
میں صاف بھی فرق محسوس ہوتا ہے"

یہ ہے ہسپانیہ کی حالت ؎

دیدۂ عبرت کشا قدرت حق را ببیں شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

تاریخوں کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴۶۹ء میں فرڈی نینڈ وازابیلا کی شادی ہو جانے سے کسٹیایل۔ ارآگان اور لیون کی فوجیں ایک علم کے سایہ میں آگئیں۔ یہ دونوں تعصب کی مجسم تصویر تھے مسلمانوں کو قتل کرنا اُن کے گھروں کو لوٹ لینا عین ثواب سمجھتے تھے ہسپانیہ کی ترقی اُن کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ شامت اعمال سے تخت سلطنت کمزور اور بُزدل ابو عبداللہ محمد کے ہاتھ آگیا اور اس ملک فروش کے قدم رکھتے ہی فرڈی نینڈ کے خیالات پورے ہونے کی اُمید ہو گئی۔ اس بیوقوف بادشاہ نے اپنے مدبر و صلاحکار چچا الزغل کا کہنا نہ مان کر عیسائیوں پر حملہ کیا باوجودیکہ اس کی طاقت فرڈی نینڈ کے مقابلہ میں کمزور تھی لیکن شامت اعمال کا کیا علاج آخر نتیجہ یہ ہوا کہ قید ہو گیا۔ فرڈی نینڈ نے یہ شرط پیش کی کہ ہمیشہ کے واسطے ہسپانیہ کی سلطنت عیسائیوں کی خراجگذار رہے۔

ابو عبداللہ محمد کے حق میں یہ شرط بھی غنیمت تھی وہ فوراً راضی ہو گیا اور وہی عرب جو کبھی کسی سے دبکر نہ رہتے تھے ابو عبداللہ کی ناتجربہ کاری سے محکوم ہو گئے۔ الزغل نہایت تجربہ کار اور غیور جنرل تھا اُس نے ارادہ کیا کہ ایک دفعہ تو اور کوشش کرکے دیکھو اگر عیسائیوں پر غلبہ ہو گیا تو سبحان اللہ ورنہ اس ذلت کی زندگی سے موت اچھی اُس نے عمدگی کے ساتھ سامان جنگ درست کیا اور ابو عبداللہ کو سمجھایا کہ بہادر آدمی صرف ایک دفعہ ہی مرا کرتا ہے اور نامرد کے واسطے روزانہ موت ہے۔ عیسائیوں کی کسی بات کا مت اعتبار کرو۔ آؤ ہم تم کمرِ ہمت باندھکر پھر ایک دفعہ آبائی سلطنت کو عروج پر پہونچانے کی کوشش کریں

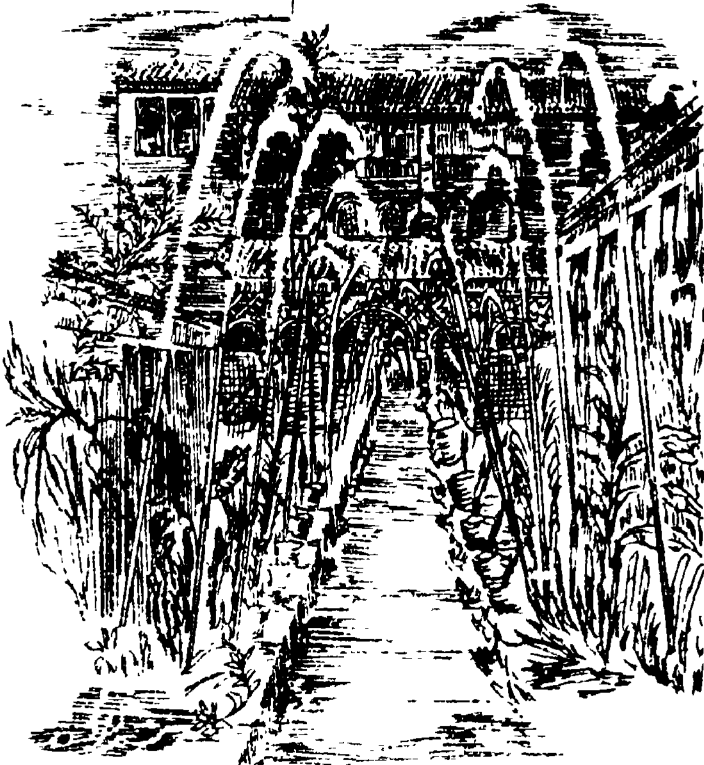
لیکن افسوس بہادر الزغل کو ابو عبد اللہ نے دہوکا دیا اور بہ ظاہر راضی ہو کر آخر کو خاموش ہوگیا۔ آخر الزغل تعداد پر بہروسہ کر کے تنہا نکلا اور عیسائیوں سے معرکہ آرا ہوا لیکن ابو عبد اللہ نے اُس کے رستہ میں رکاوٹ پیدا کر دی اور اس کا انجام یہ ہوا کہ بہادر جنرل بالکل ناکام رہا اور عیسائیوں کے قبضہ میں الورا۔ قصر بنورا۔ روندا۔ اور دوسرے شہر آ گئے اور تہوڑے دنوں کے بعد مسلمانوں کے مضبوط اور مستحکم شہر بوقسہ کو بہی لے لیا اُس کے ایک سال بعد ۱۴۸۷ء میں ملاغہ پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اب مسلمانوں کے پاس نصف ہسپانیہ سے بہی کم رہ گیا ظالم فرڈی نینڈ نے مقبوضہ شہروں کے باشندوں پر جو ظلم و ستم کیے ہم اُن کو ہسپانیہ کے مورخ کانڈی کے الفاظ میں ادا کرتے ہیں وہ لکھتا ہے:۔

"عیسائیوں نے مقبوضہ شہروں کے باشندوں سے امان کا وعدہ کیا تہا مگر جب اُ نپر اچھی طرح متسلط ہوگئے تو مسلمانوں کو یا تو غلام بنا لیا یا جلاوطن کر دیا۔ فصلیں اور پہلدار درخت برباد کیے۔ گہروں میں آگ لگا دی۔ بیگناہ لوگوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ مسلمانوں نے جس زمین کے واسطے اپنا خون بہایا اور ہزاروں جانیں قربان کی تہیں اُس کے ایک ایک انچہ پر ظالموں کا قبضہ ہو گیا۔"

رفتہ رفتہ عیسائیوں نے باقیماندہ شہروں پر بہی قبضہ کر لیا۔ بہادر الزغل افریقہ چلا گیا اور وہاں دل شکستگی کی موت مر گیا۔ ابو عبد اللہ کے پاس اب صرف غرناطہ باقی رہ گیا۔ فرڈی نینڈ کی آنکھیں غرناطہ کو مسلمانوں کے پاس کہاں دیکھ سکتی تہیں اُس نے ابو عبد اللہ سے اول تو معقولیت سے



غرناطہ۔ (اہل کیسٹائل کے ظلم کے بعد)



(قصر جامع العارف کی موجودہ حالت)

شہر خالی کر دینے کو کہا مگر جب ایک بہادر سردار موسےٰ کے کہنے سے اُسنے انکار کیا تو فرڈی نینڈ دس ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادے لیکر آگیا۔ بہادر موسےٰ نے مقابلہ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ خوب ہی داد جواںمردی دی لیکن وہ کیا کرتا اُس کے پاس نہ اس قدر سامان جنگ تھا اور نہ ایسی قوت کہ عیسائیوں کا بخوبی مقابلہ کر سکتا آخر قلعہ بند ہوگیا۔ فرڈی نینڈ نے شہر کے کل راستے مسدود کر دیئے اور محصورین کو سامان خوراک کے تکلیف ہونے لگی لیکن اُنہوں نے اس حالت کو بھی مہینوں برداشت کیا آخر جب بالکل مجبور ہوگئے تو شہر حوالہ کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ بھوک اور پیاس نے وہ کام کرایا جو عرب کبھی نکرتے۔ افسوس ابو عبداللہ اگر عقلمند ہوتا تو کاہے کو مسلمانوں کی باعظمت سلطنت نیابیث ہو جاتی۔

شرائط طے کرنے کے واسطے اراکین عیسائی کیمپ میں گئے اور بعد رد و کد بسیار یہ امور قرار پائے +

۱- بادشاہ- وزرار- علما، وغیرہ فرڈی نینڈ کی اطاعت کا حلف اُٹھائینگے۔

۲- ابو عبداللہ محمد کو بسر اوقات کے واسطے جاگیر معقول دی جائے گی۔

۳- مسلمانوں کو امان دی جائے گی- اُن کے گھوڑوں اور ہتھیاروں کو ضبط نہ کیا جائے گا +

۴- مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں کوئی رکاوٹ نہوگی- مساجد اور عبادت گاہیں بدستور قایم رہیں گے- مؤذن اذان آزادی سے دے سکینگے

۵- مسلمان رسم و رواج- لباس اور زبان میں آزاد رہیں گے۔

۶- مسلمانوں کے مقدمات اُنہیں کے منصف فیصل کریں گے اور اگر مسلمان اور عیسائیوں میں کوئی تنازعہ ہو جائے تو وہ دونوں فریقوں کی ایک

مشترکہ جماعت انصاف کرے گی ۔

۷۔ مسلمانوں پر موجودہ ٹیکس کے علاوہ نیا ٹیکس نہ لگایا جائے گا

۸۔ کوئی عیسائی جبراً مسلمانوں کے گھروں میں نہ داخل ہو سکے گا۔

۹۔ مسلمان قیدی رہا کیے جائیں گے۔

۱۰۔ جو مسلمان افریقہ جانا چاہیں اُن کو روکا نجائے گا اور کمپنی جہازات صرف کرایہ لیکر منزل مقصود تک پہونچادیں گے ۔ اگر مقررہ میعاد کے اندر کوئی مسلمان نجائے تو جہاز کا کرایہ بعد وضع عشر واپس کردیا جائے گا +

۱۱۔ کسی شخص کو بغیر ثبوت جرم سزا نہ دی جائے گی +

۱۲۔ جو عیسائی مرد یا عورت مسلمان ہوجائے اُسکو جبراً سابقہ مذہب میں نہ لایا جائے گا +

۱۳۔ اگر کوئی مسلمان عیسائی ہونا چاہے تو اُسکو غور کرنے کیلیے چند دنوں کا موقع دیا جائے گا۔ مقررہ مدت کے بعد عیسائی اور مسلمان منصف پر اُس سے دریافت کریں گے اسپر بھی اگر وہ راضی ہوگا تو اختیار دیا جائے گا +

۱۴۔ کوئی مسلمان اگر عیسائیوں میں رہنا چاہے تو ہر طرح اُس کی حفاظت کی جائے گی +

۱۵۔ مسلمانوں پر یہودیوں کی طرح کوئی نشان تمیز نہ لگایا جائے گا۔

دیکھنے میں یہ شرائط کیسے دل خوش کن ہیں لیکن جس طرح یورپ اب تک اپنی پالیسی پر عمل کرتا ہے ویسا ہی اُس زمانہ میں بھی تھا۔ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے ۔

اس عہدنامہ کو دیکھکر بہادر موسیٰ نے پھر بھی مخالفت کی اور کہا
عیسائیوں کے وعدوں پر نجاؤ وہ کبھی اُن کی پابندی نہ کریں گے۔ اس سے
بہتر ہے کہ مرجاؤ دین و دنیا دونوں اچھے ہوجائیں گے ورنہ یہ بدکردار
تمہاری عورتوں کی عصمت بگاڑیں گے اور تمہیں ذلیل رسوا کریں گے +

لیکن اس مخالفت کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر اس جوانمرد نے مایوس
ہوکر سب لوگوں کو نفرت کی نظر سے دیکھا اور گھوڑے پر سوار ہوکر عیسائی کیمپ
کی جانب چلا گیا۔ لیکن پھر کبھی نہ آیا۔ وہ مرنے کے واسطے گیا تھا اور آخر
ایسی موت مرا جو حیات جاودانی کہلاتی ہے۔ خود عیسائی مورخ کانڈی۔
(ہسپانوی) اس کا ذکر مختصر یہ الفاظ میں کرتا ہے۔ موسےٰ نے بہت
سے عیسائیوں کو مارا اور جب زخموں میں چور ہوگیا اور گھوڑا بھی مارا گیا
تو وہ تلوار لیکر گھٹنوں کے بل کھڑا ہوگیا۔ عیسائیوں نے اس بیجگری
اور شجاعت کو دیکھ کر جان بخشی کا وعدہ کیا مگر وہ ایسی زندگی کو موت سے
بدتر سمجھتا تھا۔ لڑتے لڑتے جب جاں بلب ہوگیا تو اس خیال سے کہ اس کے
لاش کی بےحرمتی ہو اپنے آپ کو دریائے زنیل میں گرادیا۔ زرہ جو پہنے
ہوئے تھا بھاری تھی۔ گرتے ہی تہ میں بیٹھ گیا۔ لیکن شہرت جوانمردی
کی آسمان پر دوامی طور پر چمکنے لگا +

آخر دوم جنوری ۱۴۹۲ء کا دن آیا کیسی منحوس گھڑی تھی کہ غرناطہ پر
عیسائیوں کا قبضہ ہوا۔ ہلال کی بجائے صلیب کا پرچم لہرانے لگا گویا
یہ نشان تھا اس بات کا کہ ہسپانیہ کی ترقی کا آفتاب گمنامی کے پردہ
میں ہمیشہ کے واسطے جا چھپا +

ابو عبداللہ کو اندازہ [illegible] گھر ہی گئی [illegible] اپنی سلطنت سے

ہاتھ دھو کر جا رہا تھا تو غرناطہ کو دیکھ کر خوب رویا۔ آہ۔ اُس کے بزرگوں کی کمائی آٹھ سو برس کی حماقت سے ہاتھوں جاتی رہی۔ اُس وقت با جبروت موسے بن نصیر۔ طارق ابن زیاد۔ عبدالرحمن اول۔ عبدالرحمن دوم عبدالرحمن سوم کی روحوں پر کیا صدمہ ہوگا جنہوں نے پانی کی جگہ خون بہا کر توحید کا ڈنکا بجایا تھا اور ہر وقت کہہ اٹھتے تھے ؎

موقع پہ موُنہ کو موڑیں ایسے جوان نہیں ہم ۔ غرناطہ سے غرض کیا محو بتاں نہیں ہم
حق بات کیوں نہ کہدیں کچھ بے زباں نہیں ہم ۔ باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

ابو عبداللہ کو اندارہ میں بھی فرڈی نینڈ نے چین نہ لینے دیا اور افریقہ کی جانب جلاوطن کر دیا آخر وہ ۱۵۳۸ء میں مرگیا۔ اُس کی اولاد کا یہ حشر ہوا کہ نان شبینہ تک کو محتاج ہو گئی۔

معاہدہ کی شرایط پر ایمان دار و منصف مزاج فرڈی نینڈ نے کچھ توجہ نہ کی اور بہادر موسےٰ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ سب سے پہلے اُس نے یہودیوں کو قتل کرنا شروع کیا اس قوم کے دولت پر اُس کی نظر تھی اور سنہ ۱۴۹۲ء میں ایک حکم جاری کیا کہ یہودی یا تو عیسائی ہو جائیں ورنہ جلاوطن کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ ان غریبوں کو خلاف ورزی میں زندہ جلایا گیا۔ سولی دی گئی اور تمام مال و اسباب ضبط کر کے جلاوطن کیا گیا یہودیوں کے بعد مسلمانوں کی باری تھی ان پر بھی ہر طرح کی سختی کی گئی بہتوں کو جبراً اصطباغ دیا گیا۔ جب یہ حالت ناممکن البرداشت ہو گئی تو مسلمان بغاوت پر آمادہ ہو گئے لیکن حکومت کے مقابلہ میں رعایا کی بغاوت کبھی سرسبز نہیں ہوتی چنانچہ پہلے سے زیادہ ایذا رسانی اور حضرت مسیح عہد کے

خاص الخاص معتقدین عیسائیوں سے نے سختی کرنی شروع کی اور جو حکم یہودیوں کو
دیا گیا تھا کہ یا تو مذہب ترک کریں ورنہ جلا وطن ہو جائیں وہی ان کو بھی دیا گیا
بعض بمجبوری عیسائی ہو گئے اور کثیر حصہ ہسپانیہ سے چلا گیا۔عیسائیوں
نے ایک مسجد کو جہاں مسلمان مرد اور عورتیں جمع تھے بارود سے اڑا دیا۔
سنہ ۱۵۰۱ء میں مسلمانوں نے بھی بغاوت کی اور ایسا مقابلہ کیا کہ جبل
بلانسا کے قریب عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی اس محاربہ سے
یہ فائدہ ہوا کہ باقی ماندہ مسلمانوں کو مراقش۔مصر۔ ومملکت عثمانیہ جانیکا
موقع مل گیا۔لیکن ان کا مال واسباب وغیرہ سب کا سب عیسائیوں
نے ضبط کر لیا۔

فرڈی نینڈ کے مظالم نے کل ہسپانیہ سے اپنے نزدیک مسلمانوں کو
خارج کر دیا اور اب جہاں نظر جاتی تھی یا تو عیسائی نظر آتے تھے یا وہ مسلمان
جو جبراً عیسائی بنائے گئے تھے لیکن یہ جبری عیسائی بظاہر تو دین
عیسوی کے پیرو تھے لیکن باطن میں اسلام کی عظمت کو لیے ہوئے
تھے وہ چھپ کر نمازیں پڑھتے اور ارکان اسلام کو بجا لاتے تھے
فرڈی نینڈ اگر عقلمند ہوتا تو وہ ہرگز مسلمانوں پر اس قدر ظلم روا نہ رکھتا
اور ان شرائط کی پابندی کرتا جو غرناطہ لیتے وقت مسلمانوں سے
کی تھیں۔ان مظالم کا یہ نتیجہ ہوا کہ حکومت کو ہر وقت بغاوت کا خدشہ لگا
رہتا تھا اور غرناطہ۔قرطبہ۔سیول میں ہمیشہ آگ کے شعلے بلند رہتے
تھے۔عیسائیوں کو اگر کسی شخص کی بابت ذرا بھی شبہ ہوتا تھا تو وہ اس
آگ میں زندہ جلایا جاتا تھا۔ملک میں عام حکم تھا کہ کوئی عیسائی شدہ
مسلمان کسی قسم کا ہتھیار یعنے چاقو تک بھی نہ رکھے +

۱۵۶۸ء میں فلپ ثانی تخت حکومت پر بیٹھا اس کے وقت میں غرناطہ کی بشپ نے ایک فرمان صادر کیا کہ ایکدن کے اندر تمام عیسائی شدہ مسلمان اپنی زبان۔ رسوم۔ اطوار غرضیکہ ہر ایک بات کو ترک کر دیں۔ انصاف چاہیئے کہ عیسائیوں نے کیسی کیسی تکلیفیں ان غریبوں کو پہونچائیں اور اب یہ حکم ان کے واسطے کیسا شدید ترین تھا۔ تنگ آکر ان لوگوں نے پھر بغاوت کی تو عیسائیوں کو پورے طور پر معلوم ہوگیا کہ یہ دل سے نہیں ہوتے اب کیا تھا اس قدر بہانہ شقاوت کرنے کے واسطے کافی تھا۔ چنانچہ ہسپانوی جنرل ڈاں جان نے تین سال کے اندر کل بغاوت کو فرو کر دیا۔ یا دوسرے لفظوں میں کل مسلمانوں کا نام مٹا دیا۔ مرد عورتوں اور بچوں کو بے دریغ تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ گانوں اور شہر لاشوں سے پٹ گئے۔ جن غریبوں نے غاروں میں پناہ لی ان کو دہوئیں سے ہلاک کر دیا۔

۱۶۱۰ء میں فلپ ثالث نے اس سے بڑھ کر ظلم کیا کہ ان لوگوں کو جو مسلمانوں سے ذرا بھی مشابہ تھے جلا وطن کر دیا۔ غرض غرناطہ کی فتح سے لیکر فلپ ثالث کے عہد تک تیس لاکھ آدمی ہسپانیہ سے خارج کئے گئے۔

ہسپانیہ کو مسلمانوں نے گاتھ کی ظلموں سے نجات دلاکر ایک امن و امان کی سلطنت بنا دیا تھا اور وہاں کے باشندوں کو جو عیسائی تھے اسقدر آزادی دی تھی کہ وہ ہر حالت میں مسلمانوں کے برابر تھے۔ علم و تہذیب کو چاروں پھیلا دیا تھا لیکن ان سب باتوں کا بدلہ یہ ملا کہ خود مسلمانوں کا بیخ و بن سے عیسائیوں نے اخراج کر دیا۔ دنیا میں محسن کے سامنے ہر شخص گردن جھکا دیتا ہے لیکن عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ یہ بدلہ احسان کا دیا کہ آگ میں جلایا۔ بچوں کو قتل کیا۔ مسجدوں کو مسمار کر دیا۔ جبراً عیسائی کیا۔ غرض وہ کیا

جو اُن سے ہوسکتا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن اسقدر اور کہنا چاہیئے کہ جب کوئی قوم معبود حقیقی کے احکام کے خلاف کرتی ہے تو ضرور اُسپر غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ ضرور بالضرور ہسپانیہ کے مسلمانوں سے ایسے امور سرزد ہوئے جن کے وجہ سے اُن کا ہلاک کرنا مشیت الٰہی کو منظور ہوا۔ لیکن عیسائی بھی اپنے مظالم کے سبب سے کچھ نفع میں نہیں رہے۔ ہسپانیہ ویران ہوگیا۔ تجارت و حرفت برباد ہوگئے۔ خوبصورت شہر کھنڈر بن گئے عظیم الشان و مرتفع عماتیں مٹی کے ڈھیر نظر آنے لگے۔ باغات جنپر جناں کا دہوکا ہوتا تھا وحوش و طیور کے مسکن ہوگئے جہالت و عیاشی کا دورہ دورہ ہوگیا اور وہی ہسپانیہ جس کا نام دنیا میں آفتاب عالمتاب کی طرح روشن تھا دفعتاً دنیا سے ایسا غائب ہوا گویا کبھی تھا ہی نہیں۔

موجودہ سلطنت اُسی برباد شدہ ہسپانیہ کی یادگار ہے اور احمد زکی نے اُس کی حالت اپنے سفرنامہ میں خود بیان کردی ہے۔ قصر جامع العارف قصر الحمرا ارغناطہ۔ قرطبہ وغیرہ جو عجائبات عالم میں شمار ہوتی تھی اب اُن کے حالت جیسی مبتذل ہے وہ تصویروں سے ظاہر ہے۔ جامع العارف کی صرف ایک بارہ دری رہ گئی ہے اور غرناطہ کی چار دیواری۔ آبادی لاکہوں سے ہزاروں تک محدود ہوگئی ہمیشہ ہے نام اللہ کا ٭

سسلی کے جانیوالو سسلی میں جب گذرنا سونی عمارتوں سے حالت ہماری پوچھو
اور یہ بھی پوچھ لینا اسپین سے جو پلٹو اے گلستان اندلس وہ دن ہیں یاد تجھکو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

محمد شفیع الدین خاں مرادآبادی

جلوۂ دربار دہلی

جو آنکھ سنہ ۱۹۰۳ء میں چشم اکبر سے جلوۂ دربار دہلی دیکھ چکی تھی، وہ اوس تلاش میں تھی کہ سنہ ۱۹۱۱ء کا دربار دہلی بھی اوسی آنکھ سے دیکھے مگر اوس کی یہ حسرت کسی ادبی رسالے سے پوری نہیں ہوئی۔ ناامید ہوکر اوسے الہ آباد جانا پڑا اور وہاں لسان الملک حضرت اکبر کی نظر عنایت سے اسکی یہ آرزو پوری ہوئی اس خیال سے کہ بہت سی مشتاق آنکھیں اس جلوہ کے دیکھنے کی متمنی ہونگی ہم تمدن کے ذریعہ سے اسے پیش کرتے ہیں۔

اس جلوہ کے دو رخ ہیں اور دونوں اپنی نوعیت کے لحاظ سے لاجواب اور فقید المثال ہیں۔ سچ یہ ہے کہ دربار دہلی کے متعلق جس قدر نظمیں ملکی ادبی رسائل میں آجتک شائع ہوئیں وہ جذبات اکبر کا مقابلہ نہیں کرسکتیں یقین نہو تو ملاحظہ فرمائیے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

شاہ دلگیر اکبرآبادی

دیکھ آئے ہم بھی دو دن رہ کے دہلی کی بہار / حکم حاکم سے ہوا تھا اجتماع انتشار

آدمی اور جانور اور گھر مزین اور مشین / پھول اور سبزہ، چمک اور روشنی، ریل اور تار

کیروسین اور برق اور پیٹرولیم اور تارپین / موٹر اور ایروپلین اور جمگھٹے اور قطار

مشرقی تیلوں میں تھی خدمتگذاری کی امنگ / مغربی لوگوں سے شان خودپسندی آشکار

شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ امپرا / زینت و دولت کی دیوی امپرس عالی تبار

بحر ہستی لے رہا تھا بے دریغ انگڑائیاں / ٹیمز کی امواج جمنا سے ہوئی تھیں ہم کنار

انقلابِ دہر کے رنگین نقشے پیش تھے | تھی پئے اہلِ بصیرت شانِ عبرت جلوہ بار
ذرے ویرانوں سے اٹھے تھے تماشا دیکھنے | چشمِ حیرت بن گئی تھی گردشِ لیل و نہار
مصلحت آمیز ہر طرز و طریقِ انتظام | حکمت آگیں ہر ادائے حکمرانِ نامدار
جامہ سے باہر نگاہِ نازشِ احرارِ ہند | حدِ قانونی کے اندر آرزوؤں کی قطار
چرخ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا | فکرِ ذاتی میں خیالِ قوم غائب فی المزار
دعوتیں، انعام، اسپیچیں، قواعد، فوج، کیمپ | عزتیں، خوشیاں، امیدیں، احتیاطیں، اعتبار

پیش رو شاہی تھی ہز ہائنس ہیرِ اہلِ جاہ
بعد اون کے شیخ صاحب ان کے پیچھے خاکسار

لندن سے دہلی آئے ہیں دس یوم کے لیے | یہ زحمتیں اٹھائیں فقط قوم کے لیے
دیکھو حضور جارج ہیں کیسے خدا پرست | گرجا میں سر جھکا ہے دسمبر ہو یا اگست
رکھتا نہیں نماز سے تو اپنے دل کو گرم | اے مدعیِ دینِ خدا شرم! شرم! اف!
بابو گریجوایٹ ہیں تو کمائی کیا تے ہیں | اک آپ ہیں کہ ہوٹلوں ہی کے ساتھی ہیں
پڑھتا رہا ہو طاعت و مسجد سے یوں ہی بیر | کچھ ناک میں ملیں گے تو کچھ ہوں گے جز و غیر
سب کہتے ہو تم جو بھی تو اونہیں آتی ہے ہنسی | [illegible]
دی کا پتہ کہاں ہے وہ کتنے ہیں کون ہیں | مرکز سے ہیں جدا نہ سوا ... یونین ہیں
آنر کے ساتھ نامِ گرامی بھی لکھ گیا | لیکن اوس کے ساتھ خطِ غلامی بھی لکھ گیا
موقع کا ہے خیال نہ اب کانشنس ہے | ارشاد ہو غلط بھی تو اسکا ڈیفنس ہے
ارشادِ لاجواب تو قرآن ہی کا ہے | قانونِ بے مثال تو رحمٰن ہی کا ہے
وقعت تمہاری شاہ کی منزل میں کچھ نہیں | کاغذ پہ اعتراف مگر دل میں کچھ نہیں
نقلی کمیٹیوں میں نہ دل ہے نہ دین ہے | یہ پانیر ٹرپی کی فقط اک مشین ہے
اک دل لگی ہے کانگرس ہو یا کہ لیگ ہو | ذاتی ہے اک نمود جو کوئی علیگ ہو

طاعت ہے نیکیاں ہیں تو نیکی سے غرض ہیں | شبہے کی کوئی بات نہیں اس اصول میں
وحدت مگر محال ہے مسجد کو چھوڑ کر | ممکن نہیں کہ پاسکے پھل جڑ کو توڑ کر
اک برگ گل کہیگا کہ ہم گل کے جزو ہیں | تم خود کو کیا کہو گے کہ کس کل کے جزو ہیں
لاٹھی بھلی ملی ہوا گر اوس کی رگ سے رگ | بے کار توپ جس کے ہوں پرزے الگ الگ
پھل پھول تیریوں پہ ہے تیری نظر نثار | جڑ پر نظر نہیں ہے کہ جسکی ہے سب بہار
گھر چھوڑ چھاڑ کر جو بغل چاپ بن گئے | کانٹوں میں اب بیٹھو کہ تم چاپ بن گئے
مانوں گا میں یہ بات کہ مجبوریاں بھی ہیں | پر بالارادہ دین سے کچھ دوریاں بھی ہیں
کلفت اسکی مجھکو ہے ہر آن و ہر نفس | لاکھوں کی سدِراہ ہے دس بیس کی ہوس
گو اپنے ساتھ آپ کا ہر آنہ ئے گیا | اکبر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا

عاصی ہوں میں فقط یہ تقاضائے شوز ہے
یاروں سے التجائے پلیز ایکسکیوز ہے

ے بیوز یعنی کی دیوی جسکو ہمارے شاعر روح القدس کہتے ہیں - ۱۲ دلگیر

~~~~~~~~

یاسمین - پروفیسر میرزا محمد سعید صاحب ایم - اے مصنف خواب ہستی کا دوسرا ناول اور تمدن ایجنسی کی پہلی کتاب جس کے واسطے عرصہ سے لوگ بے چین تھے چھپکر تیار ہو گئی اس کتاب میں قابل مصنف نے بنگالہ کی ایک نازنین یاسمین کا واقعہ اس قدر دلچسپ اور پرلطف لکھا ہے کہ بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے قابل مصنف کا اسم گرامی بتا سکتا ہے کہ کتاب کسی پایہ کی ہوگی قیمت ایک روپیہ (عہ)

منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجئے
~~~~~~~~

فلسفۂ بصر

قوۃ باصرہ کی نسبت حکماے یونان کا قول ہے کہ مقدم دماغ میں دو عصبے اس قوۃ کے حامل ہیں ان میں سے ایک عصبہ مقدم دماغ کے جانب یمین سے نکلتا ہے اور دوسرا جانب یسار سے دونوں آگے چل کر بطور تقاطع صلیبی کے متحد ہو کر متفرق ہو جاتے ہیں اور داہنی طرف کی نلکی (عصبہ) داہنی آنکھ سے اور بائیں جانب کی بائیں آنکھ سے ملحق ہو جاتی ہے۔ جس جگہہ یہ دونوں عصبے ملتے ہیں اوس جگہہ کو حکما کی اصطلاح میں مجمع النورین سے تعبیر کرتے ہیں۔

قوت باصرہ کے وجود کے متعلق تو تمام حکما کا اتفاق ہے لیکن طریق ابصار (دیکھنے) میں قریب قریب سب کی رائیں جدا جدا ہیں اور کثرت اختلاف سے یہ مسئلہ اسقدر اہم ہو گیا ہے کہ کسی خاص مذہب کی نسبت کسی قسم کا فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے اور اسی وجہ سے عامۂ فلاسفہ کا مطمح نظر رہا اور ہر ایک نے اپنے خیال کے موافق بحث کی ہے با ایں ہمہ اسوقت تک اسکی گتھی نہ سلجھی اور جو جو دشواریاں پہلے ہر ہر قدم پر سنگ راہ ہوتی تھیں وہی اب بھی موجود ہیں۔

اس موجودہ زمانہ میں بھی جبکہ سائنس کے ناطق فیصلوں نے اکثر مسائل فلسفہ کے اختلافات مٹا دئے ہیں اور اس مسئلہ کے متعلق بھی چند خاص اصول مان لیے گئے ہیں تاہم اگر غائر نظر سے کام لیا جائے تو اب بھی اس مسئلہ کی حالت عہد پارینہ کی طرح پیچیدہ ملیگی۔

کثرت اختلاف نے اس بحث کے متعلق بہت سے مذاہب پیدا کر دئے ہیں جنکی نسبت بادی النظر میں صحیح ہونے کا شبہہ ہوتا ہے مگر جو فروغ ذیل کے مذہبوں کو

ہمارے اوقات تک تین مذہب مذکور ہیں۔

۱ منطبعین کا مذہب

۲ ریاضیین کا مذہب۔

۳ شیخ الاشراق کا مذہب۔

پہلا مذہب ارسطو اور دیگر متقدمین کا ہے اون کا خیال ہے کہ آنکھ کے سات طبقے اور تین رطوبتیں اس ترتیب سے ہیں۔

۱	طبقہ صلبیہ	۲	طبقہ مشیمیہ
۳	طبقہ شبکیہ	۴	رطوبت زجاجیہ
۵	رطوبت جلیدیہ	۶	طبقہ عنکبوتیہ
۷	رطوبت بیضیہ	۸	طبقہ عنبیہ
۹	طبقہ قرنیہ	۱۰	طبقہ ملتحمہ

جب آدمی یا کوئی دوسرا ذی روح کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اوسکی شبیح (ہیئت کذائی) رطوبت جلیدیہ کے ایک منجمد نورانی جزو میں ہوائے شفاف کے ذریعہ سے مرتسم ہوتی ہے اور وہاں سے منتقل ہوکر مجمع النورین سے گزرتی ہوئی حس مشترک میں نفس کے سامنے اس غرض سے پہونچتی ہے کہ نفس اوسکا ادراک کرلے۔

منطبعین پر انطباع مرئی کے قائل ہو جانیسے اعتراض ہوتا تھا کہ علم البصر کا مسئلہ ہے کہ دونوں آنکھوں میں سات سات طبقے اور تین تین رطوبتیں ہیں اسلیے ہر ایک مرئی کی دو صورتیں دونو جلیدیوں میں مرتسم ہوکر جب نفس کے سامنے پہونچینگی تو اونکا ادراک بھی متعدد ہوگا۔ اس قاعدہ کے اعتبار سے ہر شخص کو ایک مرئی کا دو نظر آنا ضروری ہوا۔

اسی لیے ارسطو کے پیروؤں نے اس اعتراض سے بچنے کے لیے اپنے دعوے کے ساتھ اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے کے لیے صرف اوسکی صورت کا مرتسم ہو جانا کافی نہیں بلکہ مری کی دونوں صورتیں مجمع النورین میں متحد ہو کر حس مشترک میں جاتی ہیں تاکہ نفس کو ایک چیز کا ایک حالت میں ایک ہی ادراک ہو۔

مگر فہم سلیم کب اسکو تسلیم کر سکتا ہے کیونکہ اس حالت میں ایک یہہ سوال ہوتا ہے کہ مجمع النورین میں جلیدتین سے منتقل ہو کر آنے والی صورتوں کا اتحاد کیونکر ہوگا۔

میرے خیال میں غالباً اس کے دو طریقے ہیں:-

(۱) دونوں صورتوں میں تداخل ہو جائے +
(۲) دونوں صورتیں آپس میں ٹکرانے سے منکسر ہو کر پھر متحد ہو جائیں

یہ بالکل مسلم ہے کہ جو صورتیں ذہن میں داخل ہوتی ہیں اونکو خارجی صورتوں سے گونہ تعلق ہوتا ہے بلکہ یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ صورۃ ذہنیہ صورت خارجیہ کا فوٹو ہوتی ہے۔

تداخل دو مجرد چیزوں میں کچھ دیر کے لیے درست فرض کر لیا جائے لیکن صورت ذہنیہ میں تداخل ماننے سے بہت سی مشکلات سدراہ ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دونوں جلیدیوں میں جو صورتیں منطبع ہوتی ہیں وہ طولاً اور عرضاً مساوی ہوا کرتی ہیں۔ اور یہ بھی بالکل درست ہے کہ جو صورت جلیدیہ سے منتقل ہو کر نفس کے سامنے پہونچتی ہے وہ جلیدیہ کی صورت منطبعہ کے بالکل موافق ہوتی ہے۔

اگر ہم یہ فرض کریں کہ ایک ہی صورت اور اک نفس کر کافی تھیں سکتی ہے

توہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ اگر ایک آنکھ بند کرکے ہم کسی چیز کو دیکھیں تو وہ
اصل مقدار سے چھوٹی نظر آئے +

اسیطرح اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ جو شے ایک آنکھ سے دیکھنے میں
اپنی اصلی مقدار میں دکھائی دیتی ہے وہ دوسرے جلیدیہ کی منطبعہ صورت
کی معاونت سے اصل مقدار سے بڑی نظر آئے۔

جب اسکا فیصلہ ہوگیا کہ صورت ہر حالت میں اپنی اصلی مقدار سے
کم و بیش نہیں ہوسکتی تو وہی سوال پیدا ہوتا ہے جسے ہم پہلے ذکر کر چکے
ہیں کہ اُن دونوں صورتوں کے اتحاد کی کیا سبیل ہوگی جو جلیدیتین
سے منتقل ہو کر مجمع النورین میں پہونچتے ہیں۔

تداخل ماننے میں یہ لازمی بلکہ بدیہی طور پر ثابت ہوگا کہ تداخل ہوجانے
پر متداخل فیہ کا حجم اپنی اصلی مقدار سے بڑھ جائے کیونکہ اوسی مقدار
کی ایک چیز اوس کے حجم میں سما چکی ہے حالانکہ یہ ہمارے مشاہدہ کے
بالکل خلاف ہے اس لیے کہ جس منظر کا ہم ایک آنکھ سے طولاً و عرضاً
اندازہ کرسکتے ہیں اوس میں تداخل ماننے پر بھی کچھ اضافہ نہیں ہوتا
اور جو چیز ایک آنکھ سے دیکھنے پر جتنی بڑی نظر آتی تھی دونوں آنکھوں
سے دیکھنے پر بھی اوتنی ہی دکھائی دیتی ہے +

تکاسر کی حالت میں جو صورت نفس کے سامنے پہونچیگی وہ جلیدیہ
کی مرتسمہ صورت نہ ہوگی کیونکہ وہ صورتیں مجمع النورین میں ٹوٹ پھوٹ
کر ایک نئی صورت بن گئی ہیں۔

منطبعین نے اپنے دعوے پر حسب ذیل استدلالات سے کام لیا ہے
پہلا استدلال یہ ہے کہ تم کو اتفاق ہوا ہوگا کہ جب تم نے آفتاب کے منور چہرے کو

دیر تک دیکھنے کے بعد اوسکی پرنور شعاعوں کی حدت کے مقابلہ سے عاجز ہوکر آنکھیں بند کرلیں تو تمھیں یہی محسوس ہوا ہوگا کہ ہم آفتاب کے چمکیلے چہرے کی تب بھی زیارت کر رہے ہیں۔ اسی طرح جب سبز رنگ والی چیز یا کسی اور قسم کی رنگین شے دیر تک بغور دیکھنے کے بعد آنکھ بند کی ہوگی تب بھی تمھیں سبز رنگ یا سبزی مائل اور کوئی سا رنگ دکھائی دیتا رہا ہوگا

آنکھ بند کرلینے کے بعد جبکہ شعاع بصری کا سلسلہ بھی منقطع ہو چکا ہو کسی ایسی چیز کا نظر آنا جو دیکھی ہوئی چیز سے بالکل ملتی جلتی ہو اسکی دلیل ہے کہ وہ صورت تمھارے جلیدیہ میں مرتسم ہوئی تھی جسکا ادراک ابتک نفس کر رہا ہے ؎۱

؎ مناقشین اسکا جواب دیتے ہوے رقم طراز ہیں کہ تم جس رنگ یا آفتاب کی صورت آنکھ بند کرلینے کے بعد بھی دیکھتے ہو وہ باصرہ سے زائل ہوکر خیال میں پہونچ جاتی ہے تمھیں مشاہدہ کا اسلیے دھوکا ہوتا ہے کہ نفس کی توجہ اوس مرئی سے ابھی ابھی زائل ہوئی ہے۔

منطبعین نے اسکا ایک نہایت عامیانہ جواب دیتے ہوے تخیل اور مشاہدہ میں فرق محسوس کرانے کی کوشش کی ہے لیکن اونھوں نے ابھی اسطرف توجہ نہیں کی کہ مشاہدہ کے شرائط کیا ہیں اور اس صورت میں کن کن شرطوں کو ہم دکھلا سکتے ہیں۔ مشاہدہ کی سب سے بڑی شرط یہ ہے

۱ رائی اور مرئی میں مقابلہ ہو

۲ دونوں کے درمیان میں کوئی حجاب نہو

حالت اغماض میں گو پہلی شرط پائی جا سکتی ہے لیکن دوسری شرط نہیں پائی جاتی۔ پلکیں ایسی حاجب ہیں جو اپنے نہایت باریک اور نرم پردہ ہونے پر بھی آنکھوں کو دنیا کے دلچسپ مناظر سے محروم کر دیتی ہیں۔

مناقشین کے ایک گروہ نے اس استدلال کا ایک اور بھی جواب دیا ہے جو پہلے جواب سے بھی قوی ہے کہ جس صورت کو تم حالت اغماض میں مشاہدہ کرتے ہو وہ حس مشترک میں نفس کے سامنے

دوسرا استدلال } جب مرئی آنکھوں سے بہت ہی قریب ہو جاتی ہے تو وہ اپنی اصلی حالت پر اسلئے نہیں دکھائی دیتی کہ آنکھ سے جو مخروطی شکل میں ایک نورانی و وہمی زاویہ نکلتا ہے اور جسکا سرا جلیدیہ سے اور قاعدہ مرئی سے ملحق ہوتا ہے اوسکی ساقیں زیادہ قریب ہونیکے سبب سے بہت چھوٹی ہو جاتی ہیں اور زاویہ موٹا ہوتا جاتا ہے چنانچہ چھوٹی چیزیں تو نظر ہی نہیں آتیں اسی طرح جب مرئی بہت زیادہ فاصلہ پر ہوتی ہے تو اپنی اصل مقدار سے چھوٹی نظر آتی ہے کیونکہ زاویہ ساقوں کے بڑھ جانے سے چھوٹا پڑجاتا ہے چنانچہ مرئی کی صورت چھوٹے زاویہ میں مرتسم ہونے سے چھوٹی نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب مرئی حد اعتدال سے زیادہ فاصلہ پر ہوتی ہے تو وہ نقطہ کی شکل میں نظر آتی ہے اور اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہوتا ہے تو مرئی کی شکل جو اسوقت نقطہ نظر آرہی ہے بالکل نگاہوں سے پنہاں ہوتی جاتی ہے [۱]

تیسرا استدلال۔ } یہ تو بالکل مسلم ہے کہ اور حواس ظاہرہ کی طرح قوت باصرہ بھی ایک حاسہ ہے انسان یا کوئی دوسرا ذی روح جسطرح اور حواس سے مستغنی نہیں ہوسکتا اسی طرح باصرہ سے بھی بے پروائی نہیں کرسکتا۔ اور جس طرح اور حاسوں سے

[۱] یہ استدلال اوسوقت قائم رہ سکتا ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ مرئی کے انطباع صورت کے ذریعہ زاویہ کی ساقیں ہیں اور اگر صورت کا ذریعہ ساقوں کا قاعدہ قرار دیا جائے تو یہ استدلال کمزور پڑجاتا ہے۔

مناقشین اس استدلال کی تردید میں کہتے ہیں کہ پہلی صورت میں منطبعین اس دلیل پر ناز نہیں کرسکتے کیونکہ ریاضیین جو خروج شعاع کے قائل ہیں اسی قسم کے استدلال ان سے پہلے پیش کرچکے ہیں اس سے بھی قطع نظر کر لیجئے تو یہ بات ظاہر ہے کہ پہاڑ کی صورت چھوٹے سے زاویہ میں مرتسم ہو جاتی ہے جو منطبعین کے اس استدلال کے بالکل منافی ہے۔

کوی چیز نکل کر محسوس تک نہیں پہونچتی ہے جو اوس سے متصل ہوکر ذریعۂ
احساس بن سکے بلکہ محسوس خود حاسّہ تک پہونچ کر مل جاتا ہے اسیطرح
آنکھہ سے بھی کوئی چیز خارج نہیں ہوتی - بلکہ مرئی کی صورت جلیدیہ میں خود آکر مرتسم ہو جاتی ہے - سلہ

چوتھا استدلال ؛ جب آئینہ کے سامنے کوئی کثیف ملون جسم آجاتا ہے تو اوس کی صورت آئینہ میں اسوجہہ سے مرتسم ہو جاتی ہے کہ آئینہ ایک نورانی اور صاف جسم ہے اسی سے
ملتے جلتے اور بہت سے مشاہدے اون برتنوں اور اسباب کے متعلق ہونگے جو آئینہ
کیطرح یا اوس سے کچھہ کم روشنی رکھتے ہونگے آنکھ بھی ایک نورانی اور روشن جسم ہے
آنکھ کے نورانی جسم ہونے کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہوکر
آنکھیں ملتا ہے تو اوسے ظلمت میں روشنی اسوجہہ سے محسوس ہوتی ہے کہ
اوسکی آنکھیں نور سے لبریز ہوتی ہیں کیونکہ عصبیں کی تجویف کا اقتضا ہے کہ
اونمیں دماغ سے نور نازل ہوا کرے جب اوسکے مقابلہ میں کوئی کثیف ملون
جسم آتا ہے تو اوسکی صورت آنکھوں میں مرتسم ہو جاتی ہے - سلہ

سلہ یہ استدلال بھی یہہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ باصرہ کو اور حواس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے - گو حواس بحیثیت قوت لامسہ ہونے کے ایک ہی نوع کے چند افراد ہیں لیکن ہر ایک کی خصوصیں بالکل جداگانہ ہیں -

قوت لامسہ اوسوقت تک ادراک نہیں کر سکتی جب تک کوئی چیز سطح جسم سے نہ چھو جائے اسی طرح شامہ بھی اوسوقت تک نفس کو مسرور نہیں کر سکتی جبتک کہ خوشبو سے مخلوط ہوا اوس قوت تک نہ پہونچے -

سلہ اسکی تردید میں مناقشین کہتے ہیں کہ جسطرح آئینہ کے سامنے کسی کثیف جسم کے آنیسے صرف انطباع صورت ہو جاتا ہے اوسیطرح اوس محاذاۃ سے جو جسم نورانی او جسم کثیف میں

پانچواں استدلال } ممرورین (جنکو میلیے کا مرض ہوتا ہے) ایسی صورتونکا مشاہدہ کرتے ہیں جو وجود خارجی سے تعلق نہیں رکھتیں - یہ تو بالکل غیر ممکن ہے کہ بیداری میں بھی کوالف کی کسی مثال صورت کا مشاہدہ کریں - اسی طرح خیال سے بھی کسی صورت کو حس مشترک میں لانیکے لیے نفس کی توجہ درکار ہوتی ہے یہ بھی مسلم ہے کہ ابصار اون چیزوں سے متعلق ہوگا جنکا خارجی وجود بھی ہو چونکہ ممرورین کو اس قسم کی صورت نہیں دکھائی دیتی لہذا مسئلہ اخیرہ کی موافق ہمیں ممرور کے ابصار کو قائم رکھنے کیلیے اس امر کا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ جن صورتونکو وہ دیکھ رہا ہے وہ اوسکی جلیدیہ کی منطبعہ صورتیں ہیں -

دوسرا مذہب افلاطون اور اسکے پیرؤوں کا ہے اونکے خیال میں جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھ سے ایک جسم مخروطی شکل میں نکلنے کے بعد ممتد ہو کر مبصر (جسکو دیکھتے ہیں) کے سامنے والی سطح سے متصل ہو جاتا ہے اور اوسکا قاعدہ مبصر کی اسی سطح سے ملتا ہے - اسی جسم مخروطی کی ذریعہ سے جو شکلیں حس مشترک میں حاصل ہوتی ہیں نفس اونکا ادراک کرتا ہی - باقی آئندہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۵۷ - واقع ہو صرف ارتسام صورت کا ثبوت ہو سکتا ہے - مگر یہ ارتسام ابصار کے لیے دلیل نہیں ہو سکتا تاہم یہ اعتراض سطحی ہے کیونکہ منطبعین کا مسلمہ مسئلہ ہی کہ انطباع کی وجہ سے ابصار ہوا کرتا ہے اور یہاں بحث یہ ہے کہ ابصار کا طریقہ کیا ہے ۱۲ -

تصویر ارشد

(مصنف حسن تخیل کے نام پر یہ نظم ڈیڈیکیٹ کی جاتی ہے)

دم فکر سخن یہ شاعرانہ تیری خاموشی
تلاش شاہد مضموں میں تنی خود فراموشی

زمانے میں تجھے حاصل فراغ جاودانی ہے
کہ نکر شعر میں وقف تخیل زندگانی ہے

تری تصویر میں انداز ہے نازک خیالی کا
خموشی ہے ہوتا ہے دوست گویا خوش مقالی کا

جبیں پر یہ شکن جس سے عیاں شان تخیل ہے
کہ تو اسوقت فکر شعر میں محو تامل ہے

فنا فی الشعر ہو کر تو نے وہ اسرار پائے ہیں
کہ جنکے درک سے اب فلسفی بھی عاجز آئے ہیں

تری ہر نظم جو گلدستہ ہے گلہائے رنگیں کا
دل درد آشنا کے واسطے موجب ہے تسکیں کا

ترے افکار ہیں ذوق سخندانی سے آلودہ
ترے اشعار ہیں جذبات نہانی سے آلودہ

عطا کی جو تجھے معجز کلامی فیض قدرت نے
نہ چھوڑی فکرت عالی میں خامی فیض قدرت نے

تجھے جذبات دلہائے بشر کی حس عنایت کی
عیاں ہیں نہ بیاں نکتۂ سخن ہے جب عنایت کی

مزاج شاعرانہ میں جنونکی استواری ہے
کہ گلگشت چمن سے تجھکو سیر دشت پیاری ہے

جوانی کا زمانہ تو نہ تھا صحرا نوردی کا
ہوا شوق نہاں لیکن سبب آوارہ گردی کا

تجھے شوق سخن گوئی یہاں لایا جنوں بنکر
اثر تجھ پر کیا جوش تخیل نے فسوں بنکر

جو دشت پر شجر میں تخلیہ پایا تفکر نے
بساط شاعری پر جلوہ دکھلایا تفکر نے

نظر آتا ہے تو مدت کا پامال جفا ارشد
تبسم سے بھی تیرے لب نہیں ہیں آشنا ارشد

تیری چشم کشادہ آئینہ ہے دل کی حیرت کا
کوئی نکتہ نظر آیا ہے کیا اعجاز قدرت کا

یہ بگڑی مانگ سر کی نقشہ چاک گریباں ہے
شبیہ اضطراب قلب ہے موی پریشاں ہے

کھلی صدری تو پردہ کھل گیا سینے کی ہر کن کا
ترا چاک جگر ہے معجزہ ایک شوخ چرخ جنوں کا

لگی ہی چوٹ شاید دل میں عشقِ حسنِ جاناں کی　　خبر دیتی ہے ہر اک نظم تیری سوزِ پنہاں کی
کلامِ نظم میں تیرے وہ دریا کی روانی ہے　　کہ آبِ تیغ بھی شرمندگی سے پانی پانی ہے
زمینِ شعر میں گلریز کلکِ خوش رقم تیرا　　طراوت خیز باغِ خوش بیانی میں قلم تیرا
بوقتِ شعر خوانی تیرے لب سے پھول جھڑتے ہیں　　جوانانِ چمن سن سنکے سنتے ہیں اکڑتے ہیں
زبانِ گلفشاں تیری ہوئی صرفِ سخن گوئی　　کہ گلشن میں ترنم ریز ہے مرغِ چمن کوئی
ترا مجموعۂ اشعار ہے یا نظمِ پروین ہے　　زمینِ شعر پر اک گلشنِ گلہائے تزئین ہے
خدایا یہ دعائے محوی ناشاد بر آئے　　کلامِ نظم تیرا ملک میں مشہور ہو جائے
ثمر تو خدمتِ علم ادب کا پائے دنیا میں　　قبولِ عام حاصل ہو اسے ادنیٰ و اعلیٰ میں
دلِ دشمن میں کھٹکے مصرعۂ موزوں سناں ہو کر　　احبا میں بٹیں اشعار تیرے ارمغاں ہو کر
بہارِ دائمی تیری تمناؤں کو حاصل ہو　　نہ پامالِ خزاں گلزارِ ہستی میں ترا دل ہو

مبارک ہو فراغِ ظاہرِ عزلت گزیں تجھکو
بساطِ عزت و تمکیں ہو صحرا کی زمیں تجھکو

محمد حسین محوی، لکھنوی عفی عنہ

انتقام

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

انتقام ایک قسم کا وحشیانہ انصاف ہے کہ جسکی طرف طبیعت کا رجحان فطری طور پر ہوتا ہے مگر جس قدر زیادہ طبیعت اوس کی طرف رغبت ظاہر کرے اوسی قدر اوس کے دور کرنے کی کوشش کرنا انسان کا فرض منصبی ہے۔ انتقام لینے میں ضروری ایک شخص اپنے مخالف سے برابری کا دعوی کرتا ہے لیکن عفو گناہ انتقام لینے سے بہتر اور افضل طریقہ ہے۔ "در عفو لذت است کہ در انتقام نیست" ترحم ایک خصلت باری تعالی ہے۔ اور حکمران وقت کے واسطے ایک لازمی اور ضروری شے یہ ایک ایسی خصلت ہے کہ اس کی سب کو ضرورت ہے۔ اور ہر فرد بشر کو اس خصلت کی ترقی دینے کی کوشش کرنی ضروری ہے۔

زمانہ ماضی کو زمانہ حال میں تبدیل کرنا معلوم پس جو باتیں کہ ایکمرتبہ واقعات کی صورت پکڑ چکیں اونکو دوبارہ صفحہ ہستی پر لانا ناممکن الوقوع اس لیے گذشتہ باتوں کی فکر میں مستغرق رہنا عقلمندی سے بعید ہوا۔ "آنزا کہ عقل بیش غم روزگار بیش" عقلمند کے واسطے تو موجودہ باتیں ہی اسقدر کافی ہیں کہ اوسکو گذشتہ کا خیال کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔ چہ جائیکہ وہ اپنا عزیز وقت انتقام لینے میں صرف کرے

اور موجودہ کو چھوڑ کر گذشتہ کے فکر میں مصروف ہو۔

ایسے لوگ شاذ نکلیں گے جو ایذا رسانی محض اسوجہ سے کرتے ہوں کہ اونکو ایذا رسانی سے محبت ہے یا اونکو اوسکا شوق ہے۔ مشاہدہ اسبات کا شاہد ہے کہ اکثر ایسی ایذا رسانی کا باعث فاعل کے ذاتی نفع پر مبنی ہوتا ہے۔ اور چونکہ ہر شخص اپنی فلاحیت کے واسطے ہر قسم کے کام کرنے پر آزاد ہے اس لیے انتقام کے بجائے ہمیں اُسکو معاف کردینے میں کسی قسم کے تردد کا موقع نہیں۔ اصل تو یہ ہے کہ ہم کو اُن لوگوں سے بھی کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں جو ایذا رسانی محض اوس کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ ایک خاردار جھاڑی کی مثل ہیں۔ جو سوائے کانٹے چبھونے کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔

انتقام کی صرف ایک ہی صورت ایسی ہے کہ جس حالت میں وہ جائز سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی اوس امر کا انتقام لینا جس کے واسطے قانون سے کوئی چارہ کار نہ ہو۔ لیکن ایسی حالت میں بھی سخت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ انتقام لیتے وقت کہیں حدود قانون سے باہر قدم رکھنے کی نوبت نہ پہنچ جائے ایسی حالت میں مخالف کو دوبارہ ہمپر فوج کشی کرنے کا موقع مل جاوے گا۔ اور ہم کو صرف ایکدفعہ انتقام لینے کی وجہ سے دو دفعہ نقصان اٹھانا پڑیگا بعض لوگ جب وہ انتقام لیتے ہیں تو اوس کا باعث اور فاعل کے ظاہر کردینے میں کسی قسم کا نقصان نہیں سمجھتے اس قسم کا انتقام اوس انتقام سے بدرجہا بہتر ہے کہ جسکی بدولت ایک شخص کو نقصان پہنچے مگر اوس کو انتقام کی وجہ اور مرتکب فعل کا علم نہ ہو۔

ترجمہ از لارڈ بیکن

عبدالحبیب خاں۔ طالب علم۔ بی۔ اے۔ کلاس

خمسہ نواب ضیغم جنگ بہادر حیدرآبادی شاگرد میر انیس مرحوم لکھنوی - بر ترانہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم اے پی ایچ ڈی -

نام محمدؐ ہی تھا ورد زباں ہمارا تکبیر کا تھا نعرہ تا آسماں ہمارا
قبضہ ہے سب جہاں پر اب تک عیاں ہمارا چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اے ارض پاک یثرب حق رکھے شاد تجھکو کہتے تھے ہم مجاہد دار الجہاد تجھکو
ہر فتح کی خبر ہے سب سے زیادہ تجھکو اے گلستان اندلس وہ دن ہے یاد تجھکو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

تو جانتا ہے بغداد اسلام کے حشم کو گاڑا ہے غازیوں نے یہاں دین کے علم کو
لغزش زمیں پہ اب تک ہے کفر کے قدم کو اے موج دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہمکو
اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

ہر جنگ میں ہوئی جب فتح رسول باری تکبیریں کہتے تھے ہم جلتے تھے سب کے ناری
تھے کوہ دشت لرزاں ملتی تھی سنگ باری مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

اے کردگار تیری وحدت پہ کٹ مرے ہم یا مصطفےٰ تمہاری نصرت پہ کٹ مرے ہم
اے دین پر الست تیری عظمت پہ کٹ مرے ہم اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم

ہے خوں تری رگوں میں اب تک رواں ہمارا

شیروں کا شیر پیکر ہم پہلواں ہوئے ہیں سرکر کے جنگ لاکھوں شمشیر زیاں ہوئے ہیں

مشہور ہم سپاہی تا آسماں ہوئے ہیں تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں

خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

کرتے ہیں چشم دل سے قدرت کے ہم نظارے ہے نقش لا الہ الا اللہ دل پہ سارے

بگڑے کسی سے کیا وہ جسکو خدا سنوارے توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

ممکن نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

اے چرخ سفلہ پرور دل سے ہیں اہل دیں ہم کرتے ہیں سیف سے صاف سب کفر کی زمیں کم

حق حق نکیوں ہو لب پر ہیں صاحب یقیں ہم باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم

سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

وہ ارض پاک بطحا جس پر بنا ہے کعبہ تعمیر سب سے پہلے جس کا شرف ہے اعلیٰ

ساجد ہیں ہم اُس کے سب ہیں مسجود وہ ہمارا دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

ہم اوس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

احمد سا شاہِ عالم ہے چارہ ساز اپنا طوفاں میں کس طرح پھر آئے جہاز اپنا

ہے قافلہ میں یہ غل با فخر و ناز اپنا سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا

اِس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

آئیگا جب جہاں میں مہدی دیں ہمارا اسلام کی حکومت بر بادگستر ہوگا

سب دیں کے قافلہ کو ہے انتظار اُسکا اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

مُرسِلہ

"سیّد یاور حسین"

سیمُونہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

قمری مہینہ کی چودیں تاریخ پورنماشی کا چاند سطح آسمان پر اٹھکیلیاں کر رہا تھا رات پہلا پہر ختم کر چکی تھی اور ساحل طرابلس پر ایک عالم سنسان طاری تھا ہوا سمندر کی لہروں کو چھوچھو کر زیتون کے تیونکو سرسرا رہی تھی اور دو حرماں نصیب اس سناٹے میں اپنی قسمت کا فیصلہ اسطرح کر رہے تھے۔

الیسٹن:۔ مہ جبین سیمونہ مجھے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ تم اس طرح دیسے بدل جاؤگی اور میری تمام عمر کی جان نثاری اور محبت کا یہ پھل ملے گا کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں تم ایسی بری طرح مجھکو جھڑک دو "

سیمونہ:۔ یقیناً تم ایسا کہنے میں بے ایمان ہو حسن پاشا کی ایک رات نہیں بلکہ چند گھنٹوں کی صحبت نے مجھکو یقین دلا دیا کہ مذہب اسلام کی تلقین بہترین ہے تم یقین کرو کہ حسن پاشا میرا محسن ہے اور اگر اس کو ذرہ بھر تکلیف پونہچی تو اس کا روحانی صدمہ مجھکو ہوگا تمہارا یہ خیال محض غلط ہے حسن پاشا کو میری محبت مطلق نہیں اس نے جو کچھ کیا محض انسانیت کا فرض سمجھکر"

الیسٹن:۔ شہزادی! کورٹ مارشل پر اگر تم نے اثر ڈالنا چاہا تو جو شخص سب سے پہلے تمہاری مخالفت کرے گا اور تمہاری تمام خواہشوں کو خاک میں ملا دیگا۔ وہ وہ ہوگا جو آجتک تمہارا فرمانبردار و جان نثار رہا احسان کا بدلہ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ تم اس کے ورثا کو خوش کر دو لیکن ایک ایسا ظالم مسلمان جو میجر گیلیس جیسے جری کا قاتل ہو ہرگز بچ نہیں سکتا۔

سیمونہ ’’ گیلفس جیسے بدمعاش کا نام لیکر تم نے میرے بدن میں آگ لگا دی تم ہرگز بات کرنے کے قابل نہیں ہو بہتر ہوگا کہ فوراً میرے سامنے سے دور ہو جاؤ ‘‘

اتنا کہکر سیمونہ آپے سے باہر ہو گئی کمر سے خنجر نکالا اور دیوانہ وار ایلسٹن کی طرف لپکی اگر ایلسٹن مزاج شناس نہ ہوتا تو یقیناً سیمونہ اس کا کام تمام کر دیتی تاہم اس کشمکش میں ایلسٹن کے داہنے ہاتھہ کے ساتھہ گل اندام سیمونہ کا بایاں رخسار بھی زخمی ہوا۔

(۷)

ساحل کے متصل طرابلس کے اس ہولناک میدان میں جس نے ہزارہا اپاہج ضعیف عربوں کی زندگی کا خاتمہ کیا جہاں ہزاروں دودھ پیتے معصوم ماؤں کے کلیجہ سے چھڑا کے سنگینوں کی باڑھ پر چڑھا دیے گئے دو رویہ مسلح پلٹنیں کھڑی ہیں اور جنرل میگیالی انکا کمان افسر نہایت ذوق و شوق سے ایطالیہ کے کیمپ کی طرف نظر دوڑا رہا ہے کہ پچاس ایطالی نوجوان ننگی تلواروں کے پہرہ میں حسن پاشا کو لیکر سامنے آئے قیدی کے چہرہ پر استقلال کے آثار نمایاں تھے اور گو موت اس سے بہت ہی قریب تھی تاہم اطمینان کا مینہ اس کے منہ پر برس رہا تھا۔ وہ ہنستا ہوا میدان میں آیا اور بآواز بلند کہا

’’ یک تن و احمد کو ہیجان کرنے کے واسطے یہہ انتظام ‘‘

جنرل میگیالی ’’ حسن پاشا آپ کو معلوم ہے کہ میجر گیلفس کے قتل کا الزام آپ پر ثابت ہو گیا اور گو آپ نے شہزادی صاحبہ کی عفت و عصمت اور جان کے بچانے کیواسطے یہ قتل کیا تاہم آپ چونکہ خود یورپین ہیں

یورپ کے ایمان کا اندازہ کر سکتے ہیں آپ کے واسطے حکم ہوا ہے کہ آپ
گولی مار دیے جائیں کیا آپ کو کوئی وصیت کرنی ہے۔
حسن پاشا۔ بنغازی (درنا طرابلس) میں آپ کی ہمسری فوج کا جو کچھ حشر ہوا
دنیا کو روشن ہے، کیا یہ ممکن تھا کہ حسن پاشا زندہ آپ کے ہاتھوں
گرفتار ہو جاتا، کیا آپ یہ سمجھتے ہیں، کہ میں ایک عیسائی عورت کے
دھوکے میں آ کر یہاں پونہچ گیا وہ میرے عقیدہ کے بموجب واجب الرحم
تھی اور میں چونکہ مسلمان ہوں میرا یقین ہے
کہ یہ ساری مخلوق کنبہ ہے خدا کا
میں ایک بیکس عورت کی اعانت میں یہاں تک پونہچ گیا اور اب یقیناً درجہ
شہادت حاصل کروں گا خدا ایسی موت سب کو دے اب بسم اللہ کیجئے۔
ابھی یہ گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ قلعہ حمیدیہ کیطرف سے ایک فیر ہوا جس نے جنرل
سیگیانی کو ہمیشہ کے واسطے ٹھنڈا کر دیا۔ متواتر بندوقوں کی باڑ نے تمام
فوج کو سراسیمہ کر دیا یہاں تک کہ شجاعان عرب کا ایک دستہ میدان کربلا
میں آ پونہچا کامل پانچ گھنٹہ تک خونریز جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر عربوں کی
شجاعت میں فرق نہ آیا۔
سورج غروب ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ جنگی بیڑہ کی آتشباری نے
بہادروں کو پسپا ہونے پر مجبور کیا اور مجاہدین لا اللہ کے نعرے لگاتے ہوئے
آنکھ سے اوجھل ہو گئے ✤

(۸)

اطالیہ کے محل شاہی میں آدھی رات گذر چکی تھی وسطی کمرہ میں برقی روشنی
کے سامنے سینٹن سیمونہ ایک گلابی ریشمیں لبادہ پہنے کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی

گلاب کا ایک سفید پھول ہاتھ میں تھا وہ کسی خیال میں ایسی محو و مستغرق تھی کہ دنیا و مافیہا کا مطلق ہوش نہ تھا دفعتہً ایک نوجوان اُس کمرہ میں داخل ہوا جسکو دیکھ کر سیمونہ بالکل سہم گئی اور کچھ تامل کے بعد کہا۔

الیسٹن! اب تمہاری اتنی مجال ہوگئی کہ محل شاہی میں بلا اجازت و اطلاع آدہی رات کے وقت درانہ چلے آئے کیا پہرہ والے مرگئے تمہاری پہلی عنایتوں کا معاوضہ ہے کہ اسیطے پاؤں باہر نکل جاؤ۔

الیسٹن:۔ شہزادی میں عفو قصور کی غرض سے حاضر ہوا ہوں اگر آپ گوارا کریں تو حسن کے خون کا بدلا مجھہ سے لیجئے +

سیمونہ:۔ کیا حسن پاشا مار دیا گیا؟

الیسٹن:۔ ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا۔

سیمونہ:۔ اچھا میں ابھی آتی ہوں اس کے بعد تمنچہ کا ایک فیر ہوا اور الیسٹن کی لاش فرش زمین پر تڑپتی ہوئی دکہائی دی۔

دنیا عالم اسباب و انقلاب سب کچھ سہی، مگر اجڑ اجڑ کر آدتر سنے اور بن بن کر بگڑنے، والے، کلیجوں پر اتنے داغ لے گئے جو قیامت تک تازہ رہیں گے، یہ ازلی بدنصیب، مختلف طبقات میں منقسم تھے، امرا افلاس کا شکار ہوکر بے یار و مددگار دم توڑ لیئے۔ بادشاہوں نے خاک کے ڈھیروں پر تڑپ تڑپ کر جان دی، لیکن! واجب الرحم تہیں اور ہیں وہ صورتیں جو عزیزوں کے فراق میں بلک بلک کر رخصت ہوئیں، اور ترس ترس کر دنیا سے اٹھیں، یہ بندہ محبت جو مختلف رنگوں میں پردہ دنیا پر آئے، مرگئے مگر زندہ ہیں، عالم فانی کہیں سے کہیں پہنچ جائے مگر ان کے نام اور ان کے کام فراموش نہیں ہوسکتے، بعض بندہ محبت تھے

جو خلوص کی لاج رکھ گئے، کچھ سچ مچ کے انسان تھے جنھوں نے انسانیت کا فرض پورا کیا، اور اکثر شیدائے وطن تھے جنھوں نے آبائی سرزمین کو اپنے خون سے سینچا، جوان جوان بیٹوں کی قربانیاں چڑھائیں، برابر کے بھائی نثار کیئے، اپنی جانیں نذر کیں، گئے تو خرم و شاد، اور رہے تو تاراج و خانماں برباد، زمانہ آج ہزاروں برس آگے نکل آیا، مگر شیدائے وطن کی پرستش، خاک وطن کا ہر ذرہ کر رہا اور مدۃ العمر کرتا رہے گا صلیب و ہلال کی معرکہ آرائیاں، چولی دامن کا ساتھ ہے، ہوئیں ہو رہی ہیں، اور جب تک یورپ کا وجود دنیا میں موجود ہے، ہوتی رہیں گی، رچرڈ کے وہ خونریز حملے جنکو تاریخ کروسیڈ کے نام سے تعبیر کر رہی ہے سینکڑوں برس گذر جانے پر بھی پیش نظر ہیں اور! وہ قدسی نفوس جن کی پاک، روحوں نے، صلاح الدین کی صلائے عام، پر صدائے لبیک دی، جو اپنے خون گرا کر بیت المقدس کو دشمنوں سے بچا گئے، شہید ہونے پر بھی بقار دوام کے خلعت سے مزین ہیں، بیت المقدس کا ہر پتھر، ان کی شجاعت کے گیت گا رہا ہے تاریخ ان کی شہادت پر مرحبا کے نعرے لگا رہی ہے، اور میدان جنگ کا ہر ذرہ ان کے مقدس خون کے قطرہ پر صبح شام سدا بہار پھول چڑھا رہا ہے۔

(۱۰)

اطالیہ کے وزیر جنگ کے احکام کے بموجب آج مقدس پوپ کو اس لیے کہ اس نے اسلام کی حمایت کی طرابلس کے اسی خونریز میدان میں پھانسی کی تجویز ہے عجیب خوفناک منظر ہے۔ پوری پچاس ہزار فوج حضرت

پوپ کو حفاظت میں لیے میدان کی طرف روانہ ہوئی ابھی میدان جنگ
پانچ کیلو میٹر تھا کہ مشرق سے گرد و غبار اڑتا دکھائی دیا۔ اور آناً فاناً
بیس ہزار ترک و عرب ایطالیہ کے سر پر آپڑے ایطالی جنگجو بھی غافل نہ تھے
جی کھول کر لڑے اور خوب داد مردانگی دی۔ طرابلسی جوان تعداد میں کم تھے
جنگی جہازوں کی گولہ باری کی تاب نہ لا سکے پلٹتے تھے کہ ایک عورت نے باواز بلند کہا

آؤ بہادرو آؤ میری چوڑیاں پہنو

ان الفاظ نے برقی رو کا کام دیا اور ترک اللہ اللہ کا نعرہ لگا کر دشمن پر
ٹوٹ پڑے گھمسان کا رن تھا کہ ہزاروں سر تن سے جدا ہو رہے تھے
ایطالی کمانڈر نے جنگ کا نقشہ بدل دیا اور ایک ڈویژن پشت سے
ہٹا کر قلب پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ایطالی کامیاب ہو جاتے اگر نخلستان
کی تازہ کمک اس ڈویژن کا راستہ ہی میں کام تمام نہ کر دیتی۔ نو ساڑھے
نو گھنٹے کی خونریز جنگ کے بعد ایطالیوں کے پاؤں اوکھڑ گئے اور
وہ پسپا ہوئے اسوقت شجاعان عرب میں سے ایک بہادر عورت
[illegible] مقدس پوپ کو گلے سے لگایا اور یہ کہتی ہوئی روانہ ہو گئی

"یقیناً وہ شخص جو ہماری حمایت میں جان دے رہا ہے
تمہاری ایسی ہی اعانت کا مستحق ہے"

(۱۱)

جب ایطالیہ ہر ہتھیار سے طرابلس میں یورپ کی ناک کٹوا چکی اور
کامیابی سے قطعی ناامید ہوئی تو تمام یورپ سے اپیل کیا کہ مسیح کا واسطہ
میری شرم رکھ لو اسوقت یورپ کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا
کہ سوئٹزرلینڈ میں ایک مجلس منعقد کی گئی اور عصمت پاشا نے صلح کا

بیڑا اُٹھایا یہ یورپ کا محسن جسوقت آزادی طرابلس کا اعلان لیکر
روانہ ہوئی سلطنت ایطالیہ نے اس کے استقبال میں کوئی دقیقہ
فروگذاشت نہ کیا۔ بادشاہ خود تعظیم کو اُٹھا اور سیمین پاشا کو معہ
دو ہمراہیوں کے تخت کے برابر میں جگہ دی۔

صلح کا فرمان لیکر تمام سلطنت میں عید ہوگئی اور وزیر جنگ نے
سیمین پاشا کے رخ نازک کو معاوضہ احسانات میں بوسہ دیا۔

اب سیمین پاشا اپنی جگہ سے اُٹھا اور کہا میں ترک، یا عرب نہیں
بلکہ آپ کی اکلوتی بیٹی سیمونہ ہوں یہ میرا محسن حسن پاشا اور دوسرے آپ کے
مقدس پوپ ہیں آپ اجازت دیجئے کہ شاہی گرجا میں میرا نکاح
شرع اسلام کے بموجب حسن پاشا سے ہو جاوے +

اس درخواست کی منظوری میں کیا تامل ہو سکتا تھا حکم کی دیر
تھی نہایت تزک و احتشام سے یہ شادی ہوگئی اور حسن پاشا اپنی
دلربا کو لے کر قسطنطنیہ روانہ ہوا +

راشد الخیری

معزول سلطان عبد الحمید خاں کی تصویر جو زیب ورق اول ہے
امید ہے کہ نہایت دلچسپی سے دیکھی جائے گی سلطان معزول
اب سالونیکا سے قسطنطنیہ تبدیل کیئے گئے ہیں اور
نہایت خوشی کی بات ہے کہ وہ اب تک قید حیات
میں ہیں۔

رباعیات مہر

جانباز میدان عشق کا غازی ہے ۔ یاں سوز سے ساز کار پردازی ہے
پروانے سے سیکھ رسم الفت اے مہر ۔ بازی نہیں عشق بلکہ جانبازی ہے

کیوں عین وصال میں بھی مجبوری ہے ۔ کیوں عین تقرب میں بھی دوری ہے
کہتے ہو کہ اقرب من الحبل الورید ۔ پھر کیوں یہ حجاب اور مستوری ہے

آنکھوں میں تری غبار پندار کا ہے ۔ مانع یہی معشوق کے دیدار کا ہے
کر سرمۂ معرفت سے پہلے اسے دور ۔ پھر دیکھ کہ جلوہ ہر طرف یار کا ہے

بے خود نہیں ہاں خودی سے بیزار ہوں میں ۔ جام وحدت سے مہر سرشار رہوں میں
دیوانہ مجھے کہیں تو پروا کیا ہے ۔ دیوانہ بکار خویش ہشیار [illegible]

کیوں دل بیقرار دم بھر نہ ہوا ۔ افکار سے خالی نہ ہوا پر [illegible]
اے گردش دہر بہتر ہے چکر میں ہیں ۔ آرام سے بیٹھنا میسر [illegible]

ابتک ہے خیال کی تباہی باقی ۔ ابتک ہے تمنا ہے منا [illegible] باقی
[illegible] سفید پر نہیں رنگ خضاب ۔ ہے شیخ کی مہر روسیاہی باقی

گذران ہے جہان مہر گذر جاتا ہے ۔ انساں آتا ہے آکے مرجاتا ہے
ہے زندۂ جاوید وہی نیک انجام ۔ جو نام کے ساتھ کام کر جاتا ہے

ہے نام جہاں وہاں نجات اسکی ہے ۔ ذکر اسکا ہے ذمیں یادرات اسکی ہے
جس شخص کا ہے فیض زمانے میں عام ۔ اے مہر زمانے میں حیات اسکی ہے

جو کام کہ ارباب ہمم کرتے ہیں ۔ سعی بازو سے بیش و کم کرتے ہیں
ہے مہر مقولہ ہے یہی ہمت کا ۔ اپنے سے جو ہو سکے وہ ہم کرتے ہیں

سورج نراین مہر

ڈاکٹر برمن کی بنائی ہوئی مشہور دوائیں

ستائیس برس سے سارے ہندوستان میں استعمال میں آ رہی ہیں

(۱) دمہ جسے زور سے اچھلتا ہو اس دوا کے دو ایک خوراک ہی سے دب جا

(۲) نیا ہو اور اس دوا کا استعمال کیا جائے تو دمہ جڑ سے جاتا ہے

(۳) پرانے دمہ والے یا جن کا دمہ دم کا ساتھی ہو گیا ہے وہ بھی اس دوا

دمہ کی دوا ڈاک محصول ایک سے تین شیشی تک ۵ر آنہ قیمت ایک شیشی ایکروپیہ

مقوی گولیاں ڈاکٹری میں طاقت دینے والی دوائیوں میں مشہور دو

اسکینا اور ڈمینا ملا کر یہ گولیاں بنی ہیں مغز، ہڈ

خون کو یہ طاقت دیتی ہے اس لیے ان کی کمزوری سے پیدا ہوئے معمولی کمزو

یاد۔ بھولنا۔ ہاتھ پیر کا بنیا لقوہ۔ وغیرہ ان گولیوں سے آرام ہوتے ہیں دو ہفتہ

تیس گولیوں کی شیشی قیمت ایکروپیہ (عہ) ڈاک محصول ایک سے چار شیشی تک پا

امراض مستورات کی دوا یہ ہر ایک اقسام کے مستورات کی دوا ہے

...ہو کر حمل کی کمزوری پیٹ جا

...کی خوراک... ...ہے والے استعما...

اس دوا کی بھی آزمائش...

ان دوائیوں کی مفصل حالت معہ سرٹیفکٹوں کی پوری کتاب بلاقیمت ملتی ہے

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن

نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

نوٹ۔ ہمارے ایجنٹ آغا منصب علی کشمیری دریبہ(؟) دہلی میں

فرمائش کے ساتھ اخبار کا حوالہ ضرور دیں۔